امام احمد رضا کے
افکار و نظریات
ایک تقابلی مطالعہ
پروفیسر غلام یحییٰ انجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام احمد رضا کے افکار ونظریات

ایک تقابلی مطالعہ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معاصر علماء ودانشوروں سے علمی، دینی اور سیاسی اختلافات اوراس کے اسباب ووجوہ کا منصفانہ جائزہ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ

ہمدرد یونیورسٹی (جامعہ ہمدرد) نئی دہلی

کتاب : امام احمد رضا کے افکار ونظریات۔ ایک تقابلی مطالعہ
تصنیف : پروفیسر غلام یحییٰ انجم
اشاعت : ۲۰۰۹ء
طباعت نیو اسٹار آفسیٹ پریس دہلی
صفحات: ۳۲۰
قیمت : ۱۰۰/ روپے (ایک سو روپے)
زیر اہتمام: دانش کدہ
۴۰۱۔آر، زیڈ ۴۱ ۲۵/۲۸ تغلق آباد ایکسٹینشن نئی دہلی۔۱۹

تقسیم کار

کتب خانہ امجدیہ
...دو مارکیٹ، مٹیا محل جامع مسجد دہلی

۱۔فاروقیہ بک ڈپو، مٹیا محل ، جامع مسجد دہلی۔۱
۲۔نیو سلور بک ایجنسی، محمد علی روڈ بھنڈی بازار، مہاراشٹر
۳۔ اعجاز بک ڈپو ، ناخدا مسجد زکریا اسٹریٹ، کولکاتا
۴۔ فریدیہ بک ڈپو، تالاب کھٹیکاں، جموں وکشمیر ۱۸۰۰۰۱
۵۔مکتبہ اھل سنت وجماعت، عقب مسجد چوک حیدر آباد، آندھرا پردیش
۶۔کلیم بک ڈپو، خاص بازار، تین دروازہ، احمد گجرات ۳۸۰۰۰۱

ایصال ثواب

مخیرؔ قوم وملت جناب سیٹھ نور محمد صاحب ثناء اللہ کمپاونڈ پلاٹ نمبر ۷

دھاراوی، بمبئی کے :

والد ماجد (وفات ۱۰/ مارچ ۱۹۸۰ء)

اور

والدۂ ماجدہ (وفات شب برات ۲۶/دسمبر ۱۹۹۷ء)

کے نام

قبر پہ ہو رحمتِ حق کا نزول　　نور کی چادر بنے ان کا کفن

مولیٰ تعالیٰ اس کتاب کے لکھنے، پڑھنے کا ثواب، بزرگان دین، اولیائے کاملین کی ارواح طیبات اور ان کی مقبول عبادات کے طفیل ان مرحومین کی ارواح کو پہنچا اور ان کی قبروں کو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری بنا۔ آمین

اور ساتھ ہی ان مرحومین کے لائق فرزند محبّ گرامی جناب سیٹھ نور محمد اور ان کی اولاد کے رزق حلال میں وسعت، صحت وعافیت اور ان کے تمام اہل خانہ کو صحت وسلامتی کی دولت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اور ان کے تمام صاحبزادگان کو دین حق کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق رفیق اور دارین کی سعادتوں سے ہمکنار فرما۔ آمین

الٰہی ان کے حصے کا بھی غم مجھ کو عطا کر دے
کہ ان معصوم آنکھوں میں نمی دیکھی نہیں جاتی

شریک غم۔ غلام یحییٰ انجم

فہرست

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، ہمدرد نگر، نئی دہلی ۶۲

ولدیت: جناب علی رضا مرحوم (اکتوبر ۱۹۹۳ء)

مستقل پتہ: پرسا بزرگ پوسٹ آفس جگنادھام، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی پن کوڈ ۲۷۲۱۹۲

رہائش: ۴۰۱-آزاد اپارٹمنٹ، آر، زیڈ ۲۵۴۱/۲۸ تغلق آباد ایکسٹینشن نئی دہلی ۱۱۰۰۱۹

اسناد: ایم،اے۔ایم،فل۔پی،ایچ۔ڈی (عربی) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

فضیلت (درس نظامی) الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

کامل (فارسی) عالم (دینیات) فاضل (عربی ادب) فاضل (معقولات) یوپی بورڈ لکھنؤ

اعزاز و ایوارڈ:

یونیورسٹی میڈل از مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۲ء ☆ نوجوان محقق کیریر ایوارڈ از حکومت ہند ۱۹۹۳ء ☆ شعبہ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی سے دیگر پانچ علماء کے ساتھ راقم السطور کے تحقیقی کاموں پر پی، ایچ۔ڈی کی ڈگری ایوارڈ ۱۹۹۴ء ☆ کندن لال اشکی ایوارڈ از روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی ۱۹۹۷ء ☆ توصیف نامہ از وزیر اعلیٰ اتر پردیش ۲۰۰۱ء ☆ نامزد ممبر از حکومت اتر پردیش برائے قیام عربی وفارسی یونیورسٹی اتر پردیش ۲۰۰۲ء ☆ نامزد ممبر ورکنگ کمیٹی برائے قیام اسلامک یونیورسٹی سری نگر، کشمیر ۲۰۰۳ء ☆ حافظ الملک ایوارڈ از شہر پیلی بھیت ۲۰۰۳ء ☆ اردو اکیڈمی دہلی ایوارڈ ۲۰۰۴ء ☆ نامزد ممبر نصاب کمیٹی نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ نئی دہلی ۲۰۰۵ء ☆ ممبر گورننگ کونسل اردو اکیڈمی، دہلی ۲۰۰۶ء ☆ سعودی حکومت کی دعوت پر سفر حج دسمبر ۲۰۰۶ء ☆ اشرف العلماء ایوارڈ ممبئی مارچ ۲۰۰۷ء ☆ بہار اردو اکیڈمی انعام ۲۰۰۷ء ☆ نعلین مصطفےٰ ایوارڈ از خانقاہ مارہرہ مطہرہ ۱۸ر نومبر ۲۰۰۷ء ☆ ویر عبد الحمید ایوارڈ از اوریسہ وکاس کمیٹی دہلی ۱۳ر اپریل ۲۰۰۸ء ☆ توصیف نامہ از جامعہ اہل سنت فیضان اشفاق ناگور ۱۳ر اپریل ۲۰۰۹ء

مطبوعہ کتابیں :

ا۔نقش آخرت (مجموعۂ نعت)، الہ آباد ۱۹۷۸ء

۲۔مصری مورخین۔ایک تنقیدی مطالعہ (ایم فل کا مقالہ)، فیض آباد ۱۹۸۷ء

۳۔تذکرہ علمائے بستی، جلد اول فیض آباد ۱۹۸۸ء

۴۔انوار خیال (بہ تعاون مالی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش، لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۱ء

۵۔امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۲ء

۶۔مولانا حشمت علی لکھنوی۔ایک تحقیقی مطالعہ دہلی ۱۹۹۲ء ۷۔جغرافیہ (ضلع سدھارتھ نگر) دہلی ۱۹۹۲ء

۸۔متنبی۔ایک تحقیقی مطالعہ (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی دہلی) دہلی ۱۹۹۴ء

۹۔ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون؟، دہلی ۱۹۹۵ء

۱۰۔آبشار (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی اتر پردیش لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۸ء

۱۱۔دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟، دہلی ۱۹۹۹ء و ۲۰۰۲ء

۱۲۔چراغ رہ طب (منظوم سوانح حکیم عبدالحمید دہلوی، دہلی ۱۹۹۹ء

۱۳۔ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الہند شیخ عبدالوہاب جیلانی، دہلی ۱۹۹۹ء لاہور ۲۰۰۰ء کراچی ۲۰۰۱ء۔ ۱۴۔مزارات پر حاضری اور اس کے آداب، دہلی ۲۰۰۰ء و ۲۰۰۲ء

۱۵۔تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم، دہلی ۲۰۰۱ء

۱۶۔نصاب تعلیم برائے عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش لکھنؤ، شعبہ نشریات جامعہ ہمدرد دہلی ۲۰۰۱ء

۱۷۔ذکر مرشد، دہلی ۲۰۰۲ء ۔۱۸۔تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول دہلی ۲۰۰۳ء

۱۹۔حضرت مولانا طفیل احمد حشمتی۔ایک تعارف، بمبئی ۲۰۰۴ء

۲۰۔دینی مدارس اور عہد حاضر کے تقاضے، پور بندر گجرات ۲۰۰۴ء

۲۱۔کتاب المقفی الکبیر للمقریزی (تحقیق) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۲۰۰۵ء

۲۲۔معلم العربیہ لطلاب العلوم الطبیہ (بہ تعاون مالی اردو قومی کونسل دہلی) دہلی ۲۰۰۶ء

۲۳۔تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم دہلی ۲۰۰۶ء (۲۴) اچھا سماج (برائے درجات پرائمری) دہلی ۲۰۰۸ء

ابتدائیہ

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری کی شخصیت پر موجودہ زمانے میں جس انداز سے ریسرچ و تحقیق ہو رہی ہے وہ نہ صرف قابل ستائش ہے بلکہ باعث مسرت بھی ہے۔ محققین اپنی شبانہ روز مساعی سے ان کی زندگی کے نئے گوشوں اور حیرت انگیز پہلوؤں کو اہل علم کے سامنے پیش کر رہے ہیں جس کے باعث وہ حضرات جو ان کا نام سننا گوارہ نہیں کرتے تھے ان میں اب ان کی تصانیف کے مطالعہ کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر حضرات کو میں نے خود امام اہل سنت کی تصنیف کردہ بعض کتابیں برائے مطالعہ فراہم کرائیں جس کا انہوں نے کھلے ذہن و دماغ سے مطالعہ کیا اس مطالعہ کا اثر یہ ہوا کہ وہ اہل علم کی مجالس میں ببانگ دہل اب امام احمد ۔ ا قادری کے بیشتر افکار و نظریات کا کھلے دل سے اعتراف کر رہے ہیں اگر اسی طرح اہل علم حضرات ان کے افکار و نظریات کا مطالعہ تعصب کا عینک اتار کر ان ہی کی تحریروں کی روشنی میں کریں تو مجھے یقین ہے کہ انہیں اعتراف حق میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا کے تعلق سے حلقۂ معاندین سے جو بات بڑی شد و مد کے ساتھ سنائی دے رہی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا قادری لوگوں کو بات بات پر کافر بنایا کرتے تھے اگر انہوں نے براہ راست ان کی تحریروں کا مطالعہ کیا ہوتا تو شاید ایسی غیر سنجیدہ باتیں نہ کرتے اس قسم کی رائے رکھنے والے بیشتر وہی لوگ ہیں جنہوں نے امام احمد رضا کو ان کی کتابوں سے نہیں بلکہ ان کے معاندین کی تحریروں کی مدد سے سمجھا ہے۔

یہ کتاب میرے چار پانچ مقالات کا مجموعہ ہے جو امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے تعلق سے میں نے رضویات کے مشہور مجلّہ معارف رضا کراچی کے لئے کوئی دس پندرہ سال قبل لکھے تھے۔ مقالات کی طباعت کے بعد ہی حلقۂ رضویت سے مانگ شروع ہوگئی تھی کہ ان مقالات کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے لیکن کچھ دوسرے موضوعات کی تحقیق وتدقیق میں میں اس طرح منہمک ہوا کہ اس طرف بالکل توجہ نہ ہوسکی اور ہزار تقاضوں کے باوجود یہ مقالات کتابی شکل میں منظر عام پر نہ آسکے۔

امام احمد رضا سچے عاشق رسول تھے جس کا اعتراف ان کے ماننے والوں نے ہی صرف نہیں کیا ہے بلکہ ان کے معاندین ومخالفین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ عظمت نبی ﷺ اور محبت رسول ﷺ کا زبان ودل سے اعتراف ہی اصل ایمان ہے اسی لئے امام احمد رضا قادری نے عمر بھر زبان وقلم سے عظمت نبی کے تحفظ اور محبت رسول کا درس دیا اور جس کسی نے بھی شان رسالت میں ادنیٰ گستاخی کی خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا تو ان کا قلم سیف برّاں کی طرح چل پڑا اور شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں کو یہ بتادیا۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار — اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

امام احمد رضا قادری کے اختلافات معاصر علماء ودانشوروں سے کس نوعیت کے تھے؟ وہ اختلافات علمی تھے یا دینی وسیاسی؟ اس کتاب میں اسی تعلق سے گفتگو کی گئی ہے۔ ان مباحث کے مطالعہ سے آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ بحث ومباحثے میں ان کا رویہ کیسا ہوتا وہ اپنی بات کو اپنے حریف تک کس طرح سنجیدگی سے پہنچاتے ان کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ بحیثیت مفتی شرعی فتویٰ صادر کرنے سے پہلے وہ افہام وتفہیم کی ہر ممکن کوشش کرتے پھر بھی نہیں بات بنتی تو اس قسم کے نظریات رکھنے والوں کے لئے اکابر علما نے کیا فیصلے صادر کیے ہیں وہ نظائر تلاش کرتے ان فیصلوں پر ناقدانہ نظر ڈالتے اگر کوئی گنجائش ہوتی تو وہ گنجائش ضرور نکالتے کچھ نام نہاد علماء کے بارے میں ان کے گمراہ کن

افکار و نظریات کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد کوئی شرعی فیصلہ صادر کئے بغیر اپنی کتاب الکوکبۃ الشہابیۃ میں لکھتے ہیں ۔

"باجماع ائمہ ان سب پر اپنے تمام کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ و رجوع اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھنا فرض و واجب اگر چہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب"

(الکوکبۃ الشہابیۃ ص ۶۴ رضا بک ڈپو بریلی شریف)

یہ ہے امام احمد رضا قادری کا مقام احتیاط جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا قادری کفر کی مشین تھے انہیں اپنے اس غیر سنجیدہ لب ولہجہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اس لئے اہل علم اور دانشور طبقہ سے میری گذارش ہے کہ ہر شخص کو آزاد ہندوستان میں آزادئ رائے کا حق حاصل ہے وہ اپنی رائے ضرور قائم کرے مگر اپنی رائے قائم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کی تحریروں کا براہ راست مطالعہ کر لے جو اہل علم و دانش کا شیوہ ہے۔

امام احمد رضا قادری کے اپنے معاصر علماء اور دانشوروں سے جو علمی معرکے یا بحث و مباحثے ہوئے ان تمام اختلافات کو کتابی شکل میں اہل علم کی عدالت میں پیش کرنے کے لئے صلاحیت ، دولت اور وقت ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہے اور اتفاق سے راقم السطور ان تمام چیزوں سے عاری ہے۔ اس لئے صرف چند مگر اہم علمی ، دینی اور سیاسی مباحث جو معاصر علما اور دانشوروں سے ہوئے ہیں اس کا مختصر جائزہ اس کتاب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یوں تو امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری کی زندگی اور کارناموں پر مختلف جہتوں سے کام ہوا ہے مگر یہ اپنی نوعت کا شاید بالکل منفرد کام ہے۔ چراغ سے چراغ جلنے کی روایت بہت پرانی ہے امید ہے کہ اس کام کو سامنے رکھ کر اہل دین و دانش کوئی اہم اور معیاری کارنامہ انجام دے سکیں گے۔

میں اپنے ان تمام معاونین و مخلصین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے پیہم تقاضوں

کے سبب یہ مقالے کتابی شکل میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آسکے، ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کراچی پاکستان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب پر پیش لفظ لکھ کر اس کتاب کی اہمیت کو دوبالا کیا۔ اس کتاب کو وہ اپنی ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھ سکے اور طباعت سے قبل ۲۸/اپریل ۲۰۰۸ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے آمین۔ اپنے مخلص وکرم فرما جناب سیٹھ نور محمد دھاراوی بمبئی اور ان کے فرزند ارجمند جناب سیٹھ شہباز کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون کرم ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت کے۔ لئے خندہ دل سے مالی تعاون کی پیش کش کی۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد اور ہمارے تمام معاونین کو دین ودنیا کی ابدی سعادتوں سے ہمکنار کرے اور جنت الفردوس میں سرکار دوعالم ﷺ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین۔

بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلیٰ الہ واصحابہ الطیبین والطاہرین الیٰ یوم الدین۔

(ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم)

پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ

جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی) ہمدرد نگر نئی دہلی

۱۶/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

۱۰/جولائی ۲۰۰۹ء

پیش لفظ

ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد کراچی سندھ اسلامی جمہوریہ پاکستان

فاضل مصنف ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (صدر شعبہ علوم اسلامیہ ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی) معروف دانشور اور محقق ہیں ان کی نگارشات قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں "امام احمد رضا کے افکار و نظریات۔ ایک تقابلی مطالعہ" ان کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے جس میں انہوں نے معاصرین سے امام احمد رضا محدث بریلوی کے فکری اختلافات کا جائزہ لیا ہے۔ اختلافات کی اہمیت اس وقت اُجاگر ہو جاتی ہے جب اختلافات کرنے والا صاحب علم وفضل ہو۔ امام احمد رضا محدث بریلوی آج سے ساٹھ برس پہلے جدید علمی دنیا میں علم کے حوالے سے متعارف نہ تھے، بعض اہل علم نے نہ جانے کیوں مختلف الزامات لگا کر امام احمد رضا محدث بریلوی کی شخصیت کو داغدار کیا تھا اب وہ حضرات نادم و شرمسار ہیں اور بعض انصاف پسند حضرات امام احمد رضا محدث بریلوی پر تحقیق کرنے والوں کی رہنمائی فرما رہے ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی غیر معمولی علم وفضل اور دانش و حکمت کے حامل تھے۔ ان کی شخصیت اور فکر کے بیسیوں پہلو ہیں۔ انہوں نے عہد زوال میں آنکھ کھولی مگر ان کی فطرت میں عروج تھا، انہوں نے اپنی جان کی طرف نہ دیکھا، وہ عہد ساز شخصیت کے مالک تھے، وہ عمل کے داعی تھے، وہ سراپا عمل تھے ان کی زندگی مکمل عمل سے عبارت تھی۔ گزشتہ ساٹھ سال سے ان کی شخصیت اور علمی خدمات وافکار پر مسلسل کام ہو رہا ہے۔ ملک و بیرون ملک کی جامعات سے ان کی شخصیت وفکر کے مختلف پہلوؤں پر اب تک تقریباً بیس فضلا

ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے، اتنی بڑی تعداد میں کسی بھی شخصیت پر کام نہیں ہوا۔ پاک وہند کی جامعات کے علاوہ کالبیا یونیورسٹی، کیلیفورنیا یونیورسٹی، (امریکہ) لندن یونیورسٹی (یو، کے) لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) ازہر یونیورسٹی (مصر) وغیرہ کے فضلا نے بھی امام احمد رضا محدث بریلوی پر اہم کام کئے ہیں۔ بعض علمی شخصیات اور نجی اداروں نے بھی یادگار اور عہد ساز کام کئے ہیں جس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے، اس مسلسل تحقیق سے عالمی مورخین و محققین کو حقائق کا علم ہوا اور انہوں نے برملا اعتراف کیا کہ

''اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ سب یک طرفہ ہے''

یہ بات پاکستان کے بین الاقوامی مورخ ڈاکٹر اشتیاق قریشی نے ایک کانفرنس میں فرمائی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے تاریخ کے دھارے کو پلٹ دیا، یہ اس کا اعتراف تھا۔ پاکستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ سائنس داں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے سکون زمین کے نظریہ کو قابل توجہ قرار دیا جب کہ دوسرے بین الاقوامی سائنس داں ڈاکٹر عبدالسلام (ٹریسٹ، اٹلی) نے اس کو نظر انداز کر دیا یہ باتیں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ جدید علمی دنیا میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی شخصیت کو بعض حضرات نے اب تک تسلیم نہیں کیا ہے اس لئے حقائق سے آگاہ کرنا ضروری ہوا تا کہ شخصیت کی عظمت دل میں بیٹھے تو اس کی باتوں کا وزن بھی دل میں محسوس ہو۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے متقدمین، متاخرین اور معاصرین سے اختلاف کیا ہے اور اپنے اختلافات کو دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر قاری ان کے دلائل سے اتفاق کرے لیکن ان کے دلائل کے وزن کو وہ ضرور محسوس کرے گا بالعموم اختلاف کرنے والے کا کسی نہ کسی طرف جھکاؤ ہوتا ہے۔ لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے اپنے اور بیگانے سب سے اختلاف کیا ہے لیکن اس اختلاف میں

نہ دوست کی طرف سے دوستی کی وجہ سے جھکاؤ ہے نہ مخالف سے مخالفت کی وجہ سے بیزاری
امام احمد رضا محدث بریلوی نے مشہور سائنس دانوں آئزک نیوٹن، آئین اسٹائن، البرٹ
یف پورٹا وغیرہ سے بھی اختلاف کیا ہے۔ ان کے اختلافات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اگر
ان اختلافات کو ڈاکٹریٹ کے لیے موضوعات بنائے جائیں تو کئی اہم تحقیقی مقالات مرتب
ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے اپنے تحقیقی مقالات سے راہیں کھول دی ہیں اب کام
کرنے والے آسانی سے کام کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تصنیف "امام
احمد رضا کے افکار ونظریات۔ ایك تقابلی مطالعه" کے تحت جراءت و بے
باکی سے مقالات قلم بند کئے ہیں۔ شاید بعض اہل علم لکھنے سے ہچکچاتے مگر تحقیق میں طرف
داری و جانب داری کی کوئی گنجائش نہیں، تحقیق کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دیتی ہے، بلند
و بالا پست نظر آنے لگتے ہیں، اور پست بلند و بالا ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق لائق
تحسین ہیں، مولیٰ تعالیٰ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کی اس کتاب کو مقبول و محبوب بنائے اور حقائق کی
روشنی میں قارئین کرام کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللھم آمین۔

۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ
۶/ دسمبر ۲۰۰۵ء

احقر محمد مسعود احمد
کراچی۔ سندھ
(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری

(۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء)

امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے آباواجداد قندھار کے موقر قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے۔ محمد سعید اللہ خاں جو عالی جاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے۔ مغل بادشاہوں کے عہد میں سلطان محمد نادر شاہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ گوناگوں خوبیوں کے باعث ''شش ہزاری'' منصب تفویض ہوا اور لاہور کا شیش محل انہیں جاگیر میں دیا گیا اور جب دہلی آئے تو حکومت وقت کی جانب سے انہیں ''شجاعت جنگ'' کا خطاب ملا۔ انہی کے اخلاف میں حضرت مولانا شاہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۲۹۷ھ) کے گھر بریلی شریف میں ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء روز شنبہ بوقت ظہر جس فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی اسی کا نام احمد رضا تھا۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن مولانا حافظ کاظم علی خاں بن مولانا شاہ محمد اعظم خاں بن محمد سعادت علی خاں (علیہم الرحمۃ والرضوان) (۱)

ابتدائے عمر میں بسم اللہ خوانی ہوئی عام طور سے چار سال چار ماہ اور چار دن کی مدت میں بچہ کی بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی جاتی ہے مگر خدا کے فضل سے آپ نے چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرلیا تھا۔ ذہانت وفطانت کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا

تھا۔اس کا اندازہ ذیل کی اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے جو الف، با پڑھتے وقت پیش آیا تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے ایک مقالہ ''امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ'' میں لکھتے ہیں۔

''استاذ نے بسم اللہ کے بعد الف، با، تا، ثا، جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا آپ پڑھتے رہے جب لام الف کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے استاد نے دوبارہ کہا میاں لام الف، آپ نے فرمایا دونوں حروف تو پڑھ چکے ہیں ل بھی اور الف بھی۔ اب یہ دوبارہ کیوں؟ جد امجد مولانا رضا علی خاں موجود تھے، بولے بیٹا استاد کا کہنا مانو جو کہتے ہیں پڑھو حضرت نے تعمیل کی اوع جد امجد کی طرف دیکھا وہ فراست سے سمجھ گئے کہ اس بچہ کو شبہ ہو رہا ہے کہ حروف مفردہ میں ایک مرکب لفظ کیسے آ گیا فرمایا بیٹا تمھارا شبہ درست ہے۔مگر شروع میں جو تم نے الف پڑھا ہے وہ الف دراصل ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ممکن نہیں اس لئے ایک حرف لام اول میں ملا کر اس کا تلفظ بنانا مقصود ہے آپ نے فرمایا تو کوئی بات نہیں ایک حرف ملا دینا کافی تھا لام کی کیا خصوصیت ہے با، دال، سین اول میں لا سکتے ہیں ۔جد امجد نے غایت محبت وجوش میں گلے سے لگایا دل سے دعائیں دیں پھر اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔'' (۲)

بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران عجب عجب انداز سے آپ نے اعتراضات کر کے اپنے اساتذہ کو حیرت میں ڈال دیا۔اہل علم میں جن حضرات تک آپ کے تعلق سے اس طرح کی باتیں پہنچیں وہ متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔آپ کی ابتدائی زندگی میں پیش آنے والے اس طرح کے کئی ایک چشم دید علمی واقعات کا ذکر "حیات اعلیٰ حضرت" کے مصنف ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری نے اپنی شاہکار تصنیف میں پیش کیا ہے۔

مولانا احمد رضا قادری نے علوم وفنون کی بیشتر تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی البتہ ابتدائی تعلیم کے لئے آپ نے مرزا غلام قادر بیگ اور مکتب کے دوسرے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ چودہ سال کی عمر میں ۱۴ر شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کو علوم مروجہ کی تحصیل سے فراغت ہوئی اور ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں جب زیارت حرمین شریفین کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں حضرت سید احمد زینی دحلان مفتیٔ شافعیہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن سراج مفتیٔ حنفیہ سے حدیث، فقہ، اصول اور تفسیر وغیرہ کی سند واجازت حاصل کی۔ مولانا رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند میں یہاں تک لکھا ہے۔

"۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں پہلی بار بیت اللہ کے لئے والد ماجد کے ہمراہ تشریف لے گئے قیام مکہ معظمہ کے دوران شافعی عالم حسین بن صالح جمال اللیل ان سے بے حد متاثر ہوئے اور تحسین وتکریم کی موصوف نے اپنی تالیف "الجوهرة المضية" کی عربی شرح لکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں نے صرف دو روز میں اس کی شرح تحریر فرمادی اور اس کا تاریخی نام "النيرة الوضيئة فی شرح الجوهرة المضيئة" (۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) رکھا۔ بعد میں تعلیقات وحواشی کا اضافہ کر کے اس کا تاریخی نام الطرة الرضيئة علی النيرة الوضيئة (۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) تجویز کیا۔ (۳)

اس عظیم کارنامہ کے باعث آپ کی علمی عبقریت کا شہرہ پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا۔ جو بھی آپ کی تحریریں پڑھتا وہ آپ کی علمی جلالت قدر کا نہ صرف اعتراف کرتا بلکہ معاً اس کے دل میں آپ کی زیارت کا شوق بھی انگڑائیاں لینے لگتا۔ پہلی بار سفر حج کے دوران علمائے عرب نے آپ کو اجازت اور اسناد سے نوازا لیکن ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں جب دوسری بار بارادۂ حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کی علمی عبقریت کی شہرت کے باعث وہاں کے علماء نے خود آپ سے علمی استفادہ کیا اور علمی اسناد واجازات حاصل کیں۔ مولانا

محمود احمد نے تذکرہ علمائے اہل سنت میں لکھا ہے۔

"١٣٢٣ھ میں دوسری بار حاضری دی، یہ حاضری بہت شان سے ہوئی۔ دیار عرب کے علماء و مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ اجازت و خلافت حاصل کیں اور آپ کے علمی تبحر کا اعلان کیا" (٤)

سفر حرمین کے دوران علمائے حرم نے بعض فقہی اور کلامی مسائل میں آپ سے مذاکرہ بھی کیا اور کچھ علمی استفسار بھی کئے جس کا جواب آپ نے جس محققانہ انداز میں دیا اس سے علمائے حرم ششدر رہ گئے۔ مولوی عبدالحئ رائے بریلوی نے اپنی تالیف "الاعلام (نزھۃ الخواطر)" میں علمائے حرم کی حیرانی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

"اعجبوا بغزارۃ علمہ وسعۃ اطلاعہ علی المتون الفقھیۃ والمسائل الخلافیۃ وسرعۃ تحریرہ وذکائہ" (٥)

علمائے حرمین نے آپ کی توجہ جس علمی مسئلہ کی طرف مبذول کرائی تھی یا جو استفتاء آپ کے سامنے پیش کیا تھا اس کا تعلق کرنسی نوٹ سے تھا۔ کرنسی نوٹ کا مسئلہ علمائے حرم کے درمیان عقدۂ لاینحل بنا ہوا تھا مگر جب آپ کے سامنے یہ سوال آیا تو اس کا قلم برداشتہ جواب آپ نے جس بصیرت و بصارت کے ساتھ دیا۔ اس کا اندازہ اہل علم ہی لگا سکتے ہیں۔ عربی زبان میں لکھی گئی اس کتاب کا نام آپ نے "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" (١٣٢٤ھ/١٩٠٦ء) رکھا ہے۔ مگر صاحب الاعلام نے اس کتاب کی تصنیف کا سنہ ١٣٢٣ھ بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

"کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" الذی الفہ فی مکۃ سنۃ ثلاث وعشرین وثلاث مائۃ والف (٦)

اسی سفر میں علمائے حرم کے سوال پر علم غیب کے موضوع پر بھی ایک محققانہ رسالہ لکھا تھا اور یہ رسالہ ٢٦/اور ٢٧/ذی الحجہ ١٣٢٣ھ/١٩٠٥ء کو دو نشستوں میں ساڑھے آٹھ

گھنٹے میں تحریر کیا تھا جیسا کہ اس کتاب میں مرقوم ہے۔

جو علماء علم غیب کے منکر ہیں جن میں اکثر ہندوستانی ہیں انہوں نے دوران سفر حج یہ سوال کیوں اٹھایا اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد رضا قادری فرماتے ہیں۔

''انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت میں مشغول ہوں اور اپنے مولیٰ ومحبوب ﷺ کے شہر کی جانب جانے کی جلدی ہے تو انہوں نے یہ سوال اٹھایا اس طمع پر کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا اور کتابیں پاس نہ ہونا مجھے اظہار جواب سے روک دے گا تو اس میں ان کی عید وخوشی ہو جائے گی'' (۷)

ظاہری طور پر اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری نے ان کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا منہ توڑ عالمانہ جواب دیا اور علم غیب مصطفےٰ ﷺ کے ثبوت میں قرآنی آیات واحادیث نبوی اور قوانین شریعت کے انبار لگا دیئے۔ جب یہ کتاب علمائے حرمین شریفین کے سامنے پہونچی تو اس قدر عجلت میں لکھی گئی عالمانہ کتاب کا متحیر ہو کر صرف خیر مقدم ہی نہیں کیا بلکہ اس کے مصنف کی علمی عبقریت کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا۔ اس کا اندازہ ان علما کی تقاریظ سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے " الدولة المكية بالمادة الغيبية " کے تعلق سے تحریر فرمائی ہے۔ جس کی تفصیل "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں " نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بعض ہندوستانی علماء کی طرف سے مولانا شاہ احمد رضا قادری پر یہ الزام تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے علم کو علم الٰہی کے مماثل قرار دیتے ہیں درج بالا کتاب میں مولانا احمد رضا خاں قادری نے اپنے اوپر لگائے گئے اس الزام اور تہمت کی تردید فرمائی ہے۔ اس کتاب پر جن علما نے اپنے خیالات قلم بند فرمائے ہیں ان میں درج ذیل شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔

۱۔ شیخ یوسف اسمٰعیل النبهانی صاحب جواهر البحار، فلسطین

۲۔ شیخ العلام محمد سعید بن محمد مفتی شافعیہ ،مکہ معظمہ

۳۔ شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمان سراج مفتی حنفیہ ،مکہ معظمہ

٤۔ شیخ عبد اللہ بن حمید مفتی حنبلیہ ،مکہ معظمہ

۵۔ شیخ محمد صالح بن علامہ شیخ صدیق کمال سابق مفتی حنفیہ، خطیب و امام مسجد حرام ،مکہ معظمہ

٦۔ رئیس الخطباء والائمۃ والمدرس مسجد الحرام شیخ احمدابوالخیر بن عبد الہ میر داد علیہ الرحمہ ،مکہ معظمہ

۷۔شیخ عبد اللہ بن صدقہ بن زینی دحلان جیلانی مدرس مسجد حرام ،مکہ معظمہ

۸۔شیخ محمد صالح بن شیخ محمدبا فضل امام شافعیہ مسجد حرام، مکہ معظمہ

۹۔شیخ احمد الجزائری بن السید احمد مدنی مفتی مالکیہ، مدینہ منورہ

انہیں اجلہ علمائے کرام کی طرح مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تقریباً ٦١ علماء کرام نے تقاریظ لکھیں اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔جن کی تفصیل "فاضل بریلوی اور علمائے حجاز کی نظر میں " نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مولانا شاہ احمد رضا قادری کو متعدد اور بعض تذکرہ نویسوں کے مطابق اٹھاون علوم وفنون میں ملکہ حاصل تھا۔ان علوم میں آپ نے اپنی تصانیف بھی چھوڑی ہیں اور ہر تصنیف تحقیق وتدقیق کے اعتبار سے بلند تر ہے۔جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا ہے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔اس طرح آپ کی چھوٹی بڑی ایک ہزار تصانیف کا پتا چلتا ہے۔جن میں بیشتر ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہیں۔ان تمام کتابوں میں ترجمہ قرآن پاک "کنزالایمان فی

ترجمہ القرآن" " العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة "اور"حدائق بخشش" نے کافی شہرت ومقبولیت حاصل کی۔ آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد اختلاف عقیدہ کے باوجود مولوی عبدالحیٔ رائے بریلوی بھی آپ کی علمی جلالت قدر کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے فرماتے ہیں۔

" کان عالماً متبحراً کثیر المطالعة واسع الاطلاع له قلم سیال وفکر حافل فی التالیف " (۸)

امام احمد رضا فاضل بریلوی حدیث، تفسیر، فقہ واصول فقہ الغرض تمام شرعی علوم میں بڑی مہارت تھی۔ ان مضامین کے جزئیات پر آپ کی گہری نظر تھی۔ لیکن بحیثیت فقیہ آپ کو جو شہرت ملی وہ آپ کے معاصر علما کے حصے میں نہ آسکی۔ ہزار ہا فتاوی کے آپ نے قرآن واحادیث کی روشنی میں مدلل جوابات دیئے۔ اس زمانہ میں فقہی بصیرت کے معاملہ میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ بلاد اسلامیہ کے تمام مفتیان کرام آپ کے نوک قلم سے لکھے گئے فتاوی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ الاعلام کے مصنف نے فقہی بصیرت کے تعلق سے درج ذیل رائے قائم کی ہے۔

" یندر نظیرہ فی عصرہٖ فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته یشهد بذالک مجموع فتاواه " (۹)

مولانا شاہ احمد رضا کی فقہی بصیرت پر مولانا حسن رضا نے پٹنہ یونیورسٹی سے پی، ایچ۔ ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ انہوں نے آپ کی فقاہت کے تعلق سے بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ موصوف کا تحقیقی مقالہ " فقیه اسلام " کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ اپنے تحقیقی مقالہ کے "پیش گفتار" میں وہ لکھتے ہیں۔

"فتاوی رضویہ کے مطالعہ کے دوران مجھے اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں متعدد اصحاب کمال کے چہرے نظر آتے ہیں میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اعلیٰ

حضرت جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایسے فقیہ کی تصویر ابھرتی ہے جو قوت اجتہاد بصیرت فکر، ذہانت وتعقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہیں رکھتا'' (۱۰)

مولانا احمد رضا قادری نے جس گہرائی کے ساتھ فقہ کا مطالعہ کیا اور جس توجہ اور انہماک کے ساتھ بلاد اسلامیہ سے آئے ہوئے فتاوی کا جواب دیا اس کی نظیر دوسرے مفتیان کرام کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ آپ کے فتاوی کے مجموعے بلاشبہ فقہی انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتے ہیں۔ جہازی سائز کے ہزاروں صفحات پر مشتمل ۱۲ جلدوں کو تعلیق وحواشی اور ترتیب جدید کے ساتھ شائع کیا جائے تو اس کی بارہ جلدیں کئی ایک بارہ جلدوں میں شائع ہوں گی۔ یہ بتاتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اس نہج پر کام حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سابق ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ لاہور نے کیا ہے جس کی تمام جلدیں شائع ہو چکی ہیں ہندوستان میں ان تمام جلدوں کو خوبصورت انداز میں برکات رضا پور بندر گجرات نے ۲۲ر جلدوں میں شائع کر دیا ہے جس کا ایک سیٹ مجھے بھی ہدیۃً بھیجا گیا ہے۔ فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

سطور بالا میں فتاوی رضویہ کو فقہ اسلامی کا انسائیکلو پیڈیا لکھا گیا ہے۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ اس دور کے محققین کا بھی یہی خیال ہے۔ ڈاکٹر محمد طفیل ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد اپنے ایک مقالہ ''فتاوی رضویہ کے فقہی مصادر'' میں لکھتے ہیں۔

''یہ کتاب درحقیقت فقہ اسلامی کا ایک دائرۃ المعارف ہے اگر فتاوی رضویہ میں بیان کردہ مسائل کو انضباطی ترتیب سے مرتب کیا جائے تو یقین ہے کہ یہ فقہ اسلامی کا ایک عظیم انسائکلو پیڈیا ہوگا۔'' (۱۱)

آپ کی فقہی بصارت کا اعتراف متعدد ارباب دین ودانش اور صاحبان فکر

ونظر نے کیا ہے۔ جس کی تفصیل امام احمد رضا قادری سے متعلق سوانحی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف ڈاکٹر سر محمد اقبال کا وہ بیان بھی کھلی آنکھوں سے پڑھنے کے قابل ہے جسے انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اساتذہ کے درمیان مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑنے پر فرمایا:

''وہ بے حد ذہین اور باریک بیں عالم دین تھے فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا ان کے فتاوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور ہندوستان کے لئے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ مشکل سے ملے گا'' (۱۲)

کنز الایمان فی ترجمة القرآن

مولانا شاہ احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فتاوی رضویہ کے علاوہ اور جن تصانیف نے شہرت دوام بخشی ان میں کنز الایمان کا خصوصی مقام ہے۔ قرآن حکیم کے اس ترجمہ نے حقانیت وصداقت کی اس دنیا میں اپنا وقار اور معیار صرف برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اس نے ایوان باطل میں تہلکہ مچادیا اس ترجمہ میں عظمت توحید اور ناموس رسالت کا بھرپور پاس رکھا گیا ہے بقول مولانا لیس اختر مصباحی:

''اس جامع بلیغ ترجمہ کے اندر عظمت توحید کا پاس ولحاظ رکھا گیا ہے کہ دوسرے اردو تراجم قرآن میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی یہ ترجمہ قرآن کتاب وسنت کا وہی شارح وترجمان ہے۔ جس نے سبحان السبوح جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر امکان کذب باری تعالیٰ کے سارے دلائل وبراہین کی دھجیاں بکھیر دیں اور اس کے جواز کے قائل بڑے بڑے اساطین وصنادید کی زبانیں گنگ ہوکر رہ گئیں'' (۱۳)

امام احمد رضا قادری نے قرآن حکیم کا ترجمہ کرکے ملت اسلامیہ پر احسان عظیم کیا ہے اور وہ اس لئے کہ اس زمانے میں جتنے قرآن حکیم کے تراجم موجود تھے اس میں کسی نہ

کسی طرح شان رسالت میں تنقیص کے پہلو نمایاں تھے اور کما حقہ عظمت توحید ربانی کا اظہار نہیں ہوتا تھا مگر آپ کا ترجمہ قرآن ان تمام خامیوں سے قطعاً مبرا ہے۔ اس ترجمہ کے سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کے جتنے تراجم اردو زبان میں موجود ہیں ان میں چند ہی تراجم ایسے ہیں جو قرآن حکیم کی عربی عبارت سے دوسری زبانوں میں منتقل ہوئے ہیں ورنہ بیشتر تراجم قرآن ایک دوسرے تراجم کی نقل یا اس کا چربہ ہیں جو حضرات قرآن کریم کے ترجموں کا مطالعہ کرتے ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں۔

ترجمہ قرآن کنز الایمان کس طرح وجود میں آیا اس کی تفصیل سوانح اعلیٰ حضرت کے مصنف مولانا بدرالدین احمد رضوی نے اس طرح لکھی ہے۔

''واقعہ یوں ہے کہ صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گذارش کی آپ نے وعدہ تو فرمالیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمہ کے لئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سوتے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دینی کام بھی شروع ہو گیا ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے'' (۱۴)

بعض ترجمہ نگاروں کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کے ترجمہ کے وقت کس قدر دشوار گذار مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ انہوں نے کئی ایک کتب تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے لیکن پھر بھی وہ آیات قرآنی کی روح کو سمجھنے سے

قاصر ہے۔اس کے برخلاف مولانا احمد رضا خاں قادری نے کتب احادیث وتفاسیر کا سہارا لئے بغیر اپنے وسعت مطالعہ کی بنیاد پر جس برجستگی کے ساتھ صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو ترجمہ قرآن رقم کرایا وہ آپ کی عبقریت اور قرآنی علوم میں مہارت کی بین دلیل ہے اور دوسرے وہ مترجمین جن کی عقل ودماغ کی رسائی روح قرآن تک نہ پہونچ سکی۔انہوں نے ضلال کا ترجمہ "گمراہی" ہی کیا ہے۔ان تشریحات کی روشنی میں مولانا احمد رضا خاں قادری نے ملت اسلامیہ کو عظمت توحید ورسالت کا درس دے کر جس طرح ایمان کو جلا بخشی ہے وہ قابل قدر ہے ان کی اس برجستگی اور بے ساختگی سے روح قرآن پوری طرح اپنی آب وتاب کے ساتھ ترجمہ میں موجود ہے۔بقول ملک شیر محمد اعوان:

> "اس ترجمہ سے قرآنی حقائق ومعارف کے اسرار منکشف ہوتے ہیں جو عام طور سے دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے یہ ترجمہ سلیس شگفتہ رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب واحترام اور عزت وعظمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے" (۱۵)

اس موقع سے میں ایک اور مثال کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھوں گا جس کی وضاحت ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ڈائرکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان نے ان لفظوں میں کی ہے۔

> 'سورہ والضحیٰ میں آنحضرت علیہ السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ووجدك ضالاً فهدیٰ مولانا (احمد رضا) اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں اور "میں نے تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ زمانۂ نبوت سے پہلے بھی ان کے دامن وقار وتمکنت پر قبائلی رسم ورواج یا اہل مکہ کی بت پرستی وگمراہی کا کوئی داغ نہیں ہے اس لئے اس آیت

کریمہ میں لفظ ضلال کا وہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے جو مولانا نے کیا ہے۔(۱۶)

حدائق بخشش

حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری کے نام کا سکہ بساط علم وفن پر تو چل ہی رہا تھا ادبی دنیا میں بھی آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہ رہی جنہیں اردو ادب کا اعلیٰ ذوق حاصل ہے انہوں نے آپ کی ادبی صلاحیت کا لوہا مانا ہے۔ اردو ادب میں نعت کے مقدس فن سے جنہیں شغف ہے ان کے دلوں میں آپ کی عظمت بھرپور ہے آپ کی شاعرانہ عظمت اور مہارت فن کا اعتراف اردو ادب کے محققین نے کیا ہے۔ شاعری کے جن اسرار ورموز کو اپنا کر آپ نے اپنی شاعری کو جلا بخشی ہے بیشتر شعراء کے یہاں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری خود اپنی شاعری کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ۔۔۔ بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نعت گوئی سیکھی ۔۔۔ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ(۱۷)
توشہ غم واشک کا سامان بس ہے ۔۔۔ افغان دلِ زار حدی خوان بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو ۔۔۔ نقش قدم حضرت حسان بس ہے

اردو شاعری کے حوالے سے آپ کی شخصیت پر کئی ایک ارباب علم ودانش نے اپنی تحقیقات جمع کر کے عصری جامعات سے ڈاکٹریٹ کی اسناد حاصل کیں مگر مقام تعجب ہے کہ یونی ورسٹی اور کالج کے طلبہ اردو کے اس باکمال شاعر کے نام سے بھی واقف نہیں اس کی اصل وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ یہ مسئلہ بہرحال اب بھی محل نظر ہے اس پہلو پر بھی ہمیں سنجیدگی سے غور کرنے اور پھر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

''مولانا احمد رضا خاں اصلاً نعت گو شاعر ہیں اس سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں نعت گوئی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایسا کیوں نہیں اسے اساطین ادب اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ حاصل کائنات فخر موجودات ﷺ

کے نواسوں سے متعلق تو مرثیہ کے لئے اردو ادب کے صفحات میں جگہ ہے مگر اس ذات کی نعت مقدس کے لئے اردو ادب میں کوئی جگہ نہیں جن کی بے پناہ شفقتوں کے سبب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہرت دوام ملی۔‘‘

اردو ادب کی تاریخ میں مولانا احمد رضا بریلوی کو کیوں نہیں محفوظ کیا گیا اس کی کئی ایک وجہیں ہیں جس کی وضاحت کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ اس سلسلہ میں محققانہ گفتگو آپ کی شاعری پر ریسرچ کرنے والے محققین نے ضرور کی ہوگی۔ بہر حال اس وقت جو اردو ادب کے ذمہ دار ہیں انہیں اپنے تعصب کا عینک اتار کر کھلے دل سے آپ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کر لینا چاہئے کیوں کہ مولانا احمد رضا خاں قادری وہ واحد شاعر ہیں جن کا مشہور زمانہ سلام

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام (۱۹)

اور چہار لسانی نعت مبارک

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کا تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا (۲۰)

عالم اسلام میں کثرت سے پڑھی جاتی ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس مقبول عام نعت وسلام کے شاعر مولانا احمد رضا خاں قادری ہیں۔

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری نے اپنی شاعری میں بانئ سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے جس والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کے مشہور زمانہ دیوان ’’ حدائق بخشش ‘‘ میں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے متعلق کئی ایک منقبتیں شامل ہیں۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا　　اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا　　اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر   کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

یارب بجمال نام عبد القادر   یارب بنوال عام عبد القادر
منگر بقصور و نقص ما قادریاں   بنگر بکمال تام عبد القادر
یارب بجمال نام عبد القادر   یارب بنوال عام عبد القادر (۲۱)

اس کے علاوہ تقریباً انہتر (۶۹) رباعیاں الف سے یا تک کی ردیف میں ہیں جن کا تعلق سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی سے ہے۔

آپ کا سلسلۂ بیعت چونکہ قادری مشرب سے تھا اور اسی سلسلہ کی آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی اس لئے بانیٔ سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان اور اس سلسلہ سے وابستہ بزرگان دین جن کا تعلق بدایوں اور مارہرہ سے تھا ان کی شان میں بھی مناقب لکھ کر آپ نے اپنی عقیدت اور وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ چونکہ آپ کی شاعرانہ عظمت پر یہاں کوئی بحث مقصود نہیں اس لئے یہاں اس موضوع پر گفتگو سے صرف نظر کیا جارہا ہے۔ تاہم اتنا مسلم ہے کہ جن شعرائے کرام نے اردو ادب کو اپنا کر اسے شہرت دوام سے ہمکنار کیا۔ مولانا احمد رضا خاں قادری کی شخصیت بحیثیت شاعران میں بہت نمایاں ہے۔ شریعت کے دائرہ میں رہ کر قرآن حکیم کی روشنی میں شاعری کرنا اور نہ صرف شاعری کرنا بلکہ اسے شعروادب کے اعلیٰ معیار تک پہونچانا بلاشبہ اسے ان کی فن شاعری کا اعجاز ہی کہا جاسکتا ہے اور یہ اعجاز سرکار دوعالم ﷺ سے والہانہ عشق کا نتیجہ ہے ۔ڈاکٹر ریاض مجید اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

”انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن واحادیث سے لے کر منطق وریاضی ہیئت ونجوم ہندسہ ومابعد الطبعیات وغیرہ علوم وفنون کی مختلف اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے برتا یہ ان کا کمال فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی وفنی اصطلاحات وحوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے نظر آتے ہیں۔“ (۲۲)

ذیل میں کچھ ایسے اشعار کی نشاندھی کی جارہی ہے جن کا تعلق خالص علوم متداولہ سے ہے مگر جس خوبصورتی سے امام احمد رضا بریلوی نے اسے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاضل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے (۲۳)

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا (۲۴)

ترا منسوب ہے مرفوع اس جا — اضافت رفع کی عامل ہے یا غوث
ترے کامی مشقت سے بری ہیں — کہ بر ترنصب سے فاعل ہے یا غوث
نتیجہ حد اوسط گر کے دے اور — یہاں جب تک کہ تو شامل ہے یا غوث (۲۵)

غایت وعلت سبب بہر جہاں تم ہو سب — تم سے بنا تم بنا تم پہ کروروں درود
گیسو وقد لام الف کردو بلا منصرف — لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروروں درود (۲۶)

مختلف علوم وفنون پر مشتمل نمونے کے طور پر جو اشعار پیش کیے گئے اس سے ان کی قادر الکلامی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جس طرح دوسرے علوم وفنون میں انہیں درک حاصل تھا اسی طرح شعر وادب میں بھی وہ اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے تھے۔ جس کا اعتراف متعدد زبانوں کے ماہر مشہور محقق پروفیسر محی الدین الوائی قاہرہ نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''پرانا مشہور مقولہ ہے کہ شخص واحد میں دو چیزیں تحقیقات علمیہ اور نازک خیالی نہیں پائی جاتی لیکن مولانا احمد رضا خاں کی ذات اس تقلیدی فطرت کے عکس پر بہترین دلیل ہے آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر آپ کے عربی، فارسی اور اردو کلام پر مشتمل دواوین شاہد عدل ہیں'' (۲۷)

آپ کی اس شاعرانہ عظمت کی طرف ڈاکٹر حازم محفوظ استاذ ازہر یونیورسٹی قاہرہ نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"شعر احمد رضا خان هو اتصافه بنوع ما من العالمية بكسر اللام والميم .فهو عالم دين يعرف الاصول والقواعد الفقهية، ومحيط بتفاصيل السيرة النبوية ولذافهو يمدح الرسول مدحا علميا فتمثل اشعاره بالمعلو مات جنباً الى جنب مع العاطفة" (۲۸)

حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اعلان حق کے سلسلے میں اپنے لئے کسی مصلحت کو جرم سمجھتے تھے۔ عوام ہوں یا خواص جہلا ہوں یا علما شریعت مطہرہ کے خلاف کسی سے بھی ایک لفظ سننا یا لکھنا گوارہ نہ تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے حالات سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ابطالِ باطل اور احقاق حق میں پوری زندگی بسر کردی۔ آپ کی یہی وہ ادا تھی جو اکثر لوگوں کو پسند نہ آئی اور وہ آپ کے تمام محاسن اور کمالات کو پس پست ڈال کر عیب جوئی اور بہتان تراشی میں لگ گئے لیکن آپ نے اپنے ان مخالفین ومعاندین کی معاندانہ سرگرمیوں کا ذرہ برابر بھی نوٹس نہ لیا اپنے طور وطریق پر اٹل رہے اپنے اور پرائے کی پرواکئے بغیر آپ کا قلم تیغ بزاں کی طرح ہراس شخص کے خلاف چلتا رہا جس نے شان رسالت میں توہین کی، عظمت توحید کی غلط تعبیرات سے عوام الناس کو گمراہ کیا اور شریعت مطہرہ کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ آپ کے اس مومنانہ کردار کی مخالفت میں چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی جس کے کئی اسباب تھے مگر یہ چار زیادہ نمایاں تھے۔

۱۔ امام احمد رضا قادری نے مسلک اہل سنت وجماعت (سلف صالحین) کی پُرزور حمایت کی اور مجاہدانہ وسرفروشانہ جذبہ کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔

۲۔ امام احمد رضا قادری نے انگریزوں کے زیراثر چلنے والی ہر اصلاحی تحریک کی

مخالفت کی۔

۳۔امام احمد رضا قادری نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے زیر اثر چلنے والی ہر سیاسی تحریک کی مخالفت کی۔(۲۹)

لیکن بقول پروفیسر مسعود احمد پاکستان

''امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلک سلف صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لئے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے'(۳۰)

جن دانشوروں نے آپ سے علمی، فکری اور سیاسی اختلافات کئے ہیں یا جن ارباب علم و دانش کا آپ نے علمی تعاقب کیا ہے انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے مدلل گفتگو زیر غور ہے۔ حالات نے موقع دیا اور وقت نے اجازت دی تو ان افکار کو ضرور قلمی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں سردست ہم نے جو خاکہ تیار کیا ہے اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے۔

جس زمانہ میں راقم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا طالب علم تھا تو اس زمانے میں راقم کے ساتھیوں میں دوسرے مکاتب فکر کے طلبہ بھی تھے اور وہ اپنی موروثی عادت کے مطابق مجھے دیکھ کر جا و بے جا امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان پر تنقیدیں کیا کرتے تھے اور جو کام زندگی میں آپ نے کبھی نہیں کیا اس کا انتساب وہ طلبہ آپ کی طرف کر کے مذاق اڑایا کرتے تھے ایسا صرف ان کی نادانی کے سبب تھا کیوں کہ مولانا احمد رضا قادری کے بارے میں جو کچھ انہیں معلوم تھا وہ ان کے اکابر ہی کی تحریروں سے معلوم تھا جو زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی تھیں۔ اس لئے وہ طلبہ امام اہل سنت کے تعلق سے اس طرح کی رائے قائم کرنے پر مجبور تھے۔ نہ انہوں نے براہ راست امام احمد رضا قادری کی تحریریں پڑھی تھیں اور نہ ہی آپ کے تعلق سے کسی منصف مزاج مصنف کی کوئی تحریر ان طلبہ کی نگاہوں کے سامنے

سے گزری تھی ۔ یہ تو طلبہ کی بات تھی اس طرح کی غیر سنجیدہ باتیں جب اساتذہ کی زبانی میں سنتا تو مجھے انتہائی ندامت بھی ہوتی اور حیرت بھی ۔ ۱۹۸۶ء میں شعبہ علوم اسلامیہ کے زیر اہتمام منعقدہ ایک سیمنار جس کا مرکزی موضوع " علوم اسلامیہ میں ہندوستان کی خدمات " تھا۔ اس مضمون سے تعلق رکھنے والے ارباب دین ودانش جمع تھے میرے مقالہ کا موضوع تھا " علوم اسلامیہ میں ضلع بستی کا حصہ " علوم اسلامیہ کے کسی موضوع پر مقالہ کیوں نہ ہو کوشش یہی ہوتی کہ کسی نہ کسی طرح اس مقالہ میں امام احمد رضا قادری کا نام آجائے تا کہ اس کے ذریعہ یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد کے درمیان آپ کے تعلق سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازلہ کیا جاسکے ۔ چنانچہ ہوا یہی جب اس مقالہ میں کہیں امام اہل سنت کا ذکر آیا اور آپ کی دینی وعلمی خدمات کے تعلق سے سیر حاصل بحث کی تو یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے کسی نے یہ سوال کیا کہ ان کی تصانیف کی تعداد اٹھائیس یا تیس ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں وہ تین سو کتابوں کے مصنف تھے۔ یہ بات مجھے بہت ناگوار لگی اور وہ اس لئے کیوں کہ یہ باتیں سراسر حقائق کے خلاف تھیں ۔ اسی سیمینار میں میں نے امام احمد رضا قادری کی تصانیف کی ایک فہرست جو اتفاق سے میرے پاس موجود تھی اور ۶۰۰ کتابوں پر مشتمل تھی وقفہ سوالات کے درمیان ان دانشوروں کی عدالت میں پیش کردی۔ میں نے یہ بھی کہا ان کی تصانیف کی کل تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ فہرست جو ہمارے پاس ہے ان میں بعض کتابیں ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ میری اس گفتگو سے سامعین پر تھوڑی دیر کے لئے سکتہ طاری ہوگیا۔ اس مجلس میں راقم نے یہ بھی کہا کہ اگر دانشوران ملت امام احمد رضا قادری کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کریں تو اس طرح کی بدگمانیاں ان کے ذہن ودماغ میں جنم نہ لے سکیں گی ۔ اسی وقت سے میں نے سوچا کہ اب مجھے رضویات کے تعلق سے کچھ کام کرنا چاہئے تا کہ یونیورسٹی کے پڑھے لکھے ماحول میں جو آپ کے حاسدین اور معاندین آپ کے تعلق سے جو غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں ان کا

سد باب ہو سکے اور مثبت تحریروں کی روشنی میں انہیں سمجھایا جاسکے کہ جو کچھ امام اہل سنت کے بارے میں آپ جانتے ہیں دراصل ان کی شخصیت ایسی نہیں اور جس طرح ہے وہ آپ جانتے نہیں۔ اس تعلق سے میں نے اسی زمانہ میں اس موضوع پر ایک پروجیکٹ بھی تیار کیا کہ یہ بات جو عام طور سے امام اہل سنت کے تعلق سے مشہور ہے کہ وہ بہت جھگڑالو تھے۔ بات بات پر کفر کے فتاوے لگاتے تھے۔ اس کی صحیح حقیقت عوام اور علماء کے سامنے آنی چاہئے تاکہ اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔ مگر اس پروجیکٹ کی تکمیل کے لئے مالی تعاون کا بندوبست کہیں سے نہ ہو سکا اس لئے کام نہ ہو سکا۔ اس پروجیکٹ کا خاکہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔

۱۔ دینی افکار و نظریات

۲۔ علمی افکار و نظریات

۳۔ سیاسی افکار و نظریات

اس پروجیکٹ کی تکمیل میں کتابوں کی خریداری زیروکس، خط وکتابت اور اسفار بھی ضروری تھے جس کے لئے اچھی خاصی رقم کی ضرورت تھی۔ اس رقم کا بندوبست نہ ہونے کے باعث پروجیکٹ تو پایۂ تکمیل تک نہ پہونچ سکا۔ البتہ اس تعلق سے جو کام میں نے اپنی ذاتی دلچسپی کے طور پر کیا ہے اس کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ سنجیدہ طبقہ سے ان مقالات پر ستائشی خطوط بھی آئے اور باب رضویات میں بعض پی ایچ۔ ڈی اسکالروں نے انہیں ماخذ کے طور پر استعمال بھی کیا وہ مقالات یہ ہیں۔

۱۔ امام احمد رضا اور خواجہ حسن نظامی۔ نظریۂ سجدۂ تعظیمی کا تقابلی مطالعہ

۲۔ امام احمد رضا اور ڈاکٹر اقبال۔ نظریۂ زمان کا تقابلی مطالعہ

۳۔ امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ نظریۂ ترک موالات کا تقابلی مطالعہ

۴۔ امام احمد رضا اور مولانا طیب عرب مکی۔ نظریۂ تقلید کا تقابلی مطالعہ

۵۔ امام احمد رضا اور مرزا غلام احمد قادیانی۔ نظریۂ ختم نبوت کا تقابلی مطالعہ

۶۔ امام احمد رضا قادری اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ افکار ونظریات کا تحقیقی مطالعہ

اس کے علاوہ اور دوسرے مقالات جو راقم نے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں قادری دہلوی کی علمی و دینی خدمات کے تعلق سے قلم بند کیے ہیں ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ امام احمد رضا کی شاعری کا انفرادی رخ

۲۔ فاضل بریلوی کے گمنام خلیفہ مولانا محمود جان جام جودھپوری (گجرات)

۳۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری

۴۔ امام احمد رضا خاں اور فن تاریخ گوئی

۵۔ امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کا نظریہ ترک موالات

۶۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری میں آہ سحر گاہی

۷۔ مولانا شاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان۔ ایک مختصر تعارف

۸۔ بیسویں صدی میں امام احمد رضا قادری کی معنویت

۹۔ مولانا احمد رضا کی عربی نعتیہ شاعری (علمائے ازہر کے حوالے سے)

۱۰۔ امام احمد رضا بنام معتقدین

اس پروجیکٹ میں راقم نے " امام احمد رضا کے افکار و نظریات " کے تحت جن علماء اور دانشوروں کے افکار کے درمیان موازنہ پیش کرنے کا خاکہ تیار کیا تھا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ یہ تفصیل یہاں اس لئے دی جارہی ہے تا کہ رضویات پر کام کرنے والے ان موضوعات پر بھی سنجیدگی سے مثبت انداز میں کام کرسکیں۔ اور اگر کسی نے نہیں کیا اور راقم کو کہیں سے مالی وسائل کی فراہمی ہوئی تو انشاء اللہ فرصت ملنے پر اس اہم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ضرور کوشش کروں گا۔

الف) مذہبی اختلاف

۱۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا اشرف علی تھانوی   مسئلہ علم غیب

۲۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا رشید احمد گنگوہی — مسئلہ امکان کذب باری

۳۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا محمد قاسم نانوتوی — مسئلہ خاتم النبیین

۴۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی — مسئلہ علم مصطفےٰ

۵۔ امام احمد رضا قادری اور مرزا غلام احمد قادیانی — مسئلہ عقیدہ ختم نبوت

۶۔ امام احمد رضا قادری اور خواجہ حسن نظامی — مسئلہ سجدہ تعظیمی

۷۔ امام احمد رضا قادری اور میاں نذیر حسین دہلوی — مسئلہ تقلید و نماز جنازہ

۸۔ امام احمد رضا قادری اور مفتی وجیہ الدین بنگالی — مسئلہ طلاق

ب) علمی اختلاف

۹۔ امام احمد رضا قادری اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین — مسئلہ علم ریاضی

۱۰۔ امام احمد رضا قادری اور مولوی پروفیسر حاکم علی — مسئلہ حرکت زمین

۱۱۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا عبدالحئی لکھنوی — مسئلہ وراثت

۱۲۔ امام احمد رضا قادری اور جسٹس محمود — مسئلہ وراثت

۱۳۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا احمد حسن سنبھلی — مسئلہ فلسفہ جدیدہ

۱۴۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا اشرف علی تھانوی — مسئلہ تقبیل ابہامین

۱۵۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی — مسئلہ نوٹ

۱۶۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا رشید احمد گنگوہی — مسئلہ نوٹ

۱۷۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا محمد طیب عرب مکی — مسئلہ تقلید

۱۸۔ امام احمد رضا قادری اور پروفیسر البرٹ پورٹا — مسئلہ علم نجوم

۱۹۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا عبدالحئی لکھنوی — مسئلہ دعا

۲۰۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا معین الدین اجمیری — مسئلہ اذان ثانی

۲۱۔ امام احمد رضا قادری اور مولانا محمد علی مونگیری — مسئلہ ندوہ

۲۲۔امام احمد رضا اور ڈاکٹر اقبال	نظریہ زمان

ج) سیاسی اختلاف

۲۳۔امام احمد رضا قادری اور مولانا ابوالکلام آزاد	مسئلہ ترک موالات
۲۴۔امام احمد رضا قادری اور علی برادران	مسئلہ خلافت
۲۵۔امام احمد رضا قادری اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی	مسئلہ تحریک عدم تعاون
۲۶۔امام احمد رضا قادری اور مسٹر گاندھی	مسئلہ عدم تعاون
۲۷۔امام احمد رضا قادری اور ڈاکٹر سر محمد اقبال	مسئلہ قومیت

اس وقت تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اتنی وضاحت ضرور کرنا چاہوں گا کہ امام احمد رضا قادری کا طریقہ کار ہر اختلافی امور میں افہام وتفہیم کا ہوتا تھا۔ جدل وجدال ومناظرہ بازی سے آپ نے ہمیشہ گریز کیا۔ عدل ومیانہ روی پر گامزن رہتے ہوئے آپ نے افہام وتفہیم کی راہ اختیار کی ہے۔ خواہ وہ مذہبی اختلافات ہوں یا علمی وسیاسی یہی طریقہ کار آپ نے سب میں اختیار کیا ہے۔ ان تمام اختلافات میں شریعت کا پہلو ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہا۔ اگر کسی نے شرعی جرم کا ارتکاب کیا تو آپ نے پہلے اسے متنبہ کیا، وضاحت کا موقع دیا، خط وکتابت گفت وشنید کے بعد بھی اگر آپ کے حریف اپنے موقف پر اٹل رہے تو پھر آپ نے ان کے خلاف شرعی حکم صادر فرمایا۔ یہ اختلافات علمی ہوتے اس میں ذاتی رنجش اور عناد کا کوئی دخل نہ ہوتا آپ کسی سے محبت بھی کرتے تو اللہ کے واسطے اور مخالفت بھی کرتے تو اللہ کے واسطے۔ اس تعلق سے ایک مراسلہ جسے آپ نے ۱۹ ر رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام ارسال کیا اس میں فرماتے ہیں۔

”نامی نامہ تشریف لایا۔ انشاء اللہ العزیز آپ اس فقیر کو ان بندگان خدا میں پائیں گے لا یحبون الااللہ ولا یبغضون الااللہ اب میرے قلب میں وقعت سامی بحمدہٖ تعالیٰ پہلے سے بھی زائد ہے۔ میرا قلب صاف ہے امید کہ

قلب گرامی بھی ایسا ہی صاف ہوگا وما ذالك على الله بعزيز "(۳۱)

حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا قادری بلاشبہ عبقری تھے۔ خالق کائنات نے علوم وفنون کا وافر حصہ آپ کو عطا کیا تھا۔ جس کی آپ نے بھر پور اشاعت فرمائی آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ ہی نہیں اطاعت رسول میں گذارا بلکہ تمام مسلمانان عالم کو اپنے کردار وعمل سے سنت مصطفےٰ کی پیروی کا صحیح شعور بھی بخشا۔ یقیناً آپ کی ذات ستودہ صفات عشق رسول میں جلتی ہوئی ایسی شمع فروزاں تھی جس سے نگر نگر میں عشق رسول کا اجالا پھیلا جس کے سبب عاشقان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا اپنے دین وایمان کی صیانت میں کامیاب ہوسکے۔

فاضل بریلوی کا سلسلۂ عالیہ قادریہ سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اس سلسلہ کی آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں آپ اپنے والد ماجد شاہ مفتی محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان اور تاج الفحول حضرت مولانا سیدنا شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں انہی سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور خلافت واجازت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

خانقاہ مطہرہ کا یہ دستور ہے کہ بیعت کے بعد مریدین کو ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ مصفیٰ ومجلّٰی بنایا جاتا ہے پھر اگر وہ شیخ کے معیار پر کامل اترتا ہے تو اسے خلافت کی عظیم دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے لیکن جب مولانا احمد رضا خاں قادری بیعت سے مشرف ہوئے تو ساتھ ہی ساتھ آپ کو خلافت بھی دے دی گئی اس پر حضرت مولانا شاہ ابوالحسین نوری میاں نے حضرت شاہ آل رسول مارہروی سے دریافت کیا۔

حضور! آپ کے یہاں تو طویل عرصہ بامشقت مجاہدات وریاضات کے بعد خلافت واجازت دی جاتی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے ان دونوں امام احمد رضا قادری اوران کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں قدس سرہ کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی۔

تو حضرت نے ارشاد فرمایا: میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے

کرآتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی انہیں حاصل ہوگئی۔ مزید انہوں نے یہ بھی فرمایا:

''مجھے بڑی فکر تھی کہ روز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں کیا پیش کروں گا مگر اللہ کا شکر ہے کہ وہ فکر دور ہوگئی اس وقت میں احمد رضا کو پیش کردوں گا (۳۲)

سلسلہ عالیہ قادریہ کی دولت ملنے کے بعد جن دیگر سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل ہوئی ان کی تعداد تیرہ بتائی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل مصافحات کی سندات بھی آپ کو تفویض ہوئی تھیں۔

۱۔ مصافحة الجنيه

۲۔ مصافحة الخضرية

۳۔ مصافحة المعمرية

سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہوتے ہی آپ نے اس کی اشاعت میں چار چاند لگا دئے برصغیر میں یہ سلسلہ اپنی آب وتاب اور تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پھیل گیا۔ لاکھوں بندگان خدا سلسلہ قادریہ میں آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے جس کے باعث آپ کی ذات کے ذریعہ یہ سلسلہ ''سلسلہ قادریہ'' کے نام سے پورے عالم اسلام میں مشہور ہوگیا عوام کم علما وفضلا زیادہ اس سلسلہ سے وابستہ ہوئے۔ جن حضرات کو آپ نے سند خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا وہ سب اپنے زمانہ کے چیدہ وچنیدہ علمائے کرام میں سے تھے۔ آپ کے چند خلفا کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۴۳ء) خلف اکبر امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری

۲۔ مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۸۱ء) خلف اصغر امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری

۳۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۴۸ء)

۴۔ ملک العلماء حضرت مولانا شاہ ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۶۲ء)

۵۔ صدر الافاضل حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین قادری مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۴۸ء)

۶۔ حضرت مولانا شاہ محمد برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۸۴ء)

۷۔ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۸۱ء)

تصوف اور اس کے اغراض و مقاصد کا صحیح مفہوم امام احمد رضا قادری کی تحریروں سے سمجھ میں آتا ہے کیوں کہ علم و عمل میں احکام شریعت کی پابندی اور اتباع سنت سے آپ کی پوری زندگی معمور اور اکابر علما و صلحا کے فیضان نظر سے زندگی کا ہر گوشہ پُر نور ہے جنہوں نے اپنے کردار و عمل سے تصوف کو بدنام کیا ان نام نہاد صوفیا کے آپ سخت مخالف تھے۔ آپ نے ان کی نہ صرف زبان و قلم سے مذمت کی بلکہ تصوف کے دامن سے ایسے بدنما دھبوں کو مٹانے کے لئے ہر ممکن جد و جہد بھی فرمائی۔ بزرگان دین کے نام مزارات پر جو لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے اسے آپ نے صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ سختی سے اس کی مخالفت بھی کی۔ قبر پر سجدہ کرنے کو حرام لکھا اور اس کے تعلق سے الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ کے نام سے ایک ضخیم کتاب بھی لکھی۔ آج کل جاہل صوفیا نے حصول زر کے لئے جو تباہی خانقاہوں میں مچا رکھی ہے اس کا مسلک ارباب حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ نے تصوف کے اسرار و رموز کو ہر طرح بیان فرمایا۔ مزارات پر ہونے والے بدعات و منکرات

سے بچنے کی تلقین فرمائی ایک مقام پر بیعت اور طلب کے درمیان ہونے والے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنیٰ پورے طور سے بکنا ہے۔ بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے جس میں یہ چار شرطیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

ا۔ شیخ کا سلسلہ بہ اتصال صحیح حضور اقدس ﷺ تک پہونچتا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ اتصال ممکن نہیں۔

۲۔ شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو بد مذہب نہ ہو۔

۳۔ عالم ہو علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہل سنت سے پورا واقف کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔

۴۔ فاسق معلن نہ ہو۔' (۳۳)

امام احمد رضا قادری چونکہ علم شریعت اور واقف اسرار طریقت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور محقق تھے طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت کے آئینے میں دیکھنے اور پرکھنے کا اعلیٰ شعور رکھتے تھے اسی لئے شیخ کے لئے وہی باتیں لازم اور ضروری قرار دیں جس کی طرف اشارہ سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان نے الفتح الربانی کی بارہویں مجلس میں کیا تھا۔ سیدنا غوث اعظم فرماتے ہیں۔

اے غلام (صاحبزادہ) کیا تو نے سنا نہیں کہ فقہ حاصل کر اس کے بعد عزلت نشیں بن، یعنی اول ظاہری فقہ حاصل کر اس کے بعد باطنی فقہ کی تحصیل میں عزلت اختیار کر۔ ظاہری شرع پر عمل کرتا رہ یہاں تک کہ یہ عمل تجھ کو اس علم تک پہنچادے جو تو نے نہیں سیکھا ہے۔ (۳۴)

اب تک سوانح نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں امام اہل سنت فاضل بریلوی کی

زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ ضرور کیا ہے مگر آپ کی زندگی کا وہ پہلو جس کا تعلق براہ راست روحانیت سے ہے اس پر بہت کچھ لکھنا باقی ہے اس تعلق سے ایک مختصر کتاب اور چند مقالات کے علاوہ کچھ دستیاب نہیں سوانح نگاروں اور محققین کو امام اہل سنت کی زندگی کا اس پہلو سے مطالعہ کرنے اور اسے حیطہ ٔ تحریر میں لانے کی ضرورت ہے۔ خدا کرے صاحبان قلم اس طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اگر آپ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روز وشب کا ہر لمحہ سنت مصطفیٰ علیه التحية و الثناء کے مطابق تھا اور اصل تصوف یہی ہے کہ صوفی کی زندگی سنت نبوی کی مکمل آئینہ دار ہو آپ بلاشبہ زہد واتقا، راست گوئی، حق بازی، دیانت داری، اور تواضع وانکساری کے عملی پیکر تھے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عقیدت ومحبت جسم کے رگ وریشے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ :

> ''آپ تادم زیست بغداد کی سمت یا مدینہ کی طرف یا کعبہ کی جانب پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے'' (۳۵)

آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ تصوف کے راستے پر شریعت کے اصول کی خلاف ورزی کر کے چلنا ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ بقول سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :

> اقرب الطرق الى الله تعالىٰ لزوم قانون العبودية والاستمساك بعروة الشريعة " (٣٦)
>
> (اللہ عزوجل کی طرف سے سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گروہ کو تھامے رکھنا ہے۔)

امام احمد رضا قادری نظری تصوف سے کہیں زیادہ عملی تصوف کے حامی تھے۔ اس لئے آپ کی تحریروں میں متصوفانہ افکار وخیالات کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے۔ ایمان ویقین، تقویٰ وتدین، محاسبہ نفس، اخلاص وحسن نیت اور تجدید واصلاح میں بلاشبہ آپ نے اپنی

زندگی وقف کر دی اور عملی تصوف کا ایسا کامل نمونہ پیش کیا جس کی نظیر اس صدی میں کہیں اور مشکل ہی سے ملے گی۔

امام احمد رضا قادری نے اپنی پوری زندگی اشاعت دین حق میں بسر کی۔رشد وہدایت کا محبوب ترین فریضہ انجام دیا۔ابطال باطل اور احقاق حق میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔آپ کی تحریریں ایسی محقق، مدلل اور عالمانہ ہوتی ہیں کہ ہر پڑھنے والا آپ کی عظمت اور علمی جلالت قدر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔بلا تفریق مسلک وعقیدہ جس نے بھی تعصب کی عینک اتار کر آپ کی تحریروں کا براہ راست مطالعہ کیا اس نے کھلے دل سے آپ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔یہی وجہ ہے کہ اب آپ کی شخصیت پر مختلف پہلوؤں سے برصغیر کی کئی یونیورسٹیوں میں ہی صرف نہیں بلکہ یوروپ کی عصری دانشگاہوں میں ارباب دین ودانش اور صاحبان فکر ونظر ریسرچ وتحقیق میں سرگرم عمل ہیں۔آپ نے علمی دنیا میں جتنا اکیلے کام کر دیا ہے اتنا کام کرنے کے لئے اس زمانہ میں ایک ادارہ کی ضرورت ہے۔ان دینی وعلمی کارناموں کی روشنی میں اگر کہا جائے کہ امام احمد رضا قادری کسی ایک فرد کا نام نہیں بلکہ ایک ادارہ کا نام ہے تو بے جا نہ ہوگا۔سچ تو یہ ہے کہ جس طرح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باطل قوتوں کا سرفروشانہ مقابلہ کر کے حقانیت وصداقت کا پرچم بلند کیا ٹھیک اسی طرح پوری چودھویں صدی ہجری میں جب کہ ناموس رسالت ﷺ کو ملیامیٹ اور اسے پامال کرنے کی سازشیں رچی گئیں اور عظمت توحید کو داغدار کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔اس موقع پر آپ نے تن تنہا سینہ سپر ہو کر ان باطل قوتوں اور منافقانہ سازشوں کا مقابلہ کیا اور ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں (۳۷)

اس اعلان عام سے دشمنان نبی ﷺ اور گستاخان مصطفےٰ ﷺ کی بھاری جمعیت آپ کے پیچھے پڑ گئی مگر آپ تن تنہا ان نام نہاد مسلمانوں کے مقابل میدان حقانیت وصداقت

میں ڈٹے رہے۔ آج مذہب حق وصداقت کی جو صحیح تصویر ہمارے سامنے ہے یہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور امام احمد رضا قادری علیہم الرحمۃ والرضوان جیسی نفوس قدسیہ کی انتھک کوششوں اور مجتہدانہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ ایک نہیں، بہت سارے شرعی امور میں ان تمام موخر الذکر عبقری شخصیتوں کے خیالات ونظریات ایک دوسرے سے ہم آہنگ تھے۔ تفصیلی معلومات کے لئے " مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا قادری " نامی کتاب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے (۳۸)

حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا قادری نے اگر ایک طرف شریعت کے مشکل ترین مسائل کی عقدہ کشائی میں دل چسپی لی تو دوسری طرف دانشوران قوم کی بے راہ روی اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی غیر شرعی رسم ورواج کو مٹانے کے لئے جدو جہد فرمائی اور مصلح قوم ومجدد دین وملت کی حیثیت سے تقریری اور تحریری طور پر بدعات ومنکرات کی تردید فرمائی اور عوام الناس کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ سجدہ تعظیمی، فخر بالنسب، مراسم محرم، تعزیہ داری، عورتوں کے لئے زیارت قبور، بدمذہبوں سے رشتے، ہنود کے مذہبی میلوں میں شرکت، قبر پر نماز، فرضی قبریں ایسی نہ جانے کتنی خرافات کی چیزیں ہیں جو مسلم معاشرہ میں رائج تھیں اور ہیں آپ نے ان سب کی تردید میں کتابیں لکھیں اور اس کے خلاف فتوائے شرع صادر فرمائے چونکہ آپ کی آنکھوں میں شریعت کا نور اور فقہ اسلامی کا کیف وسرور تھا اس لئے بدعات ومنکرات کے خلاف کئی ایسے اہم فیصلے صادر فرمائے جو اس وقت بھی حق اور اٹل تھے اور آج بھی حق اور اٹل ہیں۔ احکام شرع کے صادر کرنے میں مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے بقول آپ درج ذیل طریقہ اختیار فرماتے ہیں۔

"نہ تو اس میں افراط ہے کہ بدعت کو شرک، گناہ کو کفر، مکروہ تنزیہی کو حرام یا کم از کم صغیرہ بلا اصرار کو کبیرہ، خفی کو جلی کہہ دے نہ اس میں تفریط ہے کہ اس میں مکروہ یا خلاف اولی کو غیر مکروہ ومستحب بدعت کو سنت، منکر کو معروف یا ناجائز کو جائز

کہدے، اعتدال ہے اور اعتدال یہی وہ اصلاح ہے جو فساد افساد سے پاک
ہوتی ہے'' (۳۹)

امام احمد رضا فاضل بریلوی دینی ومذہبی علوم ومعارف کے ساتھ عصری علوم جس کی اُس زمانے میں ضرورت تھی ان میں انہیں نہ صرف جانکاری تھی بلکہ بعض علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دنیا بھر سے مختلف قسم کے آئے ہوئے استفتا کا بڑے مدلل انداز میں جواب دیا کرتے تھے۔ جن عصری علوم پر آپ کی گہری نظر تھی ان میں زیجات، ریاضی، ہیئت، توقیت، جبر ومقابلہ، جفر وتکسیر، نجوم، مثلث ولوگارثم وغیرہ کے علوم خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان علوم میں آپ کی بعض تصانیف ایسی ہیں اس دور کے علماء ودانشور جن کی تفہیم سے قاصر ہیں۔ آپ کی اس عبقری صلاحیت کا اعتراف ارباب دین ودانش اور انصاف پسند مصنفین نے یکساں طور پر کیا ہے ''انوار رضا لاہور'' میں ''امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں'' کے مقالہ نگار لکھتے ہیں۔

''فتاوی رضویہ جس کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ ''کتاب الطہارۃ کے مطالعہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین ہی کے بحر بیکراں نہیں بلکہ علم ارضیات، مادیات، فلکیات، اور علم ریاضی وہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں'' (۴۰)

سطور بالا میں جن علوم کا ذکر ہوا ان علوم میں امام احمد رضا قادری نے گراں قدر تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ حاشیہ زیج بهادر خانی، اطائب الاکسیر فی علم التکسیر، حل المعادلات لقوی المعكبات، الموهبات فی المربعات، کشف العلة عن سمت القبلة، الاشكال الاقليدس لنكس اشكال اقليدس جیسی کئی اہم کتابیں ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

امام احمد رضا قادری تو جامع العلوم والفنون تھے ہی ان کے تلامذہ بھی بعض اہم

علوم وفنون میں اپنے معاصرین میں یگانہ اور ممتاز تھے۔ انہوں نے ریاضی وہیئت جیسے مشکل علوم میں بعض جدید وافکار ونظریات کے حامل اور عصری درسگاہوں کے ممتاز مفکرین ودانشوران کی جس طرح بخیہ دری کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ اس موقع سے اگر امام احمد رضا قادری کے تمام ماہرین فکروفن تلامذہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے سیکڑوں صفحات درکار ہوں گے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر یہاں صرف آپ کے ایک تلمیذ حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری جنہیں علمائے اہل سنت وجماعت کے حلقے میں "ملک العلما" سے شہرت حاصل ہے ذکر کافی ہوگا۔

ایک تاریخی واقعہ ہے کہ علامہ عنایت اللہ مشرقی جنہیں ریاضی وہیئت میں خصوصی درک حاصل تھا اور جس کی بنیاد پر یوروپ کی بعض یونیورسٹیوں نے انہیں اعزازی ڈگریاں دی تھیں۔ انہوں نے نہ جانے کس زعم میں اعلان کر دیا کہ "ہندوستان کے بعض شہروں کی مساجد کے قبلے غلط ہیں" اور اس کی وجہ انہوں نے علماء کی جہالت بتائی۔ انہوں نے اپنے اس قول کی تائید میں متعدد رسالے بھی شائع کیے۔ ان کے اس بیان سے بہت بڑا فتنہ کھڑا ہوگیا۔ ہندوستان کے بیشتر علماء مشرقی کے اس بیان پر چراغ پا ہو گئے اور ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئے، ان کے رسائل کی تردید میں کئی رسالے شائع کیے مگر ان کی صحت پر ان علماء کی تحقیقی کاوشوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تب امام احمد رضا قادری کے ایک شاگرد مولانا محمد ظفر الدین قادری جنہوں نے ریاضی وہیئت کی تعلیم اپنے استاد امام احمد رضا قادری ہی سے حاصل کی تھی میدان میں کود پڑے اور علامہ مشرقی کے نظریات کو کھوکھلا ثابت کیا اور اپنی تحقیقی نگارشات سے یہ بتا دیا کہ علما نہیں خود علامہ مشرقی جہالت کے پیکر ہیں اور انہوں نے اپنے جن دلائل کی روشنی میں ہندوستان کی بعض مساجد کا قبلہ غلط ثابت کیا تھا ان دلائل کی ایسی دھجیاں بکھیریں کہ وہ پادر ہوا ہو گئیں۔ ان کے دلائل سے ہندوستان کے تمام علماء کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ سمت قبلہ کے تعلق سے علامہ مشرقی کی تردید میں اگر چہ ہندوستان کے علمانے کئی

رسالے لکھے مگر علامہ مشرقی کے جارح قلم کا منہ توڑ جواب جس نے دیا وہ امام احمد رضا کے شاگرد مولانا محمد ظفر الدین قادری ہی تھے۔ یہ تو کہیے کہ امام احمد رضا قادری اس وقت دنیائے فانی کو الوداع کہہ چکے تھے اگر وہ کہیں اس عالم فانی میں ہوتے تو علامہ مشرقی کے ریاضی و ہیئت میں بالغ نظری کی اس طرح درگت بنتی کہ دنیا تماشہ دیکھتی اور وہ لوگ جو حقائق اسلام کے خلاف گل افشانیاں کرتے رہتے ہیں وہ اس قسم کی حرکتیں کرنے کے لئے کئی بار سوچتے۔

مولانا محمد ظفر الدین قادری نے سمت قبلہ کے تعلق سے علامہ عنایت اللہ مشرقی کی ہفوات واباطیل کی تردید میں جو جواب لکھا وہ ماہنامہ معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ کے جنوری، فروری ۱۹۴۰ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ اصل بحث تو اسی شمارہ میں دیکھی جا سکتی ہے لیکن اپنے تمہیدی گفتگو میں جس طرح مولانا محمد ظفر الدین قادری نے بحث کا آغاز فرمایا ہے وہ قابل مطالعہ ہے، فرماتے ہیں۔ 143126

"علمی حلقہ میں جناب عنایت اللہ مشرقی کا تعارف سب سے پہلے ان کی تصنیف تذکرہ کے ذریعہ ہوا تھا اب ان کی تحریک خاکساریت نے ان کی شہرت عام کر دی ہے وہ یوروپ کی درجنوں ڈگریوں کے مالک اور مختلف فنون میں علم و کمال کے مدعی ہیں۔ اسے دیکھ کر یہ خیال تھا کہ مذہب کے متعلق ان کے معلومات و خیالات کیسے ہی ناقص و غلط ہوں لیکن جدید علوم سے ضرور ان کو واقفیت ہوگی لیکن ان کے بعض علمی مضامین کو دیکھ کر یہ حسن ظن بھی غلط ثابت ہوا۔ عرصہ ہوا انہوں نے علم ہیئت کی رو سے ہندوستان کی مسجدوں کی سمت قبلہ غلط ہونے پر ایک مضمون لکھا تھا اس کے علاوہ وہ مولویوں کی جہالت کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً جن عالمانہ خیال کا اظہار کرتے رہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید علوم میں بھی ان کا پایہ مذہبی علوم سے کم نہیں ہے اس مضمون میں ریاضی و ہیئت اور تاریخ علوم میں ان کے علمی کمالات پر تبصرہ مقصود ہے مولویوں کی

جہالت کے سلسلے میں وہ فرماتے ہیں۔

''آپ کی بلا جانتی ہے کہ مکہ کا رخ دریافت کرنا کسے کہتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ جغرافیہ کس بیل کا نام ہے، علم نجوم کسے کہتے ہیں، دور بین کیا ہوتا ہے، خط سر طان کس مرض کو کہتے ہیں، آپ صرف اپنی رات کی باسی روٹیاں گن کر بیچنا نہیں جانتے اور اگر روٹیاں زیادہ ہوں اور آنے پورے نہ بیٹھیں تو حساب میں گھنٹوں غلطی نہیں کرتے بلکہ آنوں کو ان روٹیوں پر بٹھا لیتے ہیں۔ آپ کو اس کا پتا ہے کہ مغرب اور شمال کے دونوں طرفوں کے درمیان خود مسلمانوں ہی نے ۹۰ درجے قائم کئے ہر درجے کو ۶۰ دقیقہ (منٹ) اور دقیقہ کو ساٹھ ثانیوں (سیکنڈ) میں تقسیم کیا'' (۴۱)

عنایت اللہ مشرقی کا یہ وہ جارحانہ بیان تھا جس کو مولانا محمد ظفر الدین قادری نہ برداشت کر سکے اور اس کی تردید میں ایسا جواب لکھا جس سے علامہ مشرقی کے سارے دلائل تار عنکبوت ثابت ہوئے۔ آپ کی اس علمی بحث نے کچھ دیر کے لئے علمائے ہند کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیا۔ اور آپ کی اس علمی جلالت کا اعتراف انہیں بھی کرنا پڑا جو یہ کہتے اور لکھتے ہوئے نہیں تھکتے تھے کہ بریلوی علماء جاہل ہوتے ہیں۔ آج تک انہوں نے کوئی علمی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مسلک دیوبند کے مشہور عالم دین مفتی محمد شفیع جب اپنی کتاب جواھر الفقہ (جسے علمائے دیوبند نے عظیم اسلامی انسائیکلو پیڈیا لکھا ہے) لکھ رہے تھے تو اس کتاب میں جہاں انہوں نے سمت قبلہ کا ذکر کیا ہے اپنے موقف کی تائید میں فاضل بہار مولانا محمد ظفر الدین قادری کے اس مقالہ کو بھی جسے انہوں نے عنایت اللہ مشرقی کی تردید میں لکھا تھا من وعن شامل کیا ہے یہ مقالہ آج بھی جواھر الفقہ جلد اول ناشر مکتبہ تفسیر القرآن عارف کمپنی سید منزل جامع مسجد دیوبند کے ص ۲۷۷ پر موجود ہے۔

اس اجمالی گفتگو کے بعد اب ابو زہرہ کا وہ تاثر بھی پڑھ لیں جو علمائے اہل سنت وجماعت کے کردار وعمل کا مکمل آئینہ دار ہے، لکھتے ہیں۔

''یہ اعلیٰ حضرت کی علمی فضیلت کہی جائے گی جن کے شاگرد کی تحقیقات کو دار العلوم دیوبند کے مفتی اور استاذ اپنی کتاب میں بڑے فخر اور ناز کے ساتھ نقل کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہم اہل سنت کی کم ہمتی دیکھئے کہ اب تک ہم اپنے اکابر کے کارناموں کو کماحقہ دنیا کے سامنے لا بھی نہ سکے'' (۴۲)

تاریخ گوئی بہت مشکل فن ہے مگر امام احمد رضا قادری کو اس فن میں بھی اسی طرح کمال حاصل تھا جس طرح دوسرے علوم وفنون میں تھا، عربی شعرا کے یہاں اس قسم کا اہتمام کم ملتا ہے۔ امام احمد رضا قادری نے تینوں زبانوں میں کثرت سے تاریخیں نکالی ہیں اور مختلف صنعتوں میں نکالی ہیں مولانا احمد رضا قادری میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ موقع ومحل کی مناسبت سے بغیر دوات وقلم کا سہارا لیے برجستہ تاریخی مادے نکال دیا کرتے تھے۔ کبھی آپ کا نکالا ہوا تاریخی مادہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ آپ کی بیشتر کتابوں اور رسائل کے اکثر نام تاریخی ہیں جو بغیر کسی صراحت کے کتابوں کے مباحث پر چسپاں ہوتے ہیں۔ تعارف امام احمد رضا کے مصنف لکھتے ہیں۔

''فن تاریخ گوئی میں آپ کو نہایت کمال حاصل تھا جو کتاب بھی لکھتے اس کے نام سے کتاب لکھنے کا مقصد بھی سامنے آجاتا اور تاریخ تصنیف بھی نکل آتی'' (۴۳)

کئی دفعہ تو ایسا بھی ہوا ہے کہ امام احمد رضا قادری نے ایک ہی موقع کے دو چار نہیں بلکہ دس دس تاریخی مادے نکالے ہیں۔ کئی شعرا کے دواوین کی تاریخیں انہوں نے ہی نکالی ہیں لوگ اکثر فرمائش کرتے کہ نومولود بچوں کے تاریخی نام ارسال فرمائیں بعض اوقات ایسے وظائف بھی پڑھنے کو بتا دیتے کہ وظیفے کے اعداد اور وظیفہ پڑھنے والے کے نام کے اعداد برابر ہوتے۔ جناب ایوب علی رضوی صاحب نے ایک مرتبہ ان سے وظیفہ پڑھنے کے لئے

دریافت کیا۔ انہوں نے "یا لطیف" کا ورد بتایا۔ لطیف اور ایوب علی دونوں کے اعداد ۱۲۹ ہی آتے ہیں یہ کوئی اتفاقیہ بات نہ تھی بلکہ اکثر ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔

اپنے والد گرامی حضرت عظیم درجت مولانا شاہ محمد نقی علی خاں قادری کی کتاب مستطاب "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" کا قطعہ تاریخ لکھا جس میں انتہائی حسن وخوبصورتی کے ساتھ الفاظ تحریر اور نقطوں کی تعریف کی ہے اور آخر میں جس حسین انداز سے تاریخ نکالی ہے وہ انہی کا حصہ ہے فرماتے ہیں۔

میرے والد نے جب کیا تصنیف	یہ رسالہ بوصف شاہ ہدیٰ
جس کا ہر صفحہ تختۂ فردوس	ہر ورق برگ سدرہ وطوبیٰ
گیسوئے حور بسواد حروف	مردم چشم حور ہر نقطہ
یا قلم اس کا ابر نیساں ہے	ہر ورق اس کا علم کا دریا
ہر سطر رشک موج صافی ہے	دائروں کو صدف لکھوں تو بجا
نقطے جن کے ہیں گوہر شہوار	قیمت ان کی ہے جنت الماویٰ
سال تالیف میں رضا نے کہا	وصفِ خلقِ رسول امی کیا (۴۴)

(۱۲۸۸ھ)

امام احمد رضا قادری نے کافی مشکل صنعت میں تاریخی مادے نکالے ہیں۔ ذیل کے قطعہ میں ایک لفظ کو تین گنا کرنے سے مادہ برآمد ہو جاتا ہے۔ اس پورے قطعہ میں الفاظ کے زیر و بم کے ساتھ معنوی ربط بھی خوب ہے۔

چو لامع شد کبدر او تجلی	مہ طیبہ علیہ اللہ صلی
دہانش مشرق وحی مبیں شد	بر آمد ازو ماہ مجلی
ہجوم آوردہ اند جلوہ گاہش	نجوم آں واصحاب معلّٰی
چوں ایں مہر وماہ انجم بہم شد	رضا گوید سہ بالا شد تجلی (۴۵)

(۴۴۴+۳=۱۳۰۲ھ)

اس قطعہ میں لفظ تجلی کے اعداد تین بار جوڑنے سے سنہ مطلوب ۱۳۰۲ھ برآمد ہوتا ہے۔

امام احمد رضا قادری نے دواوین کے لئے تاریخی قطعات لکھے ہیں اور اپنے بزرگوں احباب، متعلقین اور متعارفین کے وصال کی تاریخیں بھی نکالی ہیں اور اس تاریخ کے استخراج میں کئی صنعتوں سے کام لیا ہے آپ نے اپنے مرشد کی تاریخ وصال تواریخ الاولیا (۱۲۹۶ھ) اور رضی اللہ والمحبوب (۱۲۹۶ھ) سے نکالی ہے۔

امام احمد رضا قادری نے بعض اہم شخصیتوں کے تاریخی مادے نکالنے میں ولادت ووفات دونوں کا اہتمام کیا ہے۔ ایسی اہم شخصیتوں میں آپ کے والد ماجد کا نام لیا جاسکتا ہے جیسے :

تاریخ ولادت

افضل سباق العلما (۱۲۴۶ھ)

اقدم حذاق الکرما (۱۲۴۶ھ)

تاریخ وفات

کان نہایة جمع العظما (۱۲۹۷ھ)

خاتم اجلة الفقہا (۱۲۹۷ھ)

زبروبینہ تاریخ گوئی کی ایک مشکل صنعت ہے اس میں حروف کے بجائے اسمائے حروف سے اعداد نکالے جاتے ہیں الملفوظ کی تاریخ زبروبینہ میں نکالی گئی ہے امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں :

میرے ملفوظ کئے کچھ محفوظ مصطفیٰ مصطفیٰ کا ہو ملحوظ
نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں زبروبینہ میں ''الملفوظ'' (۴۷)

۱۳۳۸ھ

آپ کے یہ اشعار الملفوظ کے قدیم نسخوں میں جلد اول کے آخر میں پائے جاتے ہیں۔ مولانا احمد رضا قادری کے صرف دو سال یعنی ۱۳۳۸ھ تا ۱۳۴۰ھ تک کے

ملفوظات حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے ترتیب دیئے ہیں جو عالی جناب توسل حسین کے اہتمام میں رضوی کتب خانہ بریلی سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئے۔ اس کے صفحہ ۱۲۴ پر یہ اشعار درج ہیں۔ "الملفوظ" کے اعداد اسما کے حروف سے اس طرح نکالے جائیں گے۔

۱۔	الف	(۱۱۱)
۲۔	لام	(۷۱)
۳۔	میم	(۹۰)
۴۔	لام	(۷۱)
۵۔	فا	(۸۱)
۶۔	واو	(۱۳)
۷۔	ظا	(۹۰۱)
	الملفوظ	(۱۳۳۸ھ)

امام احمد رضا قادری نے دوسرے علما، مشائخ اور احباب و متعلقین کی تواریخ وفات نکالی ہی تھیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے خود اپنی تاریخ ولادت و وفات دونوں کا استخراج بھی قرآنی آیات سے کیا ہے۔

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم روح منہ (۴۸)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ مدد فرمائی ہے)

اس آیت کے کل اعداد ۱۲۷۲ھ جو امام احمد رضا قادری کا سن ولادت ہے۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ "شیخ الاسلام والمسلمین" مادۂ تاریخ وفات ہے۔ امام احمد رضا قادری اپنی تاریخ وصال کی تقریباً پانچ

ماہ قبل خبر دیتے ہوئے اپنے قلم حق رقم سے یہ آیت کریمہ تحریر فرمائی۔

ویطاف علیهم بآنية من فضة واکواب (۱۳۴۰ھ)(۴۹)

(ان پر دورہ ہوگا چاندی کے پیالوں اور جاموں کا)

بڑے فرزند حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے جنازہ کی نماز پڑھائی، محلہ سوداگران بریلی شریف میں مدفون ہوئے۔ ہر سال ۲۵ رصفر المظفر کو آپ کا عرس بریلی کی سرزمین پر بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے، جس میں ہند و بیرون ہند کے لاکھوں فرزندان توحید شریک ہو کر علمائے کرام کے مواعظ حسنہ اور آپ کے روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کرتے ہیں۔

مصادر و مآخذ

۱۔ حیات اعلیٰ حضرت، ظفر الدین قادری، جلد اول ص ۲ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء

۲۔ انوار رضا (امام احمد رضا نمبر) ص ۳۳۵ لاہور ۱۳۹۷ھ

۳۔ تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی ص ۱۶، لکھنؤ ۱۹۱۴ء

۴۔ تذکرہ علمائے اہل سنت، محمود احمد ص ۴۳، کانپور ۱۳۹۱ھ

۵۔ الاعلام بمن فی تاریخ الهند من الأعلام (نزهة الخواطر)

عبدالحئی رائے بریلوی جلد ۸ ص ۵۲ لکھنؤ ۱۹۹۱ء

۶۔ الاعلام جلد ۸ ص ۵۲

۷۔ الدولة المكية، احمد رضا خاں ص ۷۱ مطبوعہ بریلی

۸۔ الاعلام جلد ۸ ص ۵۲

۹۔ الاعلام جلد ۸ ص ۵۲

۱۰۔ فقیہ اسلام، حسن رضا خاں ص ۱۲ پٹنہ ۱۹۸۱ء

۱۱۔ معارف رضا ص۲۶ کراچی پاکستان ۱۴۱۶ھ شمارہ نمبر ۱۵

۱۲۔ پیغامات رضا حصہ سوم ص۱۰ ادارۃ المصنفین اردو بازار لاہور

۱۳۔ ماہنامہ حجاز جدید دہلی ص۷ ستمبر ۱۹۹۲ء

۱۴۔ سوانح اعلیٰ حضرت، بدرالدین احمد ص۳۷۳ بار پنجم دھباد بہار ۱۹۸۴ء

۱۵۔ محاسن کنزالایمان، شیر محمد خاں اعوان ص۲۷ لاہور

۱۶۔ پیغام رضا (امام احمد رضا نمبر) ص۱۹۱ دہلی ۱۹۹۶ء

۱۷۔ حدائق بخشش، احمد رضا خاں ص۱۳۴ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۷ء

۱۸۔ حدائق بخشش ص۱۳۵

۱۹۔ حدائق بخشش ص۳۶

۲۰۔ حدائق بخشش ص۲۱

۲۱۔ حدائق بخشش ص۴

۲۲۔ معارف رضا ص۱۱۴ کراچی پاکستان ۱۹۹۴ء شمارہ نمبر ۱۶

۲۳۔ حدائق بخشش ص۱۵۳

۲۴۔ حدائق بخشش ص۷

۲۵۔ حدائق بخشش ص۱۱،۱۲

۲۶۔ حدائق بخشش ص۲۰

۲۷۔ جریدہ صوت الشرق قاہرہ فروری ۱۹۷۰ء

۲۸۔ کتاب التذکاری، حازم محفوظ ص۷۷ دارالاتحاد، قاہرہ ۱۹۹۹ء

۲۹۔ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، یس اختر مصباحی ص۸۸
المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۵

۳۰۔ مکتوبات امام احمد رضا مع تنقیدات و تعاقبات، محمد مسعود احمد ص۵۶ لاہور ۱۹۸۸ء

۳۱۔حاشیہ تذکرہ نوری ص۴۰ بحوالہ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص۳۹۹ دہلی

۳۲۔حاشیہ تذکرہ نوری ص۴۰ بحوالہ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص۳۹۹ دہلی

۳۳۔امام احمد رضا اور تصوف، محمد احمد مصباحی ص ۱۱۰ المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۸ء

۳۴۔الفتح الربانی (تحفۂ سبحانی) شیخ عبدالقادر جیلانی ص ۶۳ مسلم پریس دہلی ۱۹۰۱ء

۳۵۔افکار رضا، قمر الحسن بستوی ص ۸۶ دہلی ۱۹۹۳ء

۳۶۔مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، احمد رضا خاں ص ۱۶۲ مطبوعہ ۱۳۲۷ھ

۳۷۔حدائق بخشش ص ۵۹

۳۸۔مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا، غلام مصطفےٰ مجددی مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۶ء

۳۹۔امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات (تقریب) ص ۴۷

۴۰۔انوار رضا (امام احمد رضا نمبر) ص ۳۰۹ لاہور

۴۱۔معارف اعظم گڑھ ص ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء

۴۲۔یادگار رضا ص ۸۸ رضا اکیڈمی ۲۰۰۷ء

۴۳۔تعارف امام احمد رضا ص ۱۹ الہ آباد ۱۹۸۳ء

۴۴۔افکار رضا ممبئی جلد ۳ ص ۱۶ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء

۴۵۔افکار رضا ممبئی جلد ۳ ص ۱۷ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء

۴۶۔افکار رضا ممبئی جلد ۳ ص ۲۵ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء

۴۷۔افکار رضا ممبئی جلد ۳ ص ۲۵ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء

۴۸۔معارف اعظم گڑھ جلد ۴۵ ص ۲۵ جنوری تا جون ۱۹۴۰ء

۴۹۔سوانح اعلیٰ حضرت، بدر الدین احمد ص ۳۷۷ رضا اکیڈمی ۲۰۰۲ء

امام احمد رضا قادری

اور

ڈاکٹر محمد اقبال لاہوری

نظریۂ زمان کا تقابلی مطالعہ

امام احمد رضا قادری اور ڈاکٹر اقبال لاہوری دونوں بلاشبہ عاشق رسول تھے۔ ایک کی تربیت گھر اور دینی مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر ہوئی تو دوسرے نے عصری دانشگاہوں کی کھلی فضا میں اپنی زندگی بسر کی۔ امام احمد رضا قادری کی قدیم فلسفہ پر گہری نظر تھی جب کہ ڈاکٹر اقبال کو جدید فلسفہ میں بالادستی حاصل تھی۔ زمانہ اور وقت کی حقیقت کیا ہے؟۔ اس سلسلے میں شرعی اور فلسفیانہ نقطۂ نظر سے ان دونوں نابغۂ روزگار شخصیات کا موقف کیا تھا؟ یہ مقالہ انہی مباحث پر مشتمل ہے۔

زمانہ وحقیقتِ زمانہ کیا ہے؟۔ اس کی کنہ وحقیقت سمجھنے کے لئے ایک تمہید کی ضرورت ہے۔ زمانہ کے پُر پیچ مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے کائنات کے مبدء اول پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ اگر کائنات کے مبدء اول تک کسی اہل خرد کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس کی روشنی میں زمانہ کی اصل اور اس کی تہہ تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

کائنات کے اولین مبدء کے بارے میں یوں تو علماء اور دانشوروں نے اپنی جداگانہ رائیں قائم کی ہیں سالہا سال کی تلاش وجستجو کے بعد مدعیان علم ودانش کی رسائی جہاں تک ہو سکی ہے وہ درج ذیل ہے۔

ثالیس الملطی (۵۴۸۔۶۲۴ ق م) کی تحقیق کے مطابق مبدء کائنات ''پانی'' ہے۔ جیسا کہ اس کے شاگرد انکسیمنڈر کا کہنا ہے کہ وہ ''غیر ممیز مادہ'' ہے۔ اور اس کے شاگرد انکسمینس کی نظر میں وہ ہوا ہے، ایراقلیطس کی رائے میں وہ مادہ ''آگ'' ہے۔(۱)

جن لوگوں نے مبدء کائنات کی تلاش محسوسات میں کی ہے ان کے بھی مختلف نظریات ہیں۔ فیثاغورث نے کہا ہے اصل کائنات ''عدد'' ہے۔ افلاطون کا عقیدہ ہے کہ وہ اعیان مجردہ ہے افلاطون کا یہی عقیدہ بعد میں ''امثال افلاطونی'' کے نام سے موسوم ہوا۔(۲)

جن لوگوں نے مبدء کائنات کی حقیقت موہومات میں تلاش کی ہے ان کی کوشش اس طرح بارآور ہوئی کہ کسی نے مبدء کائنات ''زمان'' اور کسی نے ''مکان'' کو قرار دیا زمان کو اوستائی زبان میں زرون اور پہلوی زبان میں زروان کہتے ہیں۔ اسی زروان سے متعلق کرشن سین لکھتا ہے۔

''زروانی عقائد جو سامانیوں کے عہد میں مروج تھے اس زمانہ میں جبر کا عقیدہ پیدا کرنے میں ممد ومعاون ہوئے جو قدیم مزدائیت کی روح کے لئے سم قاتل تھا

خدائے قدیم زروان" جو "اہوار" "مزدا" اور "اہرمن" کا باپ تھا وہ صرف زمانہ محدود کا نام بلکہ تقدیر بھی یہی تھا۔ (۳)

اب اس مختصر بحث کی روشنی میں مبدء اولین سے متعلق تین نظریات قائم کیئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ دہر یا زمانہ کو کائنات کا مبدء اولین سمجھنا۔

۲۔ دہر یا زمانہ کو خدا سمجھنا اور اسے کائنات میں متصرف سمجھنا۔

۳۔ دہر یا زمانہ کو تقدیر سمجھنا۔

اس کے علاوہ اور بھی دوسرے نظریات تھے جو ہر دور میں زمانہ سے متعلق مفکرین پیش کرتے رہے۔

۱۔ افلاطون کا نظریہ یہ ہے کہ خدا نے افلاک اور دنیا دونوں کو بیک وقت پیدا کیا یعنی زمانہ حادث ہے مخلوق ہے۔ خدا نے سورج اس لئے بنایا کہ حیوانات ریاضی کا علم حاصل کرسکیں، اختلاف لیل ونہار کے بغیر شمار (گنتی) کا تصور پیدا نہیں ہوتا اسی اختلاف نے ہمیں زمان کا تصور عطا کیا ہے اور اسی سے فلسفۂ عالم وجود میں آیا ہے۔

۲۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ زمان دراصل اسی حرکت کا نام ہے جسے شمار کیا جاسکے اور حرکت ازلی وابدی ہے اور چونکہ حرکت کے بغیر زمانہ کا تصور محال ہے اس لئے زمان ومکان بھی غیر مخلوق ہے یعنی قدیم ہے۔

۳۔ آگسٹن کا خیال ہے کہ زمان بھی کائنات کے ساتھ پیدا کیا گیا خدا کے سوا اور کوئی شئ ازلی نہیں ہے، نیز وہ زمان کی قیود سے بالاتر ہے، خدا کے لئے نہ ماضی نہ مستقبل بلکہ ابدی حال ہے زمانہ کی ماہیت پر جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمان ہمارے افکار کی ایک شان کا نام ہے۔

اس باب میں مسلم حکماء کے دو گروہ ہیں۔

ا۔ایک گروہ حکماء کا ہے جو ارسطو کی کورانہ تقلید کرتا ہے، جس کے علمبر دار فارابی، ابن سینا اور ابن رشد ہیں۔

۲۔دوسرا گروہ متکلمین کا ہے جنہوں نے دنیا جہان کے حکمائے ملاحدہ، زنادقہ، لا ادریہ اور مخالفین اسلام کے مقابلے میں قرآن حکیم کی تعلیمات کو قرین عقل ثابت کیا اور بلاشبہ ان کا یہ کارنامہ اس قدر رفیع الشان ہے کہ دنیائے اسلام قیامت تک ان کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔

حکمائے متاخرین کا نظریہ حکمائے متقدمین جو ارسطو کے متبع ہیں ان سے مختلف ہے انہوں نے زمان کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

ا۔زمان تصوری یا خیالی

یہ وہ زمان ہے جس کا وجود خارج میں نہیں ہوتا بلکہ صرف ذہن مدرک میں ہوتا ہے۔

۲۔زمان محسوس یا شہود

یہ وہ زمان ہے جس کا تعلق ہمارے شعور کے ساتھ ہے مثلاً زید جب تک ہے ہوش وحواس میں ہے اس وقت زمانہ یعنی ماضی حال واستقبال کا تصور بھی اس کے ذہن میں موجود رہتا ہے، ڈاکٹر اقبال نے اسی کو سپریئل ٹائم سے تعبیر کیا ہے جس میں قبلیت اور بعدیت کا مفہوم پوشیدہ ہے۔

۳۔زمان طبعی

یہ وہ زمانہ ہے جس کا تعلق ذہن یا شعور کے بجائے طبعیات اور فلکیات سے ہے یعنی طلوع وغروب سیارگان واختلاف لیل ونہار اسی سے ماہ وسال کا حساب کیا جاتا ہے۔

۴۔زمان مطلق

یہ وہ زمان ہے جس کا تصور سب سے پہلے نیوٹن نے پیش کیا کائنات میں ایک وقت ایسا بھی ہے جس کی رفتار ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور دنیا کی کوئی شئی اس پر اثر انداز نہیں

ہوسکتی ہیں اس کسی قسم کی اضافت کا تصور داخل نہیں ہوسکتا۔

مولانا عراقی نے زمانے کی پانچویں قسم کا بھی اضافہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

زمان ایزدی: یہ وہ زمانہ ہے جو ایاب وذہاب اور گذر و سفر کی صفت سے منزہ ہوتا ہے اور اس لئے وہ کسی قسم کی تقسیم اور قسمت قبول نہیں کرتا وہ زمانہ ہے جو ازلیت سے بالاتر ہے نہ اس کا آغاز ہے نہ انجام قرآن حکیم نے اسی زمان ایزدی کو ام الکتاب سے تعبیر کیا ہے۔

بیسویں صدی میں بھی عقلائے روزگار نے زمانہ کی کنہ وحقیقت تک پہونچنے کی کوششیں کیں اور اپنے نتائج فکر کو الفاظ کا جامہ پہنا کر کتابی شکل میں پیش کیا۔ ان میں حکیم آئنسٹائن پروفیسر ایڈنگٹن، پروفیسر الگزینڈر اور پروفیسر براؤ کے اسماء بطور خاص قابل ذکر ہیں ۔اس مختصر سی تحریر میں تمام دانشوروں کے افکار ونظریات کا احاطہ ممکن نہیں۔ سردست یہاں ان دو نابغۂ روزگار شخصیتوں کے خیالات جو زمانہ سے متعلق ہیں قلم بند کیے جارہے ہیں۔ جو علم وفن اور فضل وکمال کی دنیا کے مسلم الثبوت امام تھے۔ ان میں ایک کی تعلیم آغوش مادر و پدر کے علاوہ چند اساتذہ کی صحبت کا نتیجہ تھی جب کہ دوسرے کی تعلیم اسکول، کالجز اور یونیورسٹیوں کے خوش گوار ماحول میں ہوئی تھی۔ ایک کے پاس مدرسہ میں حاصل کی جانے والی درس نظامی اور دوسرے کے پاس عصری جامعات میں اعلیٰ تعلیم کی سند ڈاکٹریٹ تھی۔ ایک نے اسلامی افکار ونظریات کا مطالعہ مغربی فکر کی روشنی میں کیا تھا، جیسا کہ صوفی غلام تبسم ڈاکٹر اقبال کے تعلق سے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> ''میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفہ کے مطالعہ میں گذری ہے اور یہ نقطہ نظر ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطہ نگاہ سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں'' (۴)

جب کہ دوسرے یعنی امام احمد رضا نے علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ شعر وسخن جس میں گل وبلبل کی داستانیں ہوتی ہیں حد درجہ کتاب وسنت کا پاس رکھا ہے فرماتے ہیں۔

"ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ   بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نعت گوئی سیکھی   یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

چوں کہ ان دونوں کی تربیت ایک دوسرے سے مختلف ماحول میں ہوئی اس لئے ان دونوں عبقری شخصیتوں کا نظریہ زمان ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ تھا۔ مولانا احمد رضا خاں قادری زمانہ کو حادث" کہتے تھے جب کہ ڈاکٹر اقبال زمانہ کو" واجب الوجود" اور" حقیقت مطلقہ" سے تعبیر کرتے تھے۔ اول الذکر زمانہ کو مخلوق جب کہ موخر الذکر اس کی خالقیت کا دعویٰ کرتے تھے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی شخصیت سے بھلا کون واقف نہیں۔ طفل مکتب سے لے کر عبقریٔ روزگار شخصیتوں تک سب ہی ڈاکٹر اقبال کے فضل وکمال کے معترف ومداح نظر آتے ہیں ڈاکٹر اقبال کی شخصیت ملت اسلامیہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اگر عہد حاضر میں اس ملت سے ان کی صاحب فضل وکمال شخصیت نکال لی جائے تو ملت اسلامیہ علم وفن کے اعتبار سے خال خال نظر آئے گی۔ ڈاکٹر صاحب علم وفن کے ذروہ کمال پر فائز ضرور تھے مگر ان کو یہ شہرت امام احمد رضا خاں کی زندگی میں نصیب نہ ہوئی بعد میں میسر آئی ڈاکٹر اقبال ایک عرصہ سے نغز گفتار شاعر کا درجہ حاصل کر چکے تھے اور اس کے ساتھ ہی اعلائے کلمۂ حق کے لئے سعیٔ موفور کی بنا پر نقیب ملت کہلانے کا حقدار بھی ہو گئے تھے مگر اس زمانہ میں اور دوسرے بھی نقبائے ملت تھے جن میں سر فہرست مولانا ابوالکلام آزاد کا نام لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد کے مرتب اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"الہلال کا سب سے بڑا کارنامہ جو ہمیشہ تاریخ ہند میں یادگار رہے گا وہ پائیدار مذہبی انقلاب ہے جو یکایک مسلمانوں کی دعوت حق سے پیدا ہو گیا (٦)

پھر آگے چل کر صفحہ ٦ پر فرماتے ہیں۔

سب سے زیادہ یادگار اور تعجب انگیز اثر اس نے ان دونوں جماعتوں میں ڈالا۔ یعنی علماء ومشائخ کا گروہ اور انگریزی تعلیم یافتہ جماعت... مثال کے طور پر تعلیم یافتہ

جماعت میں سے فدائے قوم مسٹر محمد علی اور مسٹر شوکت علی خاں اور ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر اقبال کا ذکر کر دینا کافی ہے ان دونوں اسلام پرستوں کو مذہب کی راہ اسی نے دکھلائی۔ (۷)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں ڈاکٹر اقبال کا مذہبی عقائد میں پچھلا حال جو کچھ سنا ہے اس کے مقابلے میں اب ان کی فارسی مثنویاں دیکھتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے" اسرار خودی" اور "رموز بیخودی" فی الحقیقت " الھلال " ہی کی صدائے بازگشت ہیں۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں مولانا آزاد کی اسلامی نقابت کا بحسن وخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دوسرے مشاہیر میں ڈاکٹر اقبال کے ہم وطن مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد علی، مولانا حسرت موہانی آتے ہیں۔ دوسرے اسلام پسند سامعین کی طرح امام احمد رضا قادری نے بھی ان مجاہدین ملت کی اس سعی مشکور کو اپنی خاموش تحسین سے نوازا ،ہاں اگر کسی سے اسلامی تعلیمات کی توجیہ وتعبیر میں تسامح ہوا تو اس کی مصرحہ نشاندہی میں کسی اہمال واغفال کو برداشت نہیں کیا۔ مثلاً جب کفن دزدان یوروپ نے سلطنت عثمانیہ کی تکابوٹی کرنی شروع کی اور نام نہاد خلافت خطرے میں پڑ گئی تو ان نقبائے ملت نے مظلومین سمرنا اور ستم رسیدگان طرابلس کے ماتم کے ساتھ اس نام نہاد عثمانی خلافت کے خاتمہ پر بھی واویلا شروع کی اور اس کے سلسلے میں دینی تعلیمات کی ناپسندیدہ توجیہ کر کے اس نام نہاد خلافت کی صحت پر اصرار کرنا شروع کیا اس وقت علمائے وقت کے لئے جوامت کی رہنمائی کے لئے من جانب اللہ مامور تھے خاموش رہنا ناممکن ہو گیا اور انہوں نے بلا تفریق مسلک نقبائے ملت کی اس غلط روی پر تعاقب شروع کر دیا اور انہوں نے اس نام نہاد خلافت کے جواز اور صحت پر شرعی دلائل کی روشنی میں جو مٹی پلید کی اس پر کڑی تنقید کی ایسے لوگوں میں امام احمد رضا قادری پیش پیش تھے آپ نے خلافت کے بنیادی مسئلہ پر کہ منصب خلافت کے اہل کون ہیں؟ اس موضوع پر" دوام العیش فی ان الائمة من القریش "کے نام سے ایک

محققانہ رسالہ لکھا جس میں مسئلہ کا دوٹوک فیصلہ صادر کردیا۔مزید تفصیل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔اس کتاب کے متعدد ایڈیشن ہندوپاک سے شائع ہوچکے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال نفس خلافت اور کبھی اگر ختم ہو جائے تو اس کے باز قیام کے علمبردار تھے۔ بھلا امام احمد رضا قادری کو ان سے اس ضمن میں کیوں کر اختلاف ہوسکتا تھا۔پھر اس وقت تک اقبال کے نظریات اور خیالات نظم ہی کے جامہ میں ملبوس تھے اور شاعر کو سات خون معاف ہوتے ہیں لہٰذا اس کی فکری بے راہ رویوں کو درخور اعتنا سمجھنا ایک طفلانہ جسارت ہوتی ۔اور ویسے بھی امام احمد رضا قادری ان امور کی طرف توجہ کا موقع ہی میسر کہاں جیسا کہ" الکلمۃ الملھمۃ "کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

"سرکار ابد قرار بارگاہ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچ کارہ کے سپرد ہوئیں افتا اور اصلاح عقائد فاسدہ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑا دیا اور آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمدہٖ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا (۸)

افتا اور اصلاح عقائد فاسدہ ہی کی مصروفیات اس درجہ تھیں کہ بس !وہ وقت کے شاعران شیوہ بیان کی ہفوات واباطیل کا نوٹس کب لیتے اور پھر ڈاکٹر اقبال کا نوٹس تو کسی عالم نے نہیں لیا جب کہ ان کی بعض ہرزہ سرائیاں تو کفر وشرک کی حدود کو بھی پار کرگئیں تھیں ان کی اس مشق ستم سے بعض علماء جو علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد تھے اپنے مہر سکوت برلب سے خاموش تحسین کرتے رہے بلکہ اس کے لئے مزید سامان مہیا کرتے رہے۔امام احمد رضا قادری نے وہی روش اختیار کی جو اکابر ملت نے کی تھی۔

جس زمانہ میں ڈاکٹر اقبال مسئلہ زمان پر اپنے افکار وخیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا رہے تھے۔اس زمانہ میں انہوں نے پیر جماعت علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۵۱ء) ۸/اگست ۱۹۳۳ء کو مسئلہ زمان سے متعلق ایک خط لکھا تھا اس میں انہوں نے محی الدین ابن

عربی کے نظریہ زمان سے متعلق افکار کا خلاصہ طلب کیا تھا چونکہ انہیں انگلستان میں شیخ ابن عربی کی حقیقت زمان سے متعلق کوئی مقالہ پڑھنا تھا اس لئے انہوں نے پیر جماعت علی شاہ کی طرف اس مسئلہ میں رجوع کیا تھا اس کے علاوہ انہوں نے تین مزید چیزوں کی وضاحت بھی طلب کی تھی۔

ا۔ اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زمان سے متعلق کیا کہا ہے اور وہ ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں؟۔

۳۔ حضرات صوفیاء میں سے اگر کسی اور بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی انور شاہ مرحوم ومغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اس کا نام " الاتقان فی درایۃ الزمان" تھا۔ جناب کو اس رسالہ کا ضرور علم ہوگا میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے مگر چونکہ یہ رسالہ بہت ہی مختصر ہے اس واسطے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

"جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا کہ سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔"(۹)

ڈاکٹر اقبال نے سید سلیمان ندوی سے بھی برابر تقاضہ کیا کہ زمان سے متعلق کوئی تحقیقی بات مجھے بتائیں چنانچہ انہوں نے اس تعلق سے کئی ایک خطوط لکھے وہ اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۲ راگست ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں۔

"مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیق زمان مطبوعہ ہے یا قلمی اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریتاً ملے گا"۔

پھر وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"زمان ومکان وحرکت کی بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں

سب سے زیادہ اہم ہے میری ایک مدت سے خواہش تھی کہ حکماء اور صوفیاء کے نقطہ نگاہ سے یوروپ کو روشناس کرایا جائے مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہوگا حضرت ابن عربیؔ کے بحث زمان کا ملخص اگر عطا ہو جائے تو بہت عنایت ہوگی''(۱۰)

پھر ڈاکٹر صاحب ۷ر مارچ ۱۹۲۸ء کے اپنے ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''شمس بازغہ یا صدرا میں جہاں زمان کی حقیقت سے متعلق بہت سے اقوال نقل کئے گئے ہیں ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ زمان خدا ہے بخاری میں ایک حدیث بھی اسی مضمون کی ہے لاتسبوا الدھر الخ کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے اگر ایسا ہے تو یہ بحث کہاں ملے گی؟(۱۱)

پھر ڈاکٹر اقبال نے ۸ر اگست ۱۹۳۳ء کے اپنے دوسرے ایک مکتوب میں سید سلیمان ندوی سے کچھ وضاحتیں طلب کی تھیں جو اس طرح تھیں۔

''۱۔ حضرت محی الدین ابن عربی کی فتوحات یا کسی اور کتاب میں حقیقت زمان کی بحث کس کس جگہ ہے حوالے مطلوب ہیں۔

۲۔ حضرات صوفیہ میں کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمایئے۔

۳۔ متکلمین کے نقطۂ خیال سے حقیقت زمان سے متعلق مختصر اور مدلل بحث کون سی کتاب میں ملے گی۔(۱۲)

ایک اور مکتوب میں ڈاکٹر صاحب سید سلیمان ندوی کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں

''کیا حکمائے صوفیہ اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے''(۱۳)

ایک اور مکتوب ۷ار ستمبر ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر محمد اقبال لکھتے ہیں۔

''حضرت ابن عربی کے خیالات وافکار بھیجنے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا تھا اس کے لئے بے حد شکر گزار ہوں مولوی سید برکات احمد صاحب کا رسالہ میں نے دیکھا انشاء اللہ اسے سبقاً سبقاً پڑھوں گا۔ مسئلہ آن کے متعلق ابھی تک مشکلات باقی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ پر جو اعتراض ہمارے متکلمین نے کیے ہیں وہ مسئلہ زمان کے متعلق خود ان کے افکار پر بھی عائد ہوتے ہیں مولوی سید احمد برکات احمد مرحوم نے دہر اور زمان میں امتیاز کر کے کسی قدر مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ زمان بہت مشکل ہے ممکن ہے حضرت ابن عربی اس پر روشنی ڈالیں'' (۱۴)

جب ڈاکٹر اقبال اس تعلق سے کئی خطوط لکھ چکے اور اس کا جواب نہ ملا تو پھر انہوں نے ۱۸؍نومبر ۱۹۳۳ء کو ایک اور خط ارسال کیا جس میں یہ درج تھا کہ :

''یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن عربی کے مسئلہ زمان ومکان کی تلخیص کی یاد دہانی کے لئے لکھ رہا ہوں مجھے چند روز تک اس کی ضرورت پڑے گی اس واسطے التماس ہے کہ ادہر جلد توجہ فرما کر مجھے ممنون فرمائیے'' (۱۵)

ڈاکٹر اقبال سید سلیمان ندوی کو متعدد خطوط لکھے اور انہیں سید صاحب ردی کی ٹوکری میں ڈالتے رہے، لیکن جب یہ سمجھ گئے کہ فرار کی کوئی راہ نہیں تو انہوں نے کچھ چیزیں ارسال کی جو انتہائی ناکافی تھیں۔ اس لئے ڈاکٹر اقبال نے انہیں پھر ایک مکتوب ۱۵؍دسمبر ۱۹۳۳ء کو ارسال کیا جس میں لکھا۔

''آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے تلخیص کے لئے نہایت شکر گزار ہوں مگر اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک خیال یا سوال پیدا ہوتا ہے جس کا پوچھنا ضروری ہے۔
اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے جس طرح زمان ایک طرح کا عکس ہے اسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا

چاہئے یا یوں کہئے کہ زمان و مکان دونوں کی حقیقت اصلیہ دہر ہی ہے کیا یہ خیال
محی الدین ابن عربی کے نقطہ خیال سے صحیح ہے اس کا جواب شاید فتوحات ہی
میں ملے، تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمایئے اور دیکھئے کیا انہوں نے مکان پر بھی
بحث کی ہے اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے اس
زحمت کے لئے معافی چاہتا ہوں اور جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں" (١٦)

مولانا سید سلیمان ندوی جنہیں ڈاکٹر اقبال علوم اسلامیہ کا سرخیل تصور کرتے تھے ان کے نزدیک غیر منقسم ہندوستان میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جس کی دسترس علوم اسلامیہ میں سید سلیمان ندوی سے زیادہ ہو۔ ڈاکٹر اقبال نے ان کے بارے میں یہ نظریہ کیسے قائم کر لیا اس کی صراحت نہیں ملتی۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا مبلغ علم کیا تھا ارباب علم و دانش پر مخفی نہیں ان سے اس معاملہ میں علامہ نے رجوع کیا لیکن ظاہر ہے کہ مسئلہ زمان خالص معقولاتی مسئلہ تھا اور مولانا سید سلیمان ندوی کی تعلیم معقولات میں ایک روایت کے مطابق صرف میر زاہد تک تھی۔ اس بارے میں کوئی خاطر خواہ جواب کیا دیتے انہوں نے نہ تو کوئی معقول جواب دیا اور نہ کسی اہل علم کی طرف توجہ مبذول کرائی جب کہ مولانا برکات احمد ٹونکی "اتقان العرفان فی ماهية الزمان" اور امام احمد رضا خاں " الكلمة الملهمة" میں مسئلہ زمان سے متعلق تفصیلی بحث کر کے معقولاتی دنیا میں اپنی صلاحیت کی دھاک بٹھا چکے تھے۔

ڈاکٹر اقبال نے منظم طور پر جب اپنے افکار و معتقدات کو الٰہیات اسلامی کی تشکیل جدید کے عنوان سے مرتب کیا اس وقت امام احمد رضا " ارحم الراحمین" کی جوار رحمت میں پہونچ چکے تھے۔ مگر جس زمانہ میں ڈاکٹر صاحب اپنے اس موضوع پر خیالات کا اظہار کر رہے تھے ان دنوں مولانا احمد رضا خاں قادری بقید حیات تھے۔ مولانا احمد رضا قادری کو ڈاکٹر اقبال کے ان معتقدات کا علم تھا یا نہیں اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی مگر اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال جیسا دانشور کی عقابی نظروں سے امام احمد رضا

قادری کی علمی شخصیت اور ان کی علمی کتابیں اوجھل رہ گئیں باعث تعجب ہے!۔ اس سلسلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر اقبال کو امام احمد رضا قادری سے دور رکھنے میں ان کے مخالفین کا زیادہ ہاتھ تھا ورنہ اقبال جیسا علم وفن کے رسیا سے امام احمد رضا قادری کی شخصیت پردہ خفا میں رہ جائے بات سمجھ میں نہیں آتی۔

بہر حال عربی مصادر کا سہارا لئے بغیر ڈاکٹر اقبال نے اپنی خطبات مرتب کی ڈاکٹر اقبال کے ان خطبات یا الہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید میں ان کی فکری بے راہ ریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ اسلامی ثقافت کے اصل الاصول کی ترجمانی

۲۔ مسئلہ زمان

یہاں گفتگو موخر الذکر مسئلہ یعنی زمان سے متعلق ہے ڈاکٹر اقبال نے زمانہ سے متعلق اپنے نظریات کا اظہار شاعری کی شکل میں بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں "اسرار خودی" لکھ کر " الوقت سیف " کے زیر عنوان کیا ہے۔ اور اس تعلق سے اسرار خودی کے علاوہ پیام مشرق ،زبور عجم ،جاوید نامہ ، بال جبرئیل اور ضرب کلیم میں کیا ہے۔ لیکن باقاعدہ ذکر اس مسئلہ سے متعلق انہوں نے خطبات میں کیا ہے جب امام احمد رضا قادری اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

مسئلہ زمان سے متعلق ڈاکٹر اقبال ۱۹۱۳ء سے پہلے اپنے خیالات کا ظہار کر چکے تھے لیکن اپنی شاعری میں اس لئے دیگر علماء کی طرح جنہیں اہم تر علمی دینی تحقیقات اس قسم کی شاعرانہ خوش گپیوں کا نوٹس لینے کی فرصت نہیں دیتی امام احمد رضا قادری نے بھی مصرحہ طور پر نہ ان کا نوٹس لیا اور نہ ہی بالالتزام ان پر تنقید وتنقیص کی اس سلسلے میں صرف اسلام کے موقف و مسلک کو بیان کردیا۔ امام احمد رضا قادری نے خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ پر مختلف پہلوؤں سے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف " الکلمة الملهمة " میں روشنی ڈالی ہے۔ اس لئے سطور ذیل

میں دونوں عبقری شخصیتوں کے ’’زمان ‘‘ سے متعلق خیالات پیش کئے جارہے ہیں۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال مسئلہ زمان کے سلسلے میں ان دانشوروں سے زیادہ قریب تھے جن کے مآخذ اسلامی علوم وفنون نہیں بلکہ ذہنی پرواز تھی۔ اس خالص اسلامی فلسفہ زمان کو انہوں نے عقل کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھنے کی کوشش کی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اتباع سلف سے محروم ہوگئے اس سلسلہ میں انہوں نے مغربی مفکر برگسان کے اس تصور کو مشعل راہ بنایا جس تصور سے اس نے مسئلہ زمان کی گتھی کو ’’زمان حقیقی اور پیمائش زمان‘‘ کی تدقیق کے ذریعہ سلجھایا۔ اس نے ۱۸۸۹ء میں اس موضوع پر ایک باضابطہ کتاب لکھی اس فرانسیسی مفکر کا شاہکار انگریزی ترجمہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا اور اس نے جلد ہی بین الاقوامی شہرت حاصل کرلی۔ یہ کتاب ڈاکٹر اقبال کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی مسئلہ زمان سے متعلق بنیادی فکر کو انہوں نے اس کی طرف مرکوز کردیا اس سلسلے میں اتنی ہوشیاری انہوں نے ضرور کی کہ فرنگ زدگی کے طعن سے بچنے کے لئے اپنے اس نظریہ کو امام شافعی کے قول ’’الوقت سیف ‘‘ سے جوڑ دیا جب کہ بقول مولانا غلام رسول مہر حقیقت یہ ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے ’’الوقت سیف‘‘ کا مقولہ امام شافعی سے منسوب کیا ہے میں نے مختلف ذرائع سے اس باب میں سراغ لگانے کی کوشش کی مگر کچھ پتا نہ چل سکا کہ امام موصوف نے یہ کب اور کس موقع سے پر فرمایا اور یہ مقولہ ان کی کون سی کتاب میں درج ہے۔ مولانا روم نے مثنوی کے پہلے دفتر کے آغاز میں یہ مقولہ نظم کیا ہے۔

گفت اطعمنی فانی جائع فاعتجل فالوقت سیف قاطع

(مجھے کھانا کھلاؤ کیوں کہ میں بھوکا ہوں اور جلدی کرو کیوں کہ وقت کاٹنے والی تلوار کی طرح ہے)

ظاہر ہے کہ یہاں الوقت سیف کا وہ مفہوم ہرگز پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے جسے ڈاکٹر اقبال نے شعر کا لباس پہنایا اور مجھے یقین ہے کہ اگر یہ مقولہ واقعی امام شافعی کا ہے تو

خودان کے پیش نظر بھی وہ مفہوم نہ ہوگا جو ڈاکٹر اقبال نے اختیار کیا ''(۱۷)

اس کتاب سے ڈاکٹر اقبال نے جو اثر قبول کیا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

ا۔ علامہ اقبال زمانہ کو قدیم مانتے ہیں۔ جب کہ قدامت اور دوام اسلامی آئیڈیا لوجی کی رو سے صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے خاص ہے "اسرار خودی "میں لکھتے ہیں۔

اصل وقت از گردش خورشید نیست وقت جاوید است وخور جاوید نیست (۱۸)

بلکہ اس پر طرّہ یہ کہ دیوان پیام مشرق جو اس کے تقریباً سات سال بعد شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے زمانہ کو جبروت دیوتا کی شکل میں پیش کیا ہے اور اسے ان صفات سے متصف کیا ہے جو خدائے قاہر وقادر کے لئے مخصوص ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ جمہور متکلمین اور حکماء کے برخلاف ڈاکٹر اقبال نے اس نظم میں ذات باری تعالیٰ کو بھی ''زمانی'' قرار دے ڈالا لکھتے ہیں۔

''من کسوت انسانم پیراہن یزدانم'' (۱۹)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا یہ عقیدہ صرف شاعرانہ جدت طرازی تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ وہ اپنے سنجیدہ خطبات میں بھی اسی عقیدے کے ... نظر آتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ڈاکٹر محمد اقبال نے دہر اور باری تعالیٰ کی عینیت کے قول کو رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور فرمایا۔

زندگی از دہر و دہر از زندگی است لا تسبوا الدھر فرمان نبی است (۲۰)

(پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ زمانہ کو برا مت کہو کیونکہ زمانہ خدا ہے)

خطبات میں انہوں نے اس مسئلہ کو جس سنجیدگی کے ساتھ بیان کیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے فرماتے ہیں۔

''زمان کا مسئلہ مفکرین وصوفیاء کے لئے ہمیشہ توجہ کا طالب رہا ہے اس کی ایک وجہ یہ حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ قرآن حکیم کے مطابق دن اور رات کا یکے بعد

دیگرے آنا خدا کی نشانیوں میں سے گردانا گیا ہے اور دوسری جزوی وجہ یہ ہے کہ
کہ پیغمبر اسلام نے ایک معروف حدیث میں جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے خدا کو
دہر (زماں) کے مترادف قرار دیا گیا ہے'' (۲۱)

حالانکہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں جیسا کہ ڈاکٹر اقبال نے سمجھا ہے ایسا صرف عربی زبان وادب میں گہرائی اور گیرائی حاصل نہ ہونے کے سبب ہوا۔ امام ابوبکر جصاص رازی اور دوسرے اسلامی مفکرین نے جو اس کا مطلب بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ "مقلب دھر" یعنی ''زمانہ کو پھیرنے والا ہے''۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں

" عن ابی هريرة قال قال رسول الله وقال الله تعالیٰ یوذینی ابن آدم یسب الدهر وانا الدهر بیدی الامر اقلب الليل والنهار متفق عليه (۲۲)

(حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اولاد آدم مجھ کو ستاتی ہے یعنی ایسا کام کرتی ہے جس میں خوش نہیں ہوتا ہوں انسان زمانہ کو گالی دیتا ہے حالاں کہ میں خود دہر ہوں میرے دست قدرت میں تمام کام ہیں میں دن رات کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں)

اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب انسان زمانے کو سب وشتم کرتا تو ہے گویا وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس جہان فانی میں جو انقلابات آتے ہیں اور جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ سب زمانہ سے ہی وجود میں آتی ہیں۔ اس طرح وہ زمانہ کو فاعل مختار تصور کرتا ہے اور فاعل مختار صرف اور صرف باری تعالیٰ ہے اس لئے زمانہ کو گالی دینا خدائے تعالیٰ کو سب وشتم کرنا ہوا۔ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم زمانہ کو برا بھلا کہہ کر اس کو فاعل مختار مانتے ہو اور حقیقت یہ ہے کہ دہر میں ہوں یعنی فاعل مختار میں ہوں اس لئے تم میری ایذا رسانی کے درپے ہوتے ہو یعنی تم مجھ کو ناخوش کرنا چاہتے ہوں اس لئے تم کو باز آنا چاہئے تمام امور

میری دست قدرت میں ہیں اختلاف لیل ونہار، گردش ایام سب کچھ میری طرف سے ہوتے ہیں۔

امام احمد رضا قادری نے حدوث دہر سے متعلق اپنی تصنیف میں ایک باب قائم کیا ہے جس کی ابتداز مانہ حادث سے ہے'' ہوتی ہے۔ اس کا ذکر اس کتاب کے مقام سیم کے تحت ہے۔ جن مفکرین نے حدوث دہر سے متعلق شک وارتیاب ظاہر کیا ہے ان کی تردید بھی کی ہے جواب اول کے تحت امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں۔

''ممکن اگر بشرط وجود لو تو اس کا عدم محال ہوگا اور بشرط عدم تو وجود، یوں ہی بشرط استمرار انقطاع اور بشرط انقطاع استمرار، کلام اس میں نہیں بلکہ نفس ذات ممکن میں وہ ان میں کسی کی نہ مقتضی نہ منافی تو یہ سب اس کے لئے ممکن بالذات ہیں اب عدم زمانہ قطعاً ممکن ہے ورنہ زمانہ واجب بالذات ہو اور قطعاً اس کا طرف زمانہ میں ہونا محال، ورنہ بداہتہ اجتماع وجود وعدم ہو تو یقیناً یہ عدم زمانہ یوں ہی ممکن کہ غیر زمانہ میں ہو اور بحکم مقدمہ سابقہ اس کا استمرار بھی مقتضائے ذات نہیں تو قطعاً انقطاع ممکن بالذات اور وہ نہ ہوگا مگر وجود سے تو روشن ہوا کہ وہ عدم زمانہ کہ زمانے میں نہیں منقطع ہو کر وجود زمانہ ہو سکتا ہے یہی حدوث زمانہ ہے اور قبل زمانہ زمانہ لازم نہیں کہ عدم منقطع زمانہ میں نہ تھا'' (۲۳)

تیسرے جواب میں انہوں نے شق اول کے تحت جو جواب حدوث دہر کی تائید میں دیا ہے وہ اگر چہ مختصر ہے مگر مدلل ہے فرماتے ہیں۔

''جب زمانہ حادث ہوگا اس کے لئے طرف اول ہوگی نہیں مگر آن اور زمانہ کی امتداد ہے اس کے بعد ہوگا تو اس آن سابق میں زمانہ میں لاجرم اس کا عدم ہے تو عدم زمانہ اس کے وجود پر سابق ہے اور زمانہ میں نہیں بلکہ آن ہے اگر کہئے کہ اس آن سے پہلے عدم زمانہ تھا یا نہیں بہر حال زمانہ سے پہلے زمانہ لازم اگر نہ تھا جب تو

ظاہر کہ وجود زمانہ تھا اور اگر پہلے عدم تھا تو یہ وہی قبلیت زمانہ ہے۔ (۲۴)

قدم زمانہ کی تردید سے متعلق دیگر تفصیلات جو امام احمد رضا قادری نے دی ہے اسے کتاب میں اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر اقبال زمانہ کو مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھتے تھے ان کے نزدیک زمانہ ہی سب کچھ ہے۔ مسلمانوں کے لئے زمان ومکان کا مسئلہ زندگی اور موت کا مسئلہ کس طرح ہے موضوعات خطبات اقبال کے مصنف لکھتے ہیں۔

''زمان ومکان کو اگر غیر حقیقی غیر اہم اور غیر متحرک خیال کیا جائے تو وہ تصور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے زوال اور مملوکیت کا باعث بنے گا جب ہم دنیا کو غیر حقیقی اور غیر ضروری سمجھیں گے تو ہم دنیوی کامرانیوں، تسخیر کائنات، مشاہدہ فطرت، اور بلندیوں کے حصول سے لازماً دور رہیں گے، یہ راہبانہ نظریہ انجام کار ہماری غلامی، پس ماندگی، ہمہ گیر انحطاط اور تقدیر پرستی کو جنم دے گا۔ زمان ومکان کو اگر ہم حرکی اور ارتقاپذیر تصور نہ کریں تو ہم لامحالہ خود حرکت عمل سعی اور آئندہ ترقی کے جذبات سے عاری ہو کر موت وجمود کو دعوت دیں گے''۔ (۲۵)

۱۹۳۵ء میں جب بال جبرئیل شائع ہو کر منظر عام پر آئی تو اس میں مسجد قرطبہ نام کی ایک نظم قارئین کی نظر سے گذری اس میں بھی انہوں نے اسی قسم کا نظریہ قائم کیا ہے۔ جس کا آغاز ہی انہوں نے اس شعر سے کیا ہے۔

سلسلۂ روز وشب نقش گر حادثات　　سلسلۂ روز وشب اصل حیات وممات (۲۶)

امام احمد رضا قادری سابق متکلمین اہل سنت کی طرح زمانہ کو وجود خارجی سے معرّیٰ سمجھتے ہیں لہٰذا ایک ایسا امر جس کا خارج میں وجود ہی نہ ہو اور جو واہمہ کی مشق پیہم سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا ہو اسے کوئی اہمیت دینا ہوا سے لڑنا ہے۔ امام احمد رضا قادری زمانہ کو

وجود خارجی سے معرّیٰ کیوں سمجھتے تھے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۳۔ ڈاکٹر اقبال زمانہ کو وجود حقیقی (وجود خارجی) سے متصف منوانے پر مصر ہیں چنانچہ اس اصرار کو وہ قرآن حکیم کی تعلیم سے جوڑ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

''بہرحال قرآن حکیم نے تاریخ سے جو دلچسپی لی ہے اس نے ہمیں تاریخی تنقید کا ایک سب سے زیادہ بنیادی اصول بخشا ہے جو حیات اور زمانہ کے باب میں اساسی تصورات سے زیادہ بصیرت ادراک سے متعلق ہے۔ یہ اساسی تصورات اصولاً دو ہیں اور وہی دونوں قرآنی تعلیمات کی بنیاد ہیں۔

۱۔ وحدت انسانی اور

۲۔ زمانہ کے وجود حقیقی کا احساس (۲۷)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا وجود خارجی سے متعلق قرآن حکیم سے تعلیم کا دعویٰ فقط ادعائے محض ہے نہ تو قرآن نے اور نہ ہی اسلام نے زمانہ کے وجود حقیقی کی تعلیم دی ہے۔ حکمائے اسلام (جو روح یونانیت کے علمبردار تھے) زمانہ کے وجود حقیقی کے ثبوت میں دلیل پر دلیل تراشتے رہے اور اسلام کی شرک بیزار روح ان دلائل کا انہدام کرتی رہی یہاں تک کہ آخری فلسفی مولانا عبدالحق خیر آبادی کو کہنا پڑا۔

"وجود الزمان یشبه ان یکون اضعف انحاء الوجودات وبالجملة ان ارید بنفی وجوده نفی وجوده علیٰ سبیل التحصیل کان ذلک حقاً لانه لیس له البتة وجود ذلک فی الاعیان بل فی الاذهان وان ارید نفی وجود العینی مطلقاً کان باطلا (۲۸)

ہاں زمانہ کا وجود اطوار وجود میں جو ضعیف ترین طور ہو سکتا ہے صرف اسی سے متصف ہوتا ہے بہرحال اگر زمانہ کے وجود حقیقی کی نفی سے اس کے وجود علیٰ سبیل التحصیل کی نفی ہے تو یہ بات درست ہے کیونکہ زمانہ کا اس قسم کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے صرف ذہنی

وجود ہے اور اگر مطلق وجود کا انکار مراد ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری الکلمۃ الملھمۃ میں وجود خارجی سے متعلق ''مقام بست وششم'' خاص کیا ہے اور واضح طور پر انہوں نے گفتگو کا آغاز ہی یہیں سے کیا ہے کہ ''زمانہ کا وجود خارجی اصلاً ثابت نہیں'' اور اس کے برخلاف جن اجلّہ فلاسفہ نے بحثیں کی ہیں ان کا رد ہے وجود خارجی کی یہ بحث ص ۸۱ سے ۸۶ تک ہے آخر میں انہوں نے ص ۸۶ سے ۹۱ تک ابطال دلائل وجود زمانہ کے عنوان سے ایک معرکۃ الآرا بحث قائم کی ہے جس میں انہوں نے شیخ بوعلی سینا کی ان دلیلوں کا بھی ابطال کیا ہے جنہیں شیخ نے وجود زمانہ پر قائم کیا تھا اور جو بیان طبعی و بیان الٰہی کہلاتی ہیں۔''

زمانہ کا وجود خارجی اصلاً ثابت نہیں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے امام احمد رضا خاں قادری لکھتے ہیں۔

> ''حرکت قطعیہ کا کتب کلام میں انکار وجود زمانہ پر دلائل ہیں جن پر خدشات ہوئے اور کلام طویل ہوا ہمیں ان میں سے دو مختصر جملے پسند ہیں۔
>
> اول یہ کہ زمانہ مقدار حرکت قطعیہ ہے اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حرکت قطعیہ کا وجود فی الخارج نہیں تو اس کی مقدار کیسے وجود فی الخارج ہو سکتی ہے؟۔
>
> دوم۔ یہ کہ زمانہ موجود اگر قابل انقسام ہوتا تو قار ہو گیا اور نا قابل انقسام تو جز لازم آیا کہ زمانہ حرکت اور حرکت مسافت پر منطبق ہے شرح مقاصد میں اس پر رد فرمایا کہ ہم شق اول اختیار کرتے ہیں اور اجتماع اجزا نہ ہوا کہ اجتماع معیت اور اجزائے زمانہ بعض بعض پر سابق دو جز ساتھ نہیں ہو سکتے کہ قار ہو'' (۲۹)

اس موضوع سے متعلق مزید تفصیل تو کتاب میں ہی دیکھی جا سکتی ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی عقلی دلیل نہیں دی ہے۔ رہی شرعی دلیل تو وہ ان کا تحکم محض ہے بلکہ سخن پروری قرآن حکیم میں ایسی کوئی تعلیم نظر سے نہیں گذری اگر ہوتی

اور ڈاکٹر اقبال نے اسے دیکھا ہوتا تو بڑے گھن گرج کے ساتھ اس کا ذکر کرتے جس طرح انہوں نے زمانہ اور تقدیر کی عینیت کو (اگرچہ غلط طور پر ہی سہی) بڑے مزے لے کر بیان کیا ہے۔

۴۔ علامہ اقبال زمانہ کو حقیقت مطلقہ بالفاظ دیگر خدا کہتے ہیں کیونکہ حقیقت مطلقہ ہی خدا ہے وہ تمام چیزیں جس حقیقت مطلقہ کی ادراک وفہم کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اسے انہوں نے زمانے کے لئے خاص قرار دیا ہے اپنے خطبات میں جہاں اس بحث کو موضوع قلم بنایا ہے لکھتے ہیں۔

''جس طرح ہم اپنی ذات میں زمان ومکان کے تعاقب وتسلسل کا ادراک کرتے ہیں اس کی تنقیدی توجیہ اس بات کی جانب ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ حقیقت مطلقہ کو ''درون خالص'' تصور کریں جس کے اندر علم حیات اور ارادہ وفکر حیات اور مقصد ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر ایک منظم وحدت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اس وقت وحدت کا تصور ہم صرف اسی حیثیت سے کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ذات کی وحدت ہے ایک بر ہمہ محیط قائم بالذات جو تمام انفرادی جز کا انکار اور حیات کا سرچشمہ'' (۳۰)

امام احمد رضا قادری چونکہ قدم زمانہ کے منکر اور حدوث دہر کے قائل ہیں جس کے لئے انہوں نے دلائل کے انبار لگا دئے ہیں ان کے یہاں زمانہ فانی ہے ایک وقت مقرر سے ہے اور ایک وقت مقرر تک رہے گا۔ ازلیت اور ابدیت صرف خدا کی شان ہے جو حقیقت مطلقہ ہے۔

ڈاکٹر اقبال کے استاد تاش پروفیسر ایم ایم شریف کے یہاں بھی امام احمد رضا خاں قادری اسی نظریہ کی توثیق ملتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

''میں نہیں سمجھتا کہ زمان کا تصور کسی صورت میں بھی حقیقت مطلقہ سے کوئی نسبت رکھتا ہے میری نظر میں حقیقت مطلقہ ہمارے محدود فہم وادراک سے ماوراء ہے'' (۳۱)

اس سلسلہ میں پروفیسر سلیم چشتی جو ڈاکٹر اقبال کے صرف شارح ہی نہیں بلکہ ان کے افکار وخیالات کی تہہ تک پہونچنے والے بھی ہیں انہوں نے حقیقت مطلقہ کی جگہ ایک خاص لفظ ''استمرار شیون باری'' استعمال کر کے ڈاکٹر اقبال کے موقف کی تائید تاویل القائل بما لا یرضیٰ بہ قائلہٗ (من چہ می گویم وطنبورہ من چہ می سرائد) کے بمصداق کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

''کائنات میں جس قدر حوادث رونما ہوتے ہیں یہ سب حقیقی زمان کی رفتار کی بدولت ظہور میں آئے اور ہماری زندگی حقیقی زمانی کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ واضح ہو کہ یہاں زمان سے اقبال کی مراد ''استمرار شیون باری تعالیٰ'' ہے چنانچہ وہ خود وضاحت کرتے ہیں۔ حقیقی زمان جو نقش گر حادثات ہو گردش فلک سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ تو ایک ازلی وابدی حقیقت ہے'' (۳۲)

اقبال زمانہ کو اصل اشیاء اور مبدء اولین کائنات بھی قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی رنگ و بو ہے وہ بس زمانہ ہی کی کرشمہ سازی ہے اگر زمانہ نہ ہوتا تو نیرنگیٔ زمانہ سے ہم محروم رہتے۔ اپنی سخن پردازی میں انہوں نے زمانہ کو کیا کچھ نہیں کہا ہے وہ جاوید نامہ میں لکھتے ہیں۔

گفت زروانم جہاں را تا ہرم — ہم نہانم از نگہ ہم ظاہرم
من حیاتم من مماتم من نشور — من حساب دوزخ وفردوس وحور
آدم وافرشتہ در بند من است — عالم شش روزہ فرزند من است
ہر گلے کز شاخ می چینی منم — امّ ہر چیزے کہ می بینی منم (۳۳)

وہ ''نوائے وقت'' کے تحت مزید لکھتے ہیں۔

خورشید بہ دامانم، انجم بہ گریبانم — در من نگری ہیچم، در خودنگری جانم
در شہر وبیابانم، در کاخ وشبستانم — من دردم ودرمانم، من عیش فراوانم

چنگیزی و تیموری مشتی زغبار من　　ہنگامہ افرنگی یک جستہ شرار من
انسان و جہان او از نقش و نگار من　　خون جگر مرداں سامان بہار من
من آتش سوزانم، من روضہ رضوانم

آسودہ و سیارم ایں طرفہ تماشہ بیں　　در بادہ ای امروزم، کیفیت فردا بیں
پنہاں بہ ضمیر من صد عالم رعنا بیں　　صد کوکب غلطاں بیں صد گنبد خضرا بیں
من کسوت انسانم، پیراہن یزدانم (۳۴)

ان اشعار کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ ڈاکٹر اقبال کے ذہن ودماغ میں کس قدر رچا بسا تھا۔ لیکن ڈاکٹر اقبال کے برخلاف جہاں تک امام احمد رضا قادری کا تعلق ہے وہ سلف صالحین کی اتباع میں "اصل کائنات" کے مسئلہ کو سرے سے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے تھے اسلام کی تعلیم اس باب میں موکد طور پر یہی ہے۔

" کان اللہ ولم یکن معہ شئی " (صرف اللہ ہے اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے)

جب کچھ نہیں تھا تو اللہ رب العزت کی ذات گرامی تھی اور جب کچھ نہیں رہے گا تو اسی کی جلوہ نمائی رہے گی وہی ازلی وابدی اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہنے والا ہے کائنات کی کوئی اصل تو جب ہوتی جب وہ موجود ہوتی اسلامی تعلیمات کی رو سے کائنات نہ ازلی ہے اور نہ ابدی ان دونوں مسئلوں پر امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ کے پہلے دو مسئلوں میں بڑی سیر حاصل بحث کی ہے بہر حال اسلامی فکر میں کائنات جب حادث ہے تو اس کی کسی مادی یا مجرد اصل کی تلاش بیکار محض ہے۔

واضح رہے کہ عہد اسلام کے تفلسف پسند مفکرین صدور کائنات کی گتھی سلجھانے کے لئے ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے جس کی تفصیل محقق دوانی نے عقائد جلالی میں دی ہے (۳۵) اور پھر ان ٹامک ٹوئیوں کی مزید تحقیق وتنقید شرح عقائد دوانی کے محشیوں نے کی ہے مسئلہ زمان سے متعلق بحث ومباحثہ کا ایک طویل سلسلہ ہے اس گفتگو کا اختتام پروفیسر سلیم چشتی کی اس

فلسفیانہ توجیہ پر کیا جارہا ہے جسے انہوں نے اقبال کے نظریہ ٔزمان سے متعلق بیان کیا ہے۔

۱۔ زمان نام ہے مقدار حرکت کا۔

۲۔ حرکت نام ہے انتقال جسم کا ایک حیز سے دوسرے حیز میں۔

۳۔ جسم نام ہے ذو ابعاد ثلاثہ کا۔

۴۔ ابعاد ثلاثہ اعراض ہیں۔

۵۔ اعراض اپنے وجود کے لئے جوہر کے محتاج ہوتے ہیں۔

۶۔ جوہر قائم بالذات، واجب لذاتہ، موجود لذاتہ، موجود بوجہ ذات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ورنہ شرک فی الذات اور تعدد وجباء لازم آئے گا اور تعدد وجباء محال ہے۔ پھر انہوں نے اس فلسفیانہ توجیہ کی علامہ کے اس شعر سے تائید وتاکید بھی ہے۔

وہی اصل مکاں ولامکاں ہے مکاں کیا شئی ہے انداز بیاں ہے
خرد کیوں کر بتائے کیا بتائے اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے (۳۶)

اس فلسفیانہ توجیہ پر ردو قدح اگر چہ اپنے مقام پر گذر چکی ہے لیکن پروفیسر موصوف کو اس شعر سے اپنی توجیہ کو موئد کرنے میں اہمال ہوا ہے کیونکہ اس باب میں ڈاکٹر اقبال کا قول محکم دوسرا ہے جس کی طرف موصوف توجہ نہ کر سکے۔ اللہ رب العزت مقلب القلوب ہے اور ملہم غیب بھی وہ ڈاکٹر اقبال کی رہنمائی کبھی صراط مستقیم کی طرف بھی کر دیتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے زمان اور اسی طرح مکان کی حقیقت کو خود ہی اپنے شعر میں واضح کر کے اپنے اسلاف کی اتباع کا بھی ثبوت دیا ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان ومکاں کی زناری نہ ہے زماں نہ مکاں لاالٰہ الا اللہ (۳۷)

اگر چہ بعض کوتاہ بیں نظریں اس حقیقت حقہ تک پہونچنے سے قاصر رہیں جیسا کہ پروفیسر رضی الدین صدیقی نے اقبال کے زمان ومکان میں اس شعر کی عجیب توجیہ کی ہے مگر کبھی کبھی حقیقت ثابتہ منکر حق سے بھی اپنا اعتراف کرا لیتی ہے اور یہی علامہ اقبال کے

ساتھ بھی ہوا جو سلسلہ روز وشب کو نقش گر حادثات سمجھتے تھے بس ایک بارقہ بفیض الٰہی کے طفیل مسئلہ کی تہہ تک پہونچ گئے اور زمان ومکان دونوں کے وجود کے انکار کی توفیق پائی اور یہی متکلمین کا مسلک حق ہے چنانچہ شرح مواقف میں زمانہ کے سلسلے میں مرقوم ہے۔

" انهم اعنى المتكلمين كما انكرو العدد والمقدار ....انكرو الزمان الذى هو لكم المتصل الغير القار بوجهين : الاول . الزمان علىٰ تقدير كونه موجوداًاينية مقدم علىٰ يومه اذ لايجوز ان يكون الزمان قار الذات والا كان الحادث فى زمن الطوفان حادثا اليوم وبا لعكس ... " (۳۸)

متکلمین کے اسی افکار زمان کی توثیق ڈاکٹر اقبال نے اپنے مذکورۃ الصّدر شعر سے کی ہے لیکن جہاں تک رہا زمانہ، حرکت، عرض، جوہر سے متعلق امام احمد رضا قادری کے نظریات کا تعلق تو اس کی مزید تفصیل کے لئے الكلمة الملهمة کا مطالعہ ضروری ہے ۔انہوں نے ہر ایک کی الگ الگ مقام کے تحت معرکۃ الآرا بحثیں کی ہیں جس سے ان کی فلسفیانہ دقت نظر کا پتا چلتا ہے۔

پروفیسر سلیم چشتی نے ڈاکٹر اقبال کے نظریۂ زمان کی ترجمانی کرنے کے بعد اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ ڈاکٹر اقبال ہی کی وہ صاحب علم وفن شخصیت ہے جسے اس زمانہ میں زمانہ جیسی اہم متنازعہ فیہ مسئلہ کی تہہ تک رسائی ہو سکی۔انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ زمانہ سے متعلق ڈاکٹر اقبال نے جو نظریہ قائم کیا ہے وہی سچ اور اسلام کے قریب تر ہے ساتھ ہی انہوں نے اس کی بھی وضاحت کی ہے۔

''اقبال اپنے غیر فانی خطبات مدراس میں زمان ومکان کے مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ مجمل ہے لیکن بیسویں صدی میں کسی مسلمان نے اتنا بھی نہیں لکھا ہے''(۳۹)

مسلمانوں کے اس مسئلہ کی طرف بے توجہی کی انہوں نے دو وجہیں بتائی ہیں:

ا۔ مسلمانوں میں علم کا مذاق باقی نہ رہا اور اس کی زیادہ تر ذمہ داری انگریزوں پر ہے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد انہیں انتقام کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔

۲۔ زمان اور مکان پر مفصل اور جامع بحث کے لئے لازمی شرط یہ ہے انسان مغربی اور مشرقی دونوں علوم پر بہت وسیع نظر رکھتا ہو اور اس زمانہ میں یہ ''قران السعدین'' بلا مبالغہ ''کبریت احمر'' کا درجہ رکھتا ہے۔

پروفیسر موصوف نے جس اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ کسی مسلمان نے اتنا بھی نہیں لکھا ہے وہ قابل توجہ ہے کیونکہ موصوف کے سامنے اگر امام احمد رضا قادری کی مصنفہ کتاب الکلمة الملهمة فی ردالفلسفة المشئمة ہوتی تو شاید یہ جملہ وہ ڈاکٹر اقبال کے لئے نہیں بلکہ امام احمد رضا قادری کے لئے استعمال فرماتے۔ مگر افسوس وہ مسئلہ زمان سے متعلق خامہ فرسائی اور تحقیق و جستجو کرنے والوں کا احاطہ کئے بغیر ہی اپنے اس فیصلے کا اعلان کر بیٹھے۔

ڈاکٹر اقبال کے تعلق سے ایک جداگانہ نقطہ نظر ہے جو یوسف سلیم کی بے جا حمایت سے قدرے مختلف ہے۔ ایسے مشکل مباحث جو خطبات یا ان کے مجموعہ شاعری میں ہے اس کی تفہیم آسان نہیں، پروفیسر الطاف احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ یہ مشکل مباحث خواہ وہ مسئلہ زمان ہو یا اور کوئی مسئلہ اس کا مقصد صرف یہ تھا۔

> ''اسلامی فکر کو جدید فکر سے ہم آہنگ کیا جائے تو کہ وہ جدید عہد کے ذہنوں کے لئے قابل قبول ہو سکے لیکن یہ مقصد پورا نہ ہوا اکثر خطبات کی بحث اس قدر پیچیدہ ہے کہ عام مسلمان تو کجا ارباب علم و دانش کی ایک بڑی تعداد ان کے بہت سے مقالات کو سمجھنے سے قاصر ہے اگر اقبال نے فلسفہ کی زبان اور مصطلحات میں بات کرنے کے بجائے عام فہم زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہوتا تو وہ زیادہ نفع بخش ہوتا لیکن یہ کام آسان نہ تھا'' (۴۰)

مصادر و مآخذ

۱۔ سہ ماہی اردو ادب انجمن ترقی اردو ادب علی گڑھ ص ۷ شمارہ ۱ ۱۹۶۵ء

۲۔ سہ ماہی اردو ادب انجمن ترقی اردو ادب علی گڑھ ص ۸ شمارہ ۱ ۱۹۶۵ء

۳۔ سہ ماہی اردو ادب انجمن ترقی اردو ادب ص ۱۱ بحوالہ ایران ساسیان ص ۵۸۴

۴۔ اقبال نامہ، صوفی غلام تبسم حصہ اول ص ۴۷، بحوالہ خطبات اقبال ایک مطالعہ ص ۱۴

۵۔ حدائق بخشش، احمد رضا قادری ص ۳۶۴ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۷ء

۶۔ تذکرہ مولانا آزاد، فضل الدین احمد ص ۱۵ البلاغ پریس کلکتہ ۱۶/ اگست ۱۹۱۹ء

۷۔ تذکرہ مولانا آزاد، فضل الدین احمد ص ۶

۸۔ الکلمۃ الملھمۃ احمد رضا خاں ص ۶ محبوب المطابع برقی پریس دہلی ۱۹۷۴ء

۹۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۴۴۳ لاہور

۱۰۔ مکاتیب سر محمد اقبال بنام سید سلیمان ندوی، سید شفقت رضوی ص ۶۲ ادارہ تحقیقات ملی کراچی ۱۹۹۲ء

۱۱۔ مکاتیب سر محمد اقبال ص ۸۳

۱۲۔ مکاتیب سر محمد اقبال ص ۸۸

۱۳۔ مشاہیر کے خطوط بنام سید سلیمان ندوی ص ۱۱۳ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء

۱۴۔ مکاتیب سر محمد اقبال ص ۹۱

۱۵۔ مکاتیب سر محمد اقبال ص ۹۷

۱۶۔ مکاتیب سر محمد اقبال ص ۹۸

۱۷۔ مطالب اسرار و رموز، غلام رسول مہر ص ۱۸۹ لاہور ۱۹۶۰ء

۱۸۔ شرح اسرار خودی، سلیم چشتی ص ۳۸۲ مطبوعہ ۱۹۸۱ء

۱۹۔ کلیات اقبال، ڈاکٹر محمد اقبال ص ۲۱۸ گیلان ۱۳۴۳ھ

۲۰۔کلیات اقبال،ڈاکٹر محمد اقبال ص۵۰

۲۱۔تجدید فکریات اسلام،وحید عشرت ص۹۳ اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۲ء

۲۲۔بخاری شریف جلد دوم ص۷۱۵ رضا اکیڈمی ممبئی

۲۳۔ الکلمة الملهمة احمد رضا خاں قادری ص۹۹

۲۴۔الکلمة الملهمة احمد رضا خاں قادری ص۱۰۱

۲۵۔موضوعات خطبات اقبال،محمد شریف بقا ص۱۴۳ اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۷ء

۲۶۔بال جبریل،ڈاکٹر محمد اقبال، ص۱۲۶ لاہور ۱۹۶۶ء

۲۷۔دی اسپرٹ مسلم کلچر،اقبال پانچواں خطبہ ص۱۲۳ سنگ میل پبلیکیشن لاہور ۲۰۰۴ء

۲۸۔شرح ہدایۃ الحکمت،عبد الحق ص۵۵ شعلہ طور کانپور

۲۹۔امام احمد رضا قادری،الکلمة الملهمة ص۸۱

۳۰۔دی اسپرٹ مسلم کلچر تیسرا خطبہ ص۷۴

۳۱۔ماہیت زمان،اقبال اپریل ۱۹۶۰ء ص۲۱

۳۲۔اسرار خودی،سلیم چشتی ص۴۹۲

۳۳۔کلیات اقبال، ڈاکٹر اقبال ص۲۸۵ مطبوعہ گیلان ۱۳۴۳ھ

۳۴۔کلیات اقبال ص۲۱۸

۳۵۔شرح عقائد جلالی،دوانی ص۶۹ مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ

۳۶۔شرح اسرار خودی،سلیم چشتی ص۴۹۳ دہلی ۱۹۸۱ء

۳۷۔ضرب کلیم،اقبال ص۱۵ علی گڑھ ۱۹۹۹ء

۳۸۔شرح مواقف،ابوالعلی ص۲۵۷ لکھنو ۱۸۷۷ء

۳۹۔شرح اسرار خودی،سلیم چشتی ص۴۹۴ مطبوعہ دہلی ۱۹۸۱ء

۴۰۔خطبات اقبال ایک مطالعہ،الطاف احمد اعظمی ص۱۶ دہلی ۲۰۰۱ء

امام احمد رضا قادری

اور

مولانا ابوالکلام آزاد

نظریۂ ترک موالات کا تقابلی مطالعہ

امام احمد رضا قادری کی طرح مولانا ابوالکلام آزاد بھی غلامی کی زنجیروں سے نکل کر آزادانہ زندگی بسر کرنے کے خواہاں تھے مگر دونوں کا طریقۂ کار مختلف تھا۔ مولانا آزاد نے ہندو، مسلم اتحاد کا پرچم بلند کیا جس میں انہیں کسی حد تک کامیابی اور کسی حد تک ناکامی رہی۔ امام احمد رضا قادری کا بھی نظریہ اتحاد ہی کا تھا مگر ان کا یہ نعرۂ اتحاد مولانا آزاد کے نعرۂ اتحاد سے قطعی مختلف تھا، وہ انگریز اور ہندو دونوں قوموں سے قطع تعلق چاہتے تھے جب کہ مولانا آزاد انگریزوں سے نفرت اور ہندوؤں سے محبت کے حامی تھے اس بحث میں اسی طرز فکر کا دلائل وبراہین کی روشنی میں تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

''اس صدی کے شروع میں مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اوران کے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے تین آوازیں بلند ہوئیں ایک اقبال کی بانگ درا'' ایک محمد علی'' کا نعرہ تکبیر'' اورایک ابوالکلام آزاد کا ''رجز حریت''، ممکن ہے کہ لفظوں کے پرستاروں کوان تینوں کے پیغاموں میں فرق معلوم ہوتا ہو مگر معنی کے محرم تینوں کی زبان سے ایک ہی بات سنتے اوراس کا ایک ہی مطلب سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دین کی کنجی سے دنیا کے دروازے کھولو اوراسلام کے اسم اعظم سے آفاق کی تسخیر کرو'' (۱)

ڈاکٹر عابد حسین کا یہ قول اگر حقانیت وصداقت کا آئینہ دار ہے تو یہ بھی اپنی جگہ مسلم اور مبنی بر صداقت ہے کہ ایک چوتھی آواز جس نے عالم اسلام میں مذہبی انقلاب برپا کردی اور کفر وارتداد کی آندھی میں حقانیت وصداقت کا پرچم اسی طرح بلند رکھا جس طرح باطل کے ظلم واستبداد کی پروا کئے بغیر عہد عباسی میں امام احمد بن حنبل اور دور اکبری میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے بلند کر رکھا تھا وہ آواز تھی اس ذات گرامی کی جو دنیائے علم وادب میں ''امام'' عالم عرب میں ''فاضل بریلوی'' اور حلقہ معتقدین ومتوسلین میں ''اعلیٰ حضرت'' سے متعارف ہے۔ فاضل بریلوی اپنے کارناموں کے سبب رہتی دنیا تک انشاء اللہ اپنی عبقریت کا اعتراف کرواتے رہیں گے۔ متعصب مورخین ان پر دھول تو ڈال سکتے ہیں مگر صفحۂ ہستی سے ان کا نام کبھی مٹا نہیں سکتے۔

امام احمد رضا قادری اور مذکورہ بالا تینوں اساطین علم وادب کا کسی بھی میدان میں کوئی مقابلہ نہیں کیوں کہ امام احمد رضا ذروۂ فضل وکمال پر اسی وقت پہنچ چکے تھے جب یہ تینوں حضرات بحر علم وفن کی غواصی کا ارادہ کررہے تھے۔ اسی لئے یہاں میدان علم وادب میں

امام احمد رضا قادری کی شخصیت سے کسی سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا البتہ مولانا ابوالکلام آزاد جو سیاست کی بلندیوں پر فائز تھے اور بزعم خویش وہ تمام ہندوستانی مسلمانوں کے واحد رہنما اور امام الہند تھے انہوں نے اس میدان میں ایک بھاری جمعیت کو اپنے پیچھے چھوڑ رکھا تھا اس مقالہ میں ان کی سیاسی بصیرت سے متعلق گفتگو مقصود ہے۔

امام احمد رضا قادری اگرچہ زندگی بھر اصلاح عقائد اور مذاہب باطلہ کی تردید میں لگے رہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے علم وادب اور ملکی حالات ومعاملات میں جو حصہ لیا اور جو کارہائے نمایاں انجام دئے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا وہ ملکی آزادی کے خواہاں تھے اس لئے انہیں انگریزوں سے عداوت ونفرت تھی بقول سید الطاف علی بریلوی :

"سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔" (۲)

امام احمد رضا قادری کی طرح مولانا ابوالکلام آزاد بھی غلامی کی زنجیروں سے نکل کر آزادانہ زندگی بسر کرنے کے خواہاں تھے۔ اس لئے انہوں نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ یہی وہ رجز حریت ہے جس نے ابوالکلام آزاد کو عظمت وسربلندی کے اس مقام پر کھڑا کر دیا۔ جس کا احساس تو کیا جاسکتا ہے مگر وہاں تک پہونچنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہی حریت پسندی ہے جو امام احمد رضا قادری اور مولانا ابوالکلام آزاد کے درمیان قدر مشترک ہے جس کی خاطر ان حضرات نے اپنے ذہن وفکر کا استعمال کیا یہاں اسی تناظر میں کچھ حقائق عوام کی عدالت میں پیش کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔

رجز حریت کو مولانا آزاد کی سیاسی زندگی کی روح کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اس روح کی تقویت کے لئے انہوں نے ہندو ومسلم اتحاد کا پرچم بلند کیا جس میں کسی حد تک کامیابی اور کسی حد تک ناکامی رہی۔ امام احمد رضا قادری کا بھی نظریہ اتحاد ہی کا تھا۔ وہ

انتشارات واختلافات کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے مگران کا یہ "نعرۂ اتحاد" مولانا آزاد کے نعرۂ اتحاد سے قطعی مختلف تھا۔ امام احمد رضا قادری انگریز اور ہندو دونوں قوموں سے قطع تعلق چاہتے تھے۔ جب کہ مولانا آزاد انگریزوں سے نفرت اور ہندوؤں سے محبت کے حامی تھے۔ درج ذیل سطور میں اسی طرز فکر کا دلائل و براہین کی روشنی میں تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت عبقری تھی۔ تدبر، تفکر، دوراندیشی اور بہت ساری خوبیوں میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ وہ صرف میدان سیاست کے شہ سوار ہی نہیں تھے بلکہ ان کی ذات میں کئی اہم شخصیتوں کی صلاحیتیں جمع تھیں۔ بقول مولانا امین احسن اصلاحی :

''وہ (ابوالکلام آزاد) کئی نہیں بلکہ کئی سو دماغوں کا نچوڑ تھے'' (۳)

اگر ہندوستان کی خمیر میں تعصب نہ ہوتا تو مولانا ابوالکلام آزاد ان صلاحیتوں کے سبب سیاست کے نقطۂ عروج ہی پہونچ کر دم لیتے۔ مگر ہندوستان کے ارباب بصیرت اور صاحبان اقتدار نے جو کھیل ان کے ساتھ کھیلا وہ سیاست دانوں پر مخفی نہیں، مولانا آزاد کے سیاسی شعور و آگہی پر گفتگو تو بعد میں کی جائے گی پہلے اس خاندان کا اجمالی ذکر ضروری ہے جس میں مولانا آزاد کی نشو و نما، ذہنی پرداخت اور فکر کی آرائش ہوئی۔

مولانا خیر الدین، مولانا ابوالکلام آزاد کے والد تھے ان کی ولادت ۱۸۳۱ء میں دہلی میں ہوئی ان کی تربیت مولانا منور الدین جو رشتے میں نانا ہوتے اس طرح فرمائی کی کم عمری ہی میں معقولات و منقولات میں بالغ نظری حاصل کر کے اس دور کے جید علماء میں شمار کئے جانے لگے۔

مولانا منور الدین اور مولانا خیر الدین دونوں مذہباً متصلب اور راسخ العقیدہ سنی تھے ۔ تقویٰ و دیانتداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں نے مذاہب باطلہ کی تردید میں رد و مناظرے کئے اور کتابیں لکھیں۔ مولانا منور الدین نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب

تقویة الایمان کارد بلیغ کیا اور ان سے جامع مسجد دہلی میں امتناع نظیر خاتم النبیین کے موضوع پر زبردست مناظرہ کیا۔

مولانا خیر الدین جس زمانے میں سرزمین عرب میں مقیم تھے وہاں شیخ احمد دحلان کی انہیں رفاقت حاصل رہی۔ ان دونوں نے مل کر جو وہابیت کی بیخ کنی کی وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ مولانا خیر الدین نے دس جلدوں پر مشتمل رد وہابیہ کے موضوع پر کتاب لکھی جس نے دنیائے وہابیت میں تہلکہ مچا دیا اور بقول مولانا آزاد :

''شیخ احمد دحلان کی تصنیف الرد علی الوھابیین فی الحقیقت والد مرحوم کے خیالات کا عکس ہے '' (۴)

مولانا خیر الدین کے مذہبی تصلب کا عالم یہ تھا کہ وہ امام احمد رضا قادری جس کی پوری زندگی رد وہابیت کے لئے وقف تھی صحیح الاعتقاد تو ضرور تسلیم کرتے تھے مگر تصلب میں اپنے سے کم تر گردانتے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

''مولوی احمد رضا خاں مرحوم سے ملنے کے بعد والد صاحب افسوس وحسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، دنیا میں بس ڈھائی مسلمان رہ گئے ہیں ایک خود میں دوسرے مولانا عبد القادر بدایونی اور آدھے احمد رضا خاں بریلوی'' (۵)

ایسے متصلب فی الدین مولانا خیر الدین کے گھر ہجرت کے دوران مکہ کی سرزمین پر ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں محلہ قدوہ متصل باب السلام میں ابوالکلام آزاد کی ولادت ہوئی۔ اصل نام ''احمد'' قرار پایا ''محی الدین'' لقب منتخب ہوا۔ ابوالکلام آزاد'' سے شہرت ملی۔ جب کہ والد گرامی ''فیروز بخت'' کہہ کر پکارا کرتے تھے اور مصرعہ ذیل سے مولانا ابوالکلام آزاد کی سنہ ولادت کا استخراج کیا تھا۔

''جواں بخت، جواں طالع، جواں باد'' (۱۳۰۵ھ)

دین حق کی ترویج وارتقاء اس خانوادہ کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہابیوں کے شدید

مخالف تھے۔ ایسے ماحول میں آزاد کی نشو ونما ہوئی اور ہر طرح اس ماحول میں وہ رنگ گئے اور وہابیوں سے متعلق وہ تمام اصطلاحات جو اس خانوادہ میں رائج تھیں ان کی زبان زد ہوگئیں بقول مولانا آزاد :

''دنیا کی ہر مکروہ وخبیث چیز اس لقب سے پکاری جاتی تھی مثلاً حافظ جی کہتے تھے۔ شب کو اس قدر وہابی تھے کہ نیند نہ آئی۔ یعنی مچھر بہت تھے۔ دیوان خانے میں کتابوں کے نیچے صندوق پڑے تھے ان کے نیچے وہابی چلے جاتے تھے اور پینڈے میں سوراخ کر دیتے تھے یعنی چوھے۔ چنانچہ بڑی جد وجہد کے ساتھ وہابیوں کو پکڑا جاتا تھا اور ہم لوگ یوں حساب کرتے کہ آج دو وہابی مارے گئے ایک بہت بڑا وہابی بھاگ گیا'' (۶)

مولانا ابوالکلام آزاد کو وہابیوں سے نفرت وعداوت ورثہ میں ملی تھی خاندانی ماحول میں اچھی طرح رچ بس گئے تھے مگر بعد میں خاندانی رسم ورواج اور آباء واجداد کے مسلک سے ٹھیک اسی طرح منحرف ہو گئے جس طرح شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنے آباء واجداد کے مسلک سے انحراف کرلیا تھا۔ ان دنوں کا رجحان غیر مقلدیت کی طرف ہو گیا تھا۔ ابوالکلام آزاد بچپن کے ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں میرا تخیل یہ تھا کہ وہابی کوئی خاص طرح کا ایک بڑا ہی مکروہ اور قابل نفرت مخلوق ہے'' (۷)

اس علمی اور مذہبی گھرانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تربیت ہوئی۔ اس تربیت کا اثر یہ ہوا کہ علم وادب کے میدان میں انہوں نے اپنی عبقریت تو تسلیم کرائی ہی تھی افق سیاست پر بھی نیر اعظم بن کر چمکے جس کی کرنیں آج بھی ہندوستان کی بساط سیاست پر محسوس کی جاسکتی ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی باضابطہ سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۱۲ء میں " الہلال " کے

اجراء سے ہی سمجھنا چاہئے۔ الھلال کے وجود میں آتے ہیں غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آزادی کی کرن پھوٹتی نظر آنے لگی اس جریدہ کے ذریعہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی آواز لوگوں تک پہونچانے میں کامیاب ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستانی سیاست پر چھاگئے۔ اس پرچہ کے ذریعہ حصول آزادی کے لئے جو انہوں نے جدوجہد کی وہ ہندوستانی سیاست کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ "البلاغ" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ آزادی کے لئے مولانا آزاد سب کچھ قربان کردینا ارزاں سمجھتے تھے۔ ہفت روزہ الجمیعۃ دہلی میں ہے۔

''مولانا آزاد کے نزدیک آزادی جزء ایمان تھی اس لئے مذہب اور سیاست میں کوئی بیر نہیں تھا لیکن وہ سیاست کو مذہبی فرقہ داری کے ماتحت نہ رکھنا چاہتے تھے ان کے ذہن میں سیاست کی جدید ترین شکلیں بھی تھیں اور قدریں بھی۔ انہوں نے دونوں کا خوبصورت امتزاج کیا تھا تاکہ یہ صورت نہ ہو کہ

جیسا موسم ہو مطابق اس کے میں دیوانہ ہوں

مارچ میں بلبل ہوں، جولائی میں پروانہ ہوں'' (۸)

مولانا ابوالکلام آزاد کے ذہن ودماغ میں آزادی کا تصور رچا بسا تھا۔ اوائل عمر ہی سے آزادی کی جنگ میں کود پڑے تھے۔ اس لئے آزادی کا تعلق اسلام سے اس طرح پیدا کرتے تھے کہ الھلال کا اداریہ پڑھنے والا شخص ان کے نظریات وخیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں انہوں نے لکھا تھا کہ :

''ایک چراغ جو روشن ہو کر پھر نہیں بجھتا وہ حریت صحیحہ کا چراغ ہے مسلمان ہندوستان میں رہتے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی ان کا دینی فرض ہے جس کی بجا آوری لازم ہے'' (۹)

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ درج ذیل سطور میں اسی کا انکشاف ہے۔ بہر حال معاملہ کچھ بھی رہا ہو اس وقت کا ہندوستان جس طرح

سیاسی کشمکش سے دوچار تھا ایسے پُر آشوب ماحول میں" الھلال "پیغمبر امن وشانتی اور رہبر راہ صداقت بن کر وجود پذیر ہوا اور چونکہ اس پر مذہبی خول تھا اس لئے مذہب کے پرستاروں کے دلوں میں جلد ہی نفوذ کر گیا مگر مولانا آزاد چونکہ سیاسی تھے اس لئے قید وبند کی صعوبتیں جھیلنے کے باعث پابندی کے ساتھ اس کی اشاعت نہیں کر سکے۔ لیکن جتنے شمارے چھپے مولانا آزاد نے تقریباً سب ہی میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔

"الھلال کی اور تمام چیزوں کی طرح پولیٹکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بھروسہ کیجئے اور نہ ہندوؤں کے ساتھ حلقۂ درس میں شریک ہو جایئے صرف اسی راہ پر چلئے جو اسلام کی بتائی ہوئی صراط مستقیم ہے" (۱۰)

"الھلال" کے بند ہونے کے بعد "البلاغ "کا اجرا ہوا دونوں جرائد کی اشاعت کا ایک ہی مقصد تھا۔ جب اس کے اداریوں میں مولانا آزاد نے آزادی کا تصور پیش کیا تو اس سے انگریز حکومت کے کان کھڑے ہو گئے اور اس نے فوراً مولانا کو بنگال چھوڑنے کا حکم صادر کیا۔ دوسرے صوبوں دہلی، پنجاب اور بمبئی جانے پر بھی پابندی عائد کر دی لہذا مولانا رانچی چلے گئے جہاں وہ ۳۱ / دسمبر ۱۹۹۱ء تک رہے۔ جون ۱۹۲۰ء میں گاندھی سے ملاقات ہوئی اور ان کی تحریک "عدم تعاون" (نان کواپریشن) میں شریک ہو گئے۔ انہیں گاندھی جی کی رفاقت اور تحریک میں شرکت پر فخر بھی تھا۔ تحریک کے ہراول دستہ میں شریک ہو کر مفید مشورے دینے لگے۔ ایک موقع پر ارکان تحریک کو مشورہ سے نوازتے ہوئے فرماتے ہیں :

"میں نے آزادی اور انصاف کے حصول کے لئے عدم تعاون اور عدم تشدد کے ذریعہ جد وجہد کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے لیکن ہماری اس جد وجہد کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلح فوجیں تعینات ہیں جن کے پاس قتل وخوں ریزی کے تمام ہتھیار موجود ہیں۔ اس لئے گاندھی جی کے برخلاف میرا یہ خیال نہیں ہے کہ مسلح

طاقتوں کا ان ہی جیسی طاقت سے مقابلہ کرنا غلطی ہے"(١١)

گاندھی جی کی ملاقات سے مولانا آزاد کی سیاسی زندگی میں چار چاند لگ گئے کانگریس پارٹی کے بنیادی عناصر میں ان کا شمار ہونے لگا۔ کانگریس کی ہر پالیسی اور ہر اسکیم مولانا آزاد کے مشورہ کے بغیر نامکمل تصور کی جاتی تھی۔ انڈین نیشنل کانگریس ہو یا تحریک خلافت مسئلہ حصول آزادی ہو یا تحریک ترک موالات ہر جگہ ان کی حیثیت جسم میں روح کی طرح تھی۔ گاندھی جی کے افکار و نظریات سے کسی زمانہ میں اگرچہ اختلاف رہا مگر بعد میں وہ ان سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ گاندھی جی افکار و خیالات ان کے لئے ضابطہ زندگی بن گئے۔ جب گاندھی جی نے انہیں ہر طرح اپنا بنالیا تو ہندو قوم کو خوش کرنے کے لئے ناموس دین مصطفےٰ ﷺ کا خیال کئے بغیر وہ سب کچھ کر بیٹھے جس سے ہندو قوم راضی ہو جاتی یہاں تک کہ انہوں نے ناگپور کانگریس کے موقع پر جمعہ کی امامت صغریٰ میں مسٹر گاندھی کی توصیف و تعریف خطبہ اولیٰ کے حصہ اول میں بلند آواز سے کی اور ارشاد فرمایا:

"مہاتما گاندھی کی مقدس ذات اور پاکیزہ خیالات"(١٢)

مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے علماء کو کانگریسیوں نے اسی لئے خرید کر اپنا غلام بنایا تھا تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں اور مسلمانوں کو وہ اپنے دامن فریب میں لے سکیں۔ کانگریس ان علماء کو اپنانے میں کامیاب ہوئی جس کے کہنے سے مسلمان کانگریس کے پیہم مظالم کے باوجود اس سے نہ صرف وابستہ رہے بلکہ ہندو مسلم اتحاد کا پرچم بلند کرتے رہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور اپنی ٢٦ / اگست ١٩٧١ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس قسم کے دوسرے لوگ مثلاً ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند اپنے دور میں فن خطابت کے امام تھے۔ ہندو کانگریس نے ان کے فن خطابت ہی کی وجہ سے ان کو بھاری قیمت کے عوض خرید رکھا تھا۔ متحدہ ہندوستان میں کانگریس نے رابطہ

عوام کی ہمہ گیر مہم شروع کی تو سادہ لوح مسلمانوں کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنانے کے لئے انہی حضرات کے فن خطابت کا استعمال کیا'' (۱۳)

یوں تو ہندوستان کے بیسیوں مسلمان وقتاً فوقتاً کانگریس میں شریک رہ چکے تھے ان میں ایک سے بڑھ کر ایک تھے لیکن بقول مشہور مورخ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی :

''مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے حسی بلکہ سنگدلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت امام الہند (ابوالکلام آزاد) کے حصے میں آیا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا'' (۱۴)

مولانا ابوالکلام آزاد نے جو تفسیر "ترجمان القرآن" کے نام سے شائع کی اس میں بھی کانگریسی افکار و نظریات کی بھرپور ترجمانی کی گئی گویا زبان و قلم دونوں سے انہوں نے کانگریس کے نظریات کی تائید کی اور بعض نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے یہ تفسیر بھی گاندھی کی پالیسیوں اور کانگریسی نظریات کو قرآن کے مطابق ثابت کرنے کے لئے لکھی اس حقیقت کو خود گاندھی جی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۱۹۳۱ء میں ایک تقریر کے دوران انہوں نے کہا :

''مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات و سعادت کو اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے ہی اندر بتلائے لیکن مجھے اس بات کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے شائع کرا دیا ہے۔ (۱۵)

وہ عبارت جس کی بنیاد پر گاندھی نے یہ خیال پیش کیا ترجمان القرآن میں ان لفظوں میں درج ہے۔

''اس (اسلام) نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا

مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں'' (۱۶)

مولا آزاد کے ان نظریات کی مخالفت ان لوگوں نے تو کی ہی تھی جو لوگ مسلم لیگ کے تصور پاکستان کے حامی تھے مگر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جو مسلم لیگ کے تصور پاکستان کے مخالف تھے وہ بھی مولانا آزاد کی ان ہزرہ سرائیوں کے مخالف تھے وہ مولانا ابولکلام آزاد کے انقلاب حال کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''مسلمانوں کی تصویر وہ شخص کھینچ رہا ہے جو ایک زمانہ میں اسلامی ہند کی نشاۃ ثانیہ کا سب سے بڑا لیڈر تھا ان کی مظلومی کا اس سے زیادہ دردناک منظر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو کبھی الہلال اور البلاغ کا ایڈیٹر تھا وہ آج ان کی اس قدر غلط ترجمانی کرے'' (۱۷)

مولانا ابوالکلام آزاد نے گاندھی نوازی میں امت مسلمہ کا جس طرح سودا کیا اس کی تفصیل سے اہل علم واقف ہیں وہ کبھی ایسی بات عوام سے سننا گوارہ نہیں کرتے تھے جو گاندھی جی کے مزاج کے خلاف ہو وہ امت مسلمہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''میں مسلمانوں سے خاص طور سے دو باتیں کہوں گا ایک یہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں اگر ان میں سے کسی ایک بھائی یا ایک جماعت سے کوئی بات نادانی کی بھی ہو جائے تو اسے بخش دیں اور اپنی جانب سے کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے اس مبارک اتحاد کو صدمہ پہنچے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ''مہاتما گاندھی'' پوری طرح اعتماد رکھیں اور جب تک وہ کوئی ایسی بات نہ چاہیں جو اسلام کے خلاف ہو اس وقت تک پوری سچائی اور مضبوطی سے ان کے مشوروں پر کاربند رہیں'' (۱۸)

اس طرح کے فاسد خیالات صرف مولانا ابوالکلام آزاد کے ہی نہیں تھے بلکہ ان

تمام لوگوں کا یہی حال تھا جو ہندو مذہب پلیٹ فارم سے اٹھنے والی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سب سے عجیب بات یہ دیکھی گئی کہ جو حضرات خلافت اسلامیہ کی جدو جہد کر رہے تھے وہ ہندوؤں کی ہمنوائی کو احیائے خلافت اسلامیہ کے لئے ممدو معاون سمجھ رہے تھے اور جوش جذبات میں اسلامی شعائر کو چھوڑ کر کفر اپنا رہے تھے چنانچہ اس زمانہ میں مسلمانوں نے اپنی پیشانی پر قشقہ لگایا ہندو لیڈروں کی ارتھیوں کو کندھا بھی دیا ہندو لیڈروں کو مساجد میں منبر رسول پر بٹھایا، قرآن پاک کو مندروں میں لے جایا گیا'' (۱۹)

اس دور کے اکثر مسلم قائدین کا یہی رویہ تھا۔ خلافت اسلامیہ کی حفاظت تو محض دکھاوا تھی ان سب کا مقصد انگریزوں کو مجبور کر کے ہندوستان پر خود مختار حکومت کا حصول تھا ۱۹۱۷ء میں جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے جس کا وعدہ کیا تھا مولانا ابوالکلام آزاد کے درج ذیل خیالات سے اس کی نشاندھی کی جاسکتی ہے۔

''کوشش اور لڑائی صرف اماکن مقدسہ اور خلافت کے لئے نہیں بلکہ ہندوستان کو خود مختاری دلانے کے لئے ہے۔ اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تا ہم ہماری جدو جہد جاری رہے گی اس وقت تک کہ ہم گنگا و جمنا کی مقدس سرزمین کو آزاد نہ کرالیں'' (۲۰)

امام احمد رضا قادری کی علمی، عملی اور عبقری شخصیت حلقہ علم وادب میں محتاج تعارف نہیں۔ مذہب میں کتنے متصلب تھے ان سے ملنے والا اور ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے۔ آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنے کے بجائے صرف اتنا کہنا کافی ہے۔

ع ۔ جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

معاصر علماء اور دانشوروں پر نکتہ چینی اور علمی گرفت کرنے والا اور ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے علاوہ ماضی کے اساطین علم وادب کی لغزشوں کو بھی جس نے نہ بخشا ہو باطل کی تردید میں ان کا قلم تیغ براں کی طرح چلتا رہا ان کی چھوٹی بڑی ایک ہزار تصنیف جس کے بہترین شواہد ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے وہ نظریات جو شریعت سے متصادم تھے اس کی انہوں نے تردید کی اور واضح لفظوں میں لکھا کہ آزاد کا یہ نظریہ اسلامی نقطہ نظر کے خلاف ہے فرماتے ہیں :

"ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے اصل مقصود بہ غلامی ہندو سوراج کی چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کردی ہے بھاری بھر کم خلافت کا نام لو عوام بھڑیں۔ چندہ خوب ملے اور گنگا و جمنا کی زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔

اے پس رو مشرکاں بہ زمزم نہ رسی
کیں رہ کہ تو می روی بہ گنگ وجمن است (۲۱)

کہتے ہیں کہ سچی بات کڑوی ہوتی ہے۔ امام احمد رضا قادری نے جب مولانا آزاد کی گندہ پالیسیوں کا انکشاف کیا اور مذہب کی آڑ میں امت مسلمہ کو قعر مذلت میں ڈالنے والی سیاست کی نقاب کشائی کی تو ہمدردان قوم وملت نے اسے قوم کی ہمدردی پر محمول کیا اور گاندھوی سیاست کے دریوزہ گر مسلم قائدین نے اسے سیاست کا رخ دے کر حد درجہ مخالفت کی۔ ۱۳۳۹ھ میں بریلی جمعیت کانفرنس کے موقع پر مولانا آزاد نے امام احمد رضا قادری کی جناب میں ایک عریضہ ارسال کیا جو ڈپلومیسی سے خالی نہیں تھا اس میں وہ لکھتے ہیں۔

"مسئلہ تحفظ وصیانت خلافت اسلامیہ ترک موالات اور اعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور ہیں۔ (۲۲)

درج بالا عبارت کی روشنی میں ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد پاکستان لکھتے ہیں۔

''جس کو تاریخ کا علم نہیں وہ ان کلمات سے گمراہ ہوسکتا ہے مگر باخبر لوگ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کو سلطنت ترکیہ کی مدد واعانت سے انکار نہ تھا بلکہ ان کی جماعت رضائے مصطفےٰ نے خود اس کے لئے کوشش کی (۲۳)

امام احمد رضا قادری اگر مولانا ابوالکلام آزاد کے سیاسی موقف کی تائید نہیں کررہے تھے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ انگریزوں کے ہم نوا تھے بلکہ وہ تمام اسلام دشمن طاقتوں کے مخالف تھے۔ انگریز اور ہندو دونوں کے خلاف ان کا جذبہ عداوت ونفرت یکساں تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں ترکوں کے مقابلے میں برٹش گورنمنٹ کی حمایت اور ان کے بالمقابل مسلمان فوجیوں کو بھیجنے کی بات ہوئی تو ترک موالات کے حامی علماء جنہوں نے انگریزوں کی حمایت میں تُرک مسلمانوں کے بالمقابل مسلمان فوج روانہ کرنے کا فریضہ انجام دیا تھا۔ اس وقت بھی امام احمد رضا قادری نے اس عمل کی کھل کر مخالفت کی تھی، مولانا معین الدین اجمیری باوجود امام احمد رضا قادری کی مخالفت کے یہ اعتراف کرتے ہیں۔

''ترک موالات کی تجویز نمبر۵ ایسی ہے جس کو دونوں بزرگوں مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے'' (۲۴)

اس طرح کے بے شمار شواہد ہیں جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا قادری کو صرف انگریزوں سے نہیں بلکہ ان کے لباس طرز رہائش، تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت ہر چیز سے نفرت تھی۔ اس سلسلہ میں " گناہ بے گناہی "مولفہ پروفیسر مسعود احمد کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا جو خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہے۔

اسلام میں جس سیاست کا تصور ہے امام احمد رضا قادری اس کے علمبردار تھے اور وہ اسلامی سیاست جماعتی مصالح کے لئے اور امت مسلمہ کی جان ومال کی حفاظت کے لئے ہے۔ عزت وآبرو کو داؤ پر لگانے والی سیاست سے اسلام روکتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی

زندگی میں کتنے سیاسی نشیب وفراز آئے اور انہوں نے اس موقع پر کونسی چالیں چلیں وہ ان کے سیاسی معاصرین کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ ان کے بعض ہم نواؤں نے ان کے اس طرز عمل کو قائدانہ کردار سے تشبیہ دیا ہے اور خود مولانا آزاد کو بھی بزعم خویش کامل یقین تھا کہ امت مسلمہ کی قیادت کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں، اسی حوصلۂ قیادت اور جذبۂ اجتہاد نے انہیں اپنے آباء واجداد کے مسلک کی مخالفت اور اس سے انحراف پر آمادہ کیا امام احمد رضا قادری نے مولانا آزاد کے اس جذبہ قیادت کا جو پردہ چاک کیا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں۔

> ''مسٹر آزاد اگر چہ اپنے نشہ میں تمام مجاہدین کرام سے اپنے کو اعلیٰ مانتے ہیں ان کے ارشادات کو ظنی اور اپنے توہمات کو وحی سے مکتسب قطعی مانتے ہیں اور سلطان کا نام محض دکھاوا ہے۔ تمام امت سے اپنی امامت مطلقہ منوانے کا دعویٰ ہے۔
> دیکھو رسالہ خلافت کا اخیر مضمون اھد کم سبیل الرشاد'' میں تمہیں راہ حق کی ہدایت کروں گا'' (۲۵)

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہی جذبۂ قیادت تحریک ترک موالات میں بھی کارفرما رہا ترک موالات (نان کوآپریشن) کی اسکیم میرٹھ کے اجلاس میں اگر چہ گاندھی جی نے پیش کی مگر مولانا آزاد نے اس میں اس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ خود وہ اس تحریک کے ہیرو بن گئے جس زمانے میں یہ تحریک شباب پر تھی اس زمانے میں مولانا احمد رضا خاں قادری زندگی کے آخری مراحل میں تھے۔ مگر اس موت وزندگی کی کشمکش کے عالم میں بھی انہوں نے آزاد اور ان کے دوسرے ہم نواؤں کو معاف نہیں کیا اور تحفظ شریعت مصطفوی ﷺ کے لئے عالمانہ کردار ادا کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں ہندو مسلم اتحاد کی کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ ان کی اس تقریر سے لگایا جاسکتا ہے۔ جو انہوں نے مولانا آزاد ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۳ء میں انڈین

نیشنل کانگریس دلی کے خصوصی اجلاس میں کی تھی۔

"آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج ۲۴ گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندو مسلم اتحاد سے دست بردار ہو جائے تو سوراج سے دست بردار ہو جاؤں گا، مگر اس سے دست بردار نہیں ہوں گا کیوں کہ اگر سوراج ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا لیکن ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالم انسانیت کا نقصان ہے۔" (۲۶)

اور اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے علی گڑھ کالج کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا :

"حکومت سے ترک موالات اس طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں" (۲۷)

ترک موالات کو انہوں نے ارکان اسلام کی طرح ہی صرف فرض قرار نہیں دیا بلکہ اسے مذہبی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے فرض قرار دے رہے تھے۔

"میں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے جیسے خدا کے فضل وکرم سے شریعت اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے، کہتا ہوں ایک مسلمان پر حب وطن کے لحاظ سے مذہب کے اعتبار سے اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ ترک موالات کرے۔ (۲۸)

گاندھی جی کی ملاقات کے بعد ہی ان کے نظریات میں نوعی فرق آگیا اور پھر جس طرح انہوں نے ہندو قوم کی عظمت کے راگ الاپنے شروع کئے وہ بیان سے باہر ہے ہر موقع سے انہوں نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا جب کہ گاندھی جی مسلمانوں کی پسپائی پر اندر ہی اندر منصوبے تیار کرتے رہے ان کی اس حکمت عملی کو مولانا آزاد نہیں سمجھ سکے اور جس طرح انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کا راگ الاپا وہ قابل حیرت ہی نہیں بلکہ باعث تعجب بھی ہے۔ ۲۵ر

اگست ۱۹۲۱ء کو مجلس خلافت آگرہ میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

اصل مسئلہ خامہ فرسائی کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان کی نجات کے لئے ہندوستان میں مسلمانوں کے بہترین فرائض انجام دینے کے لئے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے۔ یہ میرا عقیدہ ہے جس کا اعلان ۱۹۱۲ء میں الہلال کے پہلے ہی نمبر میں کر چکا ہوں۔

الہلال کے پہلے نمبر میں جس میں بڑے نمایاں مقصد کا اعلان کیا گیا تھا میں فخر کے ساتھ اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتفاق تھا میں نے مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ احکام شرع کی رو سے مسلمانوں کے لئے اگر کوئی فریق ہوسکتا ہے جو نہ صرف ایشیا کو بلکہ اس تمام کرۂ ارضی کی سچائی کو آج چیلنج دے رہا ہے اس کو مٹا رہا ہے جس کے غرور سے اللہ کی عالم گیر صداقت سب سے بڑا خطرہ ہے وہ برٹش گورنمنٹ کے سوا کوئی دوسری طاقت نہیں ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۲۳ء میں پہلی بار آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی صدارتی ذمہ داریاں قبول کیں اس کے اجلاس دہلی میں خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

> ''غالباً آپ میں سے وہ تمام حضرات جو گذشتہ بارہ سال کے اندر مسلمانوں کے جماعتی تغیرات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس سے واقف ہوں گے۔ ۱۹۱۲ء میں سب سے پہلی صدا میری صدا تھی جو اس طرز عمل کے خلاف بلند ہوئی میں نے اپنے ہم مذہبوں کو اس طرف بلایا کہ وہ علیحدگی کی پالیسی پر قائم رہ کر اپنی ہستی کو ملک کی آزادی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنے ہندو بھائیوں پر اعتماد کریں''

ایک اور دوسری جگہ مولانا آزاد ہندو مسلم اتحاد پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''میں نے ۱۹۱۲ء میں الھلال جاری کیا اور اپنا یہ فیصلہ مسلمانوں کے سامنے رکھا آپ کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ میری صدائیں بے اثر نہیں رہیں، ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک کا زمانہ مسلمانان ہند کی سیاسی کروٹ کا زمانہ تھا ۱۹۲۰ء کے اواخر میں جب چار برس کی نظر بندی کے بعد رہا ہوا تو میں نے دیکھا کہ سیاسی ذہنیت اپنا پچھلا سانچہ توڑ چکی ہے اور نیا سانچہ ڈھل رہا ہے۔ میں اپنے ہم مذہبوں کو یاد دلاؤں گا کہ میں نے ۱۹۱۲ء میں جس جگہ سے انہیں خطاب کیا تھا آج بھی میں اسی جگہ کھڑا ہوں۔ میں اس تمام عرصے میں ان سے کہتا رہا ہوں اور آج بھی ان سے کہتا ہوں کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے لئے وہی ایک راہ عمل ہو سکتی ہے۔ جس کی میں نے ۱۹۱۲ء میں انہیں دعوت دی۔ (۲۹)

۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا دعوت دی تھی اس کا سطور بالا میں ذکر ہوا ان جملہ اقتباسات سے مولانا آزاد کی ہندوؤں سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ترک موالات کی فرضیت کو ارکان اسلام کی نص قطعی سے ثابت کرتے ہیں چونکہ وہ اپنے کو مجتہد اور امت مسلمہ کا قائد سمجھتے ہیں اس لئے کسی کی حرف گیری پر دھیان نہ دیتے۔ ہندو، مسلم اتحاد اور ترک موالات سے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد کے قائدانہ کردار نے کتنے گل کھلائے اور کہاں کہاں انہیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کی ایک طویل داستان ہے۔ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے یہاں مسلم کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور سے متعلق ذکر ضروری سمجھوں گا جسے نیست و نابود کرنے کا مولانا آزاد نے ایک مستحکم منصوبہ بنا لیا تھا۔ گاندھی جی کے ایماء پر اس کالج کو تہس نہس کرنے کے لئے آزاد کے ساتھ مولانا محمود الحسن بھی تھے ان حضرات نے مقصد میں کامیابی کے لئے ہزارہا کوششیں کر ڈالیں مگر کوئی کوشش بارآور نہ ہوئی۔ علمائے دیوبند نے اس کالج کی مخالفت کو عین اسلام اس لئے قرار دیا تھا کہ اس میں عصر حاضر کی تعلیم کا بندوبست ہے۔ جب کہ بعض حضرات

کھلے طور پر اس کی حمایت میں تھے الغرض مولانا محمود الحسن کے فتاوے، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کی تقریریں آخر میں رنگ لائیں۔ ہوا یہ کہ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی مجاہدین اسلام کی ایک عظیم فوج نے علی گڈھ کالج پر ہلہ بول دیا وہ تو کہئے کہ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے اپنی بلند ہمتی اور عظیم مساعی کا مظاہرہ کیا اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے تو کالج کے شکست وریخت کا جو منظر نگاہوں کے سامنے ہوتا وہ ملت اسلامیہ کیلئے ایک زبردست المیہ ہوتا" (۳۰)

جب مولانا ابوالکلام آزاد کا حملہ علی گڑھ کالج پر ناکام ہو گیا تو پھر اسلامیہ کالج لاہور پر ہلہ بولنے کی مہم ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد ۲۰/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے وہاں انہوں نے کالج کے اراکین کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کچھ تو ان کے دام تزویر میں پھنس گئے اور کچھ نے ان کے نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مولانا آزاد کا کہنا تھا کہ ترک موالات کے لئے ضروری ہے کہ سرکار برطانیہ سے جو امداد ملتی ہے بند کی جائے اور یونیورسٹی سے کالج کا الحاق بھی ختم کیا جائے کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ان دونوں صورتوں میں موالات کا ارتکاب ہوگا (۳۱)

مولانا آزاد نے جب کالج کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا تو انجمن حمایت اسلام کے سکریٹری نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ وہ علماء، جو مسٹر گاندھی کے حلقہ اثر سے باہر ہوں اور اعلائے کلمۂ حق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو ان سے رجوع کیا جائے اور اس کا صحیح جواب منگایا جائے، سکریٹری نے اس کام کی ذمہ داری پروفیسر حاکم علی کے سپرد کی جنہوں نے ترک موالات کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہوئے ایک فتویٰ ترتیب دیا پھر اس کی تصدیق وتصحیح کے لئے درج ذیل خط کے ساتھ امام احمد رضا قادری کے پاس بریلی ارسال کر دیا۔

آقائے نامدار، موئد ملت طاہرہ، مولانا وبالفضل اولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب دام ظلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشت ہٰذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس بروز اتوار ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہونا قرار پایا ہے اس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کر لی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑا اٹکانے کی ٹھان لی ہے اور عالم حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

نیاز مند دعا گو حاکم علی بی اے موتی بازار لاہور

۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۰ء (۳۲)

امام احمد رضا قادری نے اس فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے لکھا۔

"الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا۔ مگر یہ عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب سے ہوگا نہ بربنائے تحریم مطلق معاملت جس کے لئے شرع میں اصلاً اصول نہیں" (۳۳)

فتویٰ مبسوط ہے قرآن واحادیث کے دلائل سے مزین ہے۔ آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد کی علمیت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"امداد کی تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے وہ بھی یہیں کا ہے تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع اپنا لینا ممنوع اس الٹی عقل کا کیا علاج مگر اس قوم سے کیا شکایت جس نے نہ صرف اسلام بلکہ

نفس اسلام کو پلٹ دیا مشرکین سے وداد واتحاد بلکہ غلامی وانقیاد فرض کیا خوشنودیٔ ہنود کے لئے شعائر اسلام بند اور شعائر کفر کا ہاتھوں پر علم بلند مشرکین کی جے پکارنا ان کی حمد کے نعرے مارنا انہیں اپنے پاس حاجت دینی میں جسے نہ صرف فرض بلکہ مدار ایمان ٹھہراتے ہیں یہاں تک کہ اس میں شریک نہ ہونے والوں پر حکم کفر لگاتے ہیں'' (۳۴)

امام احمد رضا قادری کی اس تصدیق کو مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درج ذیل مکتوب گرامی کے ہمراہ پروفیسر مولوی حاکم علی کی جناب میں ارسال کیا ہے۔

مکرم، کرم فرما مولوی حاکم علی صاحب بی اے سلمہم

بعد اہدائے ہدیہ مسنونہ! ملتمس کل گیارہ بجے آپ کا فتویٰ آیا۔ اس وقت سے شب کے بارہ بجے تک اہم ضروریات کے سبب ایک حرف لکھنے کی فرصت نہ ہوئی۔ آج صبح بعد وظائف یہ جواز ارقام فرمایا امید ہے کہ فتاویٰ کی نقل کے بعد آج ہی کی ڈاک سے مرسل ہو اور مولیٰ تعالیٰ قادر ہے کہ کل آپ کو پہنچ جائے ماموں کے وقت پر وصول سے مطلع فرمائیں۔

والسلام

فقیر مصطفےٰ رضا قادری نوری عفی عنہ

۱۵ر صفر المظفر ۱۳۳۹ھ (۳۵)

موالات سے متعلق دیگر تفصیلات تو حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری کی اصل کتاب "الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ" میں دیکھی جا سکتی ہے تاہم اتنا مسلم ہے کہ مولانا احمد رضا خاں تمام دشمنان اسلام سے نفرت کرتے تھے اس بارے میں ان کی عداوت اظہر من الشمس تھی انہوں نے نہ ہندوؤں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھا اور نہ نصاریٰ

ویہود کے لئے وہ فرماتے ہیں مولات ہر کافر سے حرام ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

''موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگر چہ ذمی مطیع اسلام ہو اگر چہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب ہو قال اللہ تعالیٰ لاتجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولوکانوا آبائھم او ابنائھم او اخوانھم او عشیرتھم '' (۳۶)

(تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں'')

موالات کی دو قسمیں ہیں۔

اول حقیقیہ : جس کا ادنیٰ رکن یعنی میلان قلب ہے پھر وداد پھر اتحاد پھر اپنی خواہش سے بے خوف و طمع انقیاد پھر تبتل یہ بجمیع وجوہ ہر کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (۳۷)

دوم صوریہ : کہ دل اس کی طرف مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت ومیلان کا پتا دیتا ہو یہ بحالت ضرورت ومجبوری صرف بقدر ضرورت ومجبوری مطلقاً جائز قال اللہ تعالیٰ الا ان تتقوا (۳۸) بقدر ضرورت یہ کہ مثلاً صرف عدم اظہار عداوت میں کام نکلتا ہو تو اسی قدر اس پر اکتفا کرے اور اظہار محبت کی ضرورت ہو تو پہلو دار بات کہے صرح کی اجازت نہیں اور بے اس کے نجات نہ ملے اور قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس کی رخصت اور اب بھی ترک عظیمت۔

صوریہ : کی اعلیٰ قسم مداہنت ہے اس کی رخصت صرف بحالت مجبوری واکراہ ہی ہے اور ادنیٰ قسم مدارات یہ بھی بہ مصلحت جائز (۳۹)

قرآن حکیم کی روشنی میں مولانا احمد رضا خاں قادری کا ماننا تھا کہ سب کافروں سے غلظت وقتال کا حکم ہے اگر چہ محارب بالفعل نہ ہوں محارب بالفعل کی تخصیص منسوخ ہوگئی ہے تمام ہنود محارب بالفعل ہیں گاو ٔ کی قربانی پرلڑے، مسجدوں کومٹی کا تیل ڈال کر جلایا گیا، قرآن پاک کے اوراق پھاڑے گئے اور جلائے، اور ابھی ماضی قریب میں جو کچھ مسلمان عورتوں بچوں بوڑھوں اور نوجوانوں کے ساتھ جوا ہوا اس کے تصور سے ہی کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے ہندو اور مسلمان کو ایک ساتھ رہتے زمانہ گذر گیا مگر مسلمانوں کے خلاف جو ہندوؤں کے دلوں میں نفرت رچی بسی ہے وہ نکلنے کا نام نہیں لیتی ہے مولانا احمد رضا قادری فرماتے ہیں۔

اب بھی آزما کر دیکھو اپنی مذہبی قربانی کے لئے گائے پچھاڑو اسی وقت یہی تمہاری بائیں پسلی کے نکلے یہی تمہارے سگے بھائی یہی تمہارے منھ بولے بزرگ یہی تمہارے آقا یہی تمہارے پیشوا تمہاری ہڈی پسلی توڑنے کو تیار ہوتے ہیں یانہیں۔

اور آگے مزید یہ بھی لکھتے ہیں۔

گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ (۴۰)

حضرت مولانا احمد رضا قادری ہنود ویہود اور نصاریٰ سب کو برابر دشمن اسلام ومسلمین سمجھتے تھے اور ان تینوں سے برابر نفرت کرتے تھے آپ نہ نصاری ویہود کے ایجنٹ تھے اور نہ ہنود سے اچھی توقع رکھتے تھے وہ غیر مسلموں سے اس حد تک نفرت وعداوت رکھتے تھے کہ ان سے اس طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ کو ناپسند کرتے تھے جس سے مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کا کوئی پہلو نکلتا ہو اور غیر مسلموں کی عزت کا آپ نے اس بارے میں کئی عنوانات قائم فرما کر بڑی تحقیق اور تفصیل سے بحث کی اس تعلق سے جو آپ نے عناوین قائم کئے وہ اس طرح ہیں۔

۱۔ نصاریٰ ویہود سے اور ہنود سے استعانت حرام ہے۔

۲۔ کافروں کی تعظیم حرام۔

مولانا احمد رضا قادری فرماتے ہیں۔

کافر کی تعظیم حرام ہے۔ اسے بعض مسلمانوں پر کوئی عہدہ ومنصب دینا جس میں مسلم پر استعلا ہو مثلاً مسلمان فوج کے کسی دستے کا افسر بنانا یہ بھی حرام ہے۔

۳۔ برادر بنانا حرام۔

مشرکوں کا برادر بنانا حرام ہے بلکہ آپ کی بعض تحریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر ہے۔ فرماتے ہیں۔

''مشرکین سے عقد مواخات، بھائی چارہ، کہ برادر وطن ''ہندو بھائی'' اللہ عزو جل فرمائے انما المومنون اخوۃ (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) تم کہو نحن ولمشرکون ای لہندو لک لخوۃ'' ہم اور مشرکین (یعنی ہندو) آپس میں بھائی بھائی ہیں) یعنی'' الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانھم الذین کفروا من اھل الکتاب (۴۱) کیا تم نہ دیکھا منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے بھائیوں کافر کتابیوں سے کہتے ہیں'' وہاں من اھل الکتاب تھا، یہاں اس سے بڑھ کر من المشرکین ہوا۔(۴۲)

۴۔ کافروں یعنی غیر مسلمین سے اتحاد کفر

مولانا احمد رضا قادری لکھتے ہیں۔

'' کافروں سے اتحاد کرنے والے بحکم قرآن کافر ہیں۔ قرآن کریم میں بیس سے زیادہ آیات ہیں جس میں صاف صاف ارشاد فرمایا کہ ایسا کرنے والے اسی میں سے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ ومن یتولھم منکم فانہ منھم (۴۳) اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی

رکھے گا تو وہ انہی میں سے ہے ۔

۲۔ لا تجد قوماً یو منو ن باللّٰہ والیوم آاخر یوادون من حاد اللّٰہ ورسولہ (۴۴) تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔

۳۔ ولو کانوا یو منون باللّٰہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء (۴۵) (اگر وہ ایمان لاتے اور نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے)۔

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتی۔

" یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دو نکم لا یا لونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھم وماتخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون (۴۶)

(اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو)

یہ ہے اس بحث کا اختصار جسے امام احمد رضا قادری نے قرآن واحادیث اور اقوال صحابہ وائمہ کی روشنی میں سو صفحات پر مشتمل " الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ " نامی رسالہ میں بیان فرمایا ہے۔ ان کی اس تحریک کی مخالفت کا مقصد اہل ہنود کے عزائم کا قلع قمع تھا کیوں کہ بقول ڈاکٹر مطلوب حسین قریشی :

" ترک موالات کا مقصد بظاہر حکومت برطانیہ سے عدم اعتماد کا اظہار و عدم تعاون تھا لیکن در پردہ ایسے حالات پیدا کرنا تھا جن کی وجہ سے مسلمان تمام چیزوں سے

محروم ہو جائیں اور ہر جگہ ہر محکمہ میں صرف اہل ہنود باقی رہ جائیں'' (۴۷)

جو لوگ ترک موالات کے حامی ہیں جس میں پیش پیش مولانا ابوالکلام آزاد تھے وہ آیہ کریمہ قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ "(۴۸) (اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا وہ تم سے لڑتے ہیں) میں کافہ سے مراد دو فقرے لیتے تھے۔

اول یہ کہ ہنود میں مقاتل فی الدین صرف وہی ہیں جنہوں نے وہ مظالم کئے تو مقاتل نہیں مگر مقاتل بالفعل جس نے ہتھیار اٹھایا اور قتال کو آیا تا کہ عامہ ہنود کو قاتلوکم فی الدین سے بچالیں۔

دوم یہ کہ جو مقاتل بالفعل نہیں اس سے اظہار عداوت فرض نہیں تا کہ بزور زبان ان سے وداد و اتحاد کی راہ نکالیں۔ اب آیہ کریمہ میں چار احتمال ہیں۔

اول: دونوں کافہ مسلمانوں سے حال ہوں یعنی تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں۔

دوم: دونوں مشرکین سے حال ہوں یعنی مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔

سوم: پہلا کافہ مشرکین سے حال ہو اور دوسرا مومنین سے حال ہو یعنی تم بھی سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں یہ قول عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔

چہارم: اس کا عکس یعنی سب مسلمان مشرکوں سے لڑیں جس طرح سب مشرک مسلمانوں سے لڑتے ہیں کبیر میں اسی کو ترجیح دی اور لباب میں اسی پر اقتصار کیا'' (۴۹)

مولانا آزاد اور ان کے دوسرے ہمنواؤں نے جو قرآنی آیات کی تشریح کی ہے اور جس سے اپنا موقف ثابت کیا ہے۔ ان میں یہ آیت کریمہ بھی ہے۔

" لا ينهاكم اللہ عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من ديارکم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان اللہ يحب المقسطين (۵۰)

(اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جوتم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو بے انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں)

تحریک ترک موالات کے علمبردار علماء کے نظریات قرآن واحادیث کے علاوہ اقوال صحابہ وائمہ سے بھی متصادم تھے۔ اس لئے امام احمد رضا قادری کے علاوہ ان کے خلفا وتلامذہ نے اس نظریہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ اس کی بیخ کنی کے لئے اپنی صلاحیتوں کو داؤ پر لگا دیا۔ جس میں انہیں کافی حد تک کامیابی بھی ملی۔

مولانا ابوالکلام آزاد جن غیر مسلموں سے اتحاد کی بات کر رہے تھے ان کے نزدیک مسلمانوں کی حیثیت یہ تھی۔

۱۔ مسلمانوں کی مذہبی یا دیگر رسوم میں شرکت نہ کی جائے۔

۲۔ اپنے یہاں کی رسوم میں مسلمان باجہ بجانے والوں کو نہ بلایا جائے۔

۳۔ مسلمانوں سے تجارتی لین دین نہ کریں۔ خصوصاً مسلمانوں سے مال خریدنے سے محترز رہیں۔

۴۔ آراضی کی کاشت صرف ہندوؤں سے کرائی جائے۔

۵۔ قرضہ کے لین دین میں مسلمان ساہوکاروں یا اسامیوں سے معاملہ طے نہ کیا جائے۔

۶۔ کوئی وکیل کسی مسلمان کا مقدمہ نہ لے۔

۷۔ تعزیہ یا دیگر رسومات اہل اسلام میں مالی مدد نہ کی جائے۔

۸۔ مسلمانوں کے ہاتھ کوئی جانور فروخت نہ کیا جائے۔

۹۔ کسی کی تعمیر یا کسی اور غرض کے لئے زمین مفت نہ دی جائے اور نہ فروخت کی جائے۔

۱۰۔ کسی خانگی کام کے لئے مسلمانوں کو ملازم نہ رکھا جائے۔

۱۱۔ مسلمانوں کا مذبوحہ نہ خریدا جائے۔

۱۲۔ مسلمان فقیروں کو کسی قسم کی خیرات نہ دی جائے کیوں کہ اس سے فقیر اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔

۱۳۔ مسلمان حکیموں سے ہندو دوا نہ لیں اور ہندو وید یا ڈاکٹر مسلمانوں کو دوا نہ دیں۔

۱۴۔ اگر صرف مسلمان پیشہ ور ہوں تو ان پیشوں کی ہندو کو تعلیم دی جائے۔ (۵۱)

مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو امام احمد رضا قادری کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ انہوں نے جس بے باکانہ انداز میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے حوارئین کے باطل نظریات کی بخیہ دری کی ہے اس سے ان کی علمی عبقریت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے شروع میں انہوں نے جو موقف اختیار کیا تادم زیست اسی پر اٹل رہے اور مرور ایام کے ساتھ ان کی صداقت شعاری آشکار ہوتی گئی پروفیسر رشید احمد صدیقی رقم طراز ہیں۔

> ''مرحوم (سید سلیمان اشرف) نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم رہے'' (۵۲)

خلافت اور ترک موالات دونوں سے متعلق انہوں نے طویل بحث کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ہم اپنے مذہب میں ہندوؤں سے اتحاد نہیں کر سکتے ہیں۔ مقامات مقدسہ خلافت اسلامیہ کے مسائل سے اختلاف نہیں، اختلاف ان حرکات سے ہے جو منافی دین ہیں۔

مولانا سید سلیمان اشرف نے پھر تجزیہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کیا امور ہیں جو اس تحریک میں منافیٔ دین ہیں اور ان پر شریعت کی طرف سے کیا حکم صادر ہونا چاہیئے؟ ''تمام ابحاث کا خلاصہ یہ ہوا'' کی سرخی کے تحت لکھتے ہیں۔

۱۔ کافر سے دلی دوستی اور قلبی محبت کفر ہے۔

۲۔ دل میں کافر کی دوستی نہیں لیکن عمل دوستوں کے مانند و مثل یہ حرام ہے۔

۳۔ قلب محبت کفر و کفار سے پاک ہے بلکہ بیزار لیکن کافر کے مذہبی اعمال میں عملاً شرکت کی جائے یہ حرام ہے۔

۴۔ کافر کے دین کی حمایت حرام ہے۔

۵۔ کافر کی ایسی مدد کرنا جس سے دین اسلام کا یا مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے۔

۶۔ کافر سے ایسی مدد لینا جس میں اپنے دین یا اپنے دینی بھائیوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے۔

۷۔ مدارات فعل جمیل، عمل معروف، برّ و احسان اور عدل و انصاف ہر حال میں جائز ہیں بلکہ بعض کفار کے ساتھ احسن و انسب۔

۸۔ دنیاوی کاروبار و لین دین ہر کافر حربی و غیر حربی سے جائز کسی وقت بھی حرام نہیں۔

۹۔ ان احکام میں کفار ہند اور کفار یوروپ سب مساوی ہیں بجز اس کے کہ کفار اہل کتاب کا کھانا کھانا اور نکاح میں کتابیہ عورت کا لانا بموجب حکم قرآن پاک مباح و جائز ہے۔ اس کے سوا جملہ احکام شرعیہ کفار اہل کتاب و کفار غیر اہل کتاب دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ (۵۳)

امام احمد رضا قادری کی زندگی میں متعدد سیاسی مسائل ابھر کر سامنے آئے اگر وہ

شریعت اسلامیہ سے متصادم تھے تو اسے انہوں نے قطعاً برداشت نہیں کیا اور جس طرح بھی ممکن ہو سکا اس کی مخالفت کی جس کے سبب اپنے تو اپنے انصاف پسند معاندین بھی ان کی مدح میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی سابق وزیر وفاقی حکومت پاکستان کا تبصرہ یہاں برمحل ہو گا وہ فرماتے ہیں۔

"تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، تحریک خلافت اور ایک اور بحث کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب ان سارے موضوعات پر جو امام احمد رضا کا نقطۂ نظر تھا ہر چند کہ اس پر گرد اڑائی جارہی ہے۔ لیکن علمی سیاست کے تقاضوں سے جس قدر ہم آہنگ اور دینی اقدار کی ترجمانی سے جس قدر نزدیک اور حقیقت پر مبنی ان کا موقف ہے کسی اور کا نہیں، تحریک ترک موالات میں جب قائدین کانگریس نے یہ صدا دی کہ انگریز کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ختم کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ صرف انگریز سے ہی کیوں ہندو سے کیوں نہیں؟ ہر مشرک اور تمام کافر کے بارے میں ترک موالات کا وہی حکم ہے جو انگریز کے بارے میں ہے پھر ہندو کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف یہ تحریک چلانا گاندھی کی آندھی میں گرفتار ہونے کے مترادف تھا۔ اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) نے جو اس سلسلہ میں سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے وہ حقیقتاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے عین مطابق تھا" (۵۴)

تحریک ترک موالات کو من وعن تسلیم کر لینے میں کتنی شرعی قباحتیں تھیں اور اس سلسلہ میں علمائے حق کا رجحان کیا تھا؟۔ اس کی صراحت ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم سابق پروفیسر شعبہ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اس طرح کی ہے۔

"ان کا خیال تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ شعائر دینی جیسے قربانی گاؤ کو ختم کیا جارہا ہے۔ اصل مقصد خلافت کی حفاظت نہیں سوراج ہے اور چونکہ ملک کی

اکثریت ہندوؤں کی ہے لہٰذا سوراج کا مطلب ہندوراج ہوگا۔ خلافت مذہبی تحریک ہے تو اس کی قیادت ایک مشرک کے سپرد کیوں کی گئی ہے؟۔ مشرک کو منبر رسول پر کیوں بٹھایا گیا؟۔ کیوں مسلم لیڈروں نے قشقہ لگوایا اور مشرک کی ٹکٹکی اٹھائی؟۔'' (۵۵)

لیکن بعض علمائے حق جس میں بدایوں اور فرنگی محل لکھنؤ کے علماء پیش پیش تھے ان تحریکوں کا ساتھ دیا اور ہر طرح گاندھوی سیاست کی تائید کی۔ امام احمد رضا قادری نے ایسے علماء کا تعاقب کیا جو سنی علماء امام احمد رضا قادری کے قلم کا نشانہ بنے ان میں مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر گاندھی کے ہم نوا تھے ترک موالات میں ان کا وہی نظریہ تھا جس کے علمبردار گاندھی جی تھے۔ ایک عرصہ تک انہوں نے اسی نظریہ کی اشاعت بھی کی جب کہ امام احمد رضا قادری کو ان کے اس نظریہ کا علم ہوا تو انہوں نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے پاس کئی خطوط ارسال کئے جس میں ترک موالات کو تسلیم کر لینے سے جو شرعی قباحتیں لازم آتی تھیں اس کی طرف اشارہ تھا۔ حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ مولانا عبدالباری جو اسرار علوم قرآنی کے ماہر تھے اور مذہبیات پر گہری نظر بھی رکھتے تھے۔ تحریک ترک موالات سے کیوں متاثر ہوئے اور کس طرح مولانا ابوالکلام آزاد مسٹر گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بہر حال امام احمد رضا قادری کی مسلسل خط و کتابت کے بعد ان کے سامنے حق آشکار ہو گیا اور وہ گاندھی جی کی اس تحریک سے قطع تعلق ہو کر امام احمد رضا قادری کے افکار و نظریات کی تائید کرنے لگے۔ مولانا کوثر نیازی رقمطراز ہیں۔

''جب ہر طرح حق آشکار ہو گیا تو انہوں نے اعتراف جرم میں تساہلی نہیں برتی اور ترک موالات سے اپنی توبہ کا اعلان شائع کر دیا اس توبہ نامہ میں درج ذیل

عبارت درج تھی۔

"مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ مجھے ان پر ندامت ہے زبانی تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے ہیں جنہیں میں نے گناہ تصور نہیں کیا تھا لیکن مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابل مواخذہ خیال کرتے ہیں۔ان میں سب سے میں رجوع کرتا ہوں جن کے لئے پیشروؤں کا کوئی فیصلہ یا نظیر موجود نہیں ان کے بارے میں میں مولانا احمد رضا خاں کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں (۵۶)

علی برادران کے پیر و مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے ترک موالات کی حمایت پر مولانا احمد رضا خاں قادری نے جو مراسلت کی اس میں کچھ اشعار بھی تھے جس میں حالات حاضرہ کا بھرپور جائزہ ہے اور اس تحریک کے قائدین پر کڑی تنقید بھی جن اشعار میں مولانا ابوالکلام آزاد کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔اس میں درج ذیل اشعار خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

دانی چہ کرد ابو الکلام آزاد ‏ آزاد ز دیں وشرع واسلام ورشاد
بستودہ صفات وپاک ذاتش گفتہ ‏ در خطبہ جمعہ حمد گاندھی بنہاد
دانی چہ شد ابو الکلامت معلم ‏ گفتا من بہر ہندوم مستسلم
گر بر ہندو گزندے آید ز افغاں ‏ بر یک ہندو فدا کنم دہ مسلم
دانی چہ گفت ابو الکلام رخ زرد ‏ عیسیٰ نہ نبی بود ونہ شرعے آورد
برادر کشیدند و یہودش کشتند ‏ بنگر کہ بحرف حرف قرآں رد کرد

امام احمد رضا قادری کے ان اشعار کا کوئی نہ کوئی پس منظر اور حقیقت ضرور ہے کچھ

اشعار تو اس پس منظر میں ہیں جو ابوالکلام آزاد نے ناگ پور خلافت کانفرنس میں گاندھی کی تعریف میں کہے تھے، اخبار" زمیندار " اور اخبار" تاج "جبل پور میں ص ۱۰۸ کی صراحت کے مطابق انہوں نے خلافت کانفرنس کے پنڈال میں جمعہ پڑھایا اور خطبے میں گاندھی جی کی صداقت وحقانیت پر قسمیں کھائیں اور الہٰ آباد کے ایک جلسہ عام میں کرسی صدارت سے اعلان فرمایا کہ:

مقامات مقدسہ کا فیصلہ اگر چہ ہمارے حسب دل خواہ بھی ہو جائے تب بھی اس وقت تک چین نہ لیں گے جب تک گنگا اور جمنا کی مقدس سرزمین کو آزاد نہ کرالیں گے"(۵۸)

ان اشعار کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا آسان ہو گیا ہو گا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے دل میں مسلمانوں کے لئے کس درجہ ہمدردی تھی ہمارے خیال سے اگر انہیں امت مسلمہ سے واقعی الفت ومحبت ہوتی تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے۔

"اگر کسی ہندو کو افغان سے کوئی تکلیف پہنچی تو میں ایک ہندو کی خاطر دس مسلمانوں کا خون بہانا روا سمجھوں گا۔"

یہ تھی قوم کے سچے ہمدرد کی مخلصانہ سچی ہمدردی کی باتیں جنہیں ان کے متبعین آج "امام الہند" کہہ کر خراج تحسین وعقیدت پیش کرتے ہیں۔

مگر ان ابن الوقتوں کے برخلاف امام احمد رضا قادری نے مولانا ابوالکلام کی سیاسی زندگی کو مدنظر رکھ کر حقائق ومعارف کی روشنی میں جو نظریہ قائم کیا تھا وہ صدفی صد صحیح اور مبنی برحقیقت تھا"

آزاد مگر نہ ُتو بے شک مشرک   دہ مسلم می دہی پئے یک مشرک
زاسلامت اگر بہرہ بدے میکردے   بر ناخن مسلمے فدا لک مشرک (۵۹)

تحریک خلافت جس کے زیر سایہ تحریک ترک موالات کی نشوونما ہوئی امام احمد رضا

قادری نے اس تحریک سے متعلق بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور جو لوگ اس تحریک میں پیش پیش تھے ان پر کڑی تنقیدیں کی ہیں۔ دوام العیش فی الأیمة من قریش تحریکخلافت کے باطل اصولوں کی تردید میں معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ کتاب کی تیسری فصل مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالہ خلافت کے مندرجات پر تنقید اور ان کی سیاسی اور قیاسی لغزشوں پر گرفت کے لئے خاص ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد بزعم خویش میدان سیاست کے شہ سوار اور بحر علم وادب کے درآبدار تھے مگر امام احمد رضا قادری کے نزدیک ان کا علمی مقام کیا تھا اس کا اندازہ درج ذیل عبارت سے لگایا جاسکتا ہے۔ وہ مولانا عبدالباری کو تو علماء میں شمار کرتے تھے مگر مولانا ابوالکلام آزاد کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مولانا آزاد کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

''کسی پرچۂ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث وفقہ کا سمجھنا اور، وہ من کا ترجمہ سے ''اور'' الیٰ'' کا ترجمہ تک کرلینے سے نہیں آتا'' (۶۰)

مولانا ابوالکلام آزاد کو اگر مذہب کا درک ہوتا تو سیاست میں وہ اس درجہ نہ بھٹکتے اور زبان وقلم سے وہی کہتے جو قرآن وحدیث کے مطابق ہوتا۔ ان کی اسی علمی سطحیت کے پیش نظر امام احمد رضا قادری انہیں ''مسٹر'' کہا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ کہاں تک حق بجانب تھے اس کا صحیح اندازہ اسی وقت ممکن ہوگا جب مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح امام احمد رضا قادری کی شخصیت کو پڑھا جائے اور ریسرچ وتحقیق کے لئے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو موضوع بنایا جائے۔

امام احمد رضا قادری کا مولانا ابوالکلام آزاد سے کوئی موازنہ نہیں شاید اسی لئے انہوں نے کبھی کسی معاملے میں آزاد کو اپنے منہ نہ لگایا۔ ان کے تلامذہ ہی مولانا آزاد کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے کافی تھے۔ چنانچہ جمعیت العلماء کانفرنس بریلی جس کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے اس کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر سرزمین بریلی پر ایک

ہنگامہ تھا۔ ۱۲/۱۳/۱۴/ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۲/۲۳/۲۴/ مارچ ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد کی صدارت میں بریلی کی سرزمین پر منعقد ہونے والی کانفرنس کو اہل بریلی کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔ اس کانفرنس میں جماعت رضائے مصطفےٰ کے کارکنان بھی شریک ہوئے جس میں صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، رئیس المتکلمین مولانا سید سلیمان اشرف اور حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید سلیمان اشرف نے قیادت اور ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس کانفرنس کے انعقاد کے کوئی ساڑھے سات ماہ بعد ۲۵/ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا قادری کا اپنے محبوب حقیقی سے وصال ہوا۔ لیکن مولانا آزاد کے دست راست اور معتمد خاص عبدالرزاق ملیح آبادی نے فاضل بریلوی سے متعلق جو تاریخ اور واقعہ گڑھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔

> ''کلکتہ سے مولانا کے ساتھ بریلی میں بھی پہنچا۔ رات کو اجلاس تھا مگر شام ہی سے خبریں آنے لگیں کہ کانفرنس نہیں ہونے پائے گی احمد رضا خاں تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں مگر ان کے صاحبزادے حامد رضا خاں تو موجود ہیں (۶۱)

یہ عبدالرزاق ملیح آبادی کی کذب بیانی کی ایک مثال تھی اس سے پہلے وہ اور بھی اتہام مولانا احمد رضا قادری پر لگا چکے تھے جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ فاضل بریلوی ایمان ابوطالب کے قائل تھے۔

۲۔ فاضل بریلوی نے شیخ دحلان علیہ الرحمہ کے خلاف کوئی کتاب لکھی تھی۔ فاضل بریلوی تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت کے اس لئے مخالف تھے کہ انگریزوں کے مفاد میں نہ تھیں۔

۳۔ فاضل بریلوی اپنے اور اپنے معتقدین کے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کو (معاذاللہ) بقول ملیح آبادی کے کافر بلکہ ابوجہل سے بڑھ کر اکفر جانتے۔ (۶۲)

مولانا ابوالکلام آزاد کے معتمد خاص کا یہ بیان پڑھنے کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ خط بھی پڑھیے جو انہوں نے کانفرنس کے دوران امام احمد رضا قادری کی بارگاہ میں ارسال کیا تھا تا کہ امام احمد رضا قادری کے موت وحیات کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بریلی ۱۳/رجب ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''مسئلہ تحفظ وصیانت خلافت اسلامیہ، ترک موالات واعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور ہیں۔
چونکہ جمعیۃ العلماء کا جلسہ یہاں منعقد ہو رہا ہے اور یہی مسائل اس میں زیر نظر وبیان ہیں اس لئے جناب کی توجہ دلاتا ہوں کہ رفع اختلافات اور مذاکرہ ونظر کا یہ مناسب وبہتر موقع پیدا ہو گیا ہے۔ جناب جلسہ میں تشریف لائیں اور ان کے مسائل کی نسبت بطریق اصحاب علم وفن گفتگو فرمائیں۔ میں ہر طرح عرض وگزارش کے لئے آمادہ ومستعد ہوں۔

فقیر ابوالکلام احمد کان اللہ لہ (۶۳)

اب آپ انصاف سے بتائیں کہ ایسے مورخ جنہیں حقائق ومعارف کا قطعاً علم نہ ہو اس طرح کی بے سروپا باتیں لکھ کر مصنفین کی فہرست میں اپنا نام شامل کرنا اور بلاوجہ اپنی اہمیت کسی کے سر تھوپنا کہاں کی دیانت ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی اس تحریر اور ان کے معتمد خاص ملیح آبادی کے مذکورہ بیان ''احمد رضا خاں تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں تو موجود ہیں'' کے تناظر میں تبصرہ کرتے ہوئے

مولانا یس آختر مصباحی رقم طراز ہیں۔

"زندہ در گور کرنا شاید اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ خدمات جلیلہ ہیں جن کے صلے میں ایسے مورخین کو تاریخ دانی بلند نظری اور روشن خیالی کے تمغہ جات پیش کئے جاتے ہیں جو یقیناً ایک المیہ سے کم نہیں، اصحاب عدل وانصاف کی گردنیں اس پر شرم سے جھک جانی چاہئیں" (۶۴)

مولانا ابوالکلام آزاد کی رفاقت میں اڑتیس سال گزارنے والے ذکر آزاد کے مصنف عبدالرزاق ملیح آبادی کی حقائق سے غفلت کی یہ ایک مثال ہے۔ اس طرح اور بھی باتیں ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے دور کا واسطہ نہیں مگر انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

جمعیۃ العلماء کانفرنس بریلی میں ترک موالات کا مسئلہ موضوع بحث تھا اس مسئلہ سے متعلق مولانا آزاد متعدد مقامات پر اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تھے مگر اس کانفرنس میں علمائے اہل سنت کے درمیان جو انہیں ناکوں چنے چبانے پڑے وہ ناقابل بیان ہے۔ جلسہ کا باضابطہ آغاز مولانا ابوالکلام آزاد کی افتتاحی تقریر سے ہوا جس میں انہوں نے فرمایا۔

"اس جلسہ میں ایسے دوست اور بھائی بھی موجود ہیں جو ہمارے مسلک سے متفق نہیں ہیں اور یہ کوئی میری بات نہیں، نیک نیتی پر مبنی اختلاف خیال یقیناً امت مرحومہ کے لئے موجب رحمت ہے۔ لہذا میں ان بھائیوں اور دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے خیالات اور وجوہ اختلاف پوری آزادی کے ساتھ پیش کر کے ہمیں کسی نتیجہ پر پہونچنے میں مدد دیں (۶۵)

علمائے اہل سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان اشرف نے اظہار خیال فرمایا اور ایسی فصیح وبلیغ تقریر فرمائی کہ بقول عبدالرزاق ملیح آبادی۔

"رضا خانی جماعت کے ترجمان اور خطیب مولانا سید سلیمان اشرف تھے اور اس

میں کوئی شک نہیں کہ بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے۔موصوف کی تقریر نے جو بہت لمبی تھی کانفرنس کو ہلا ڈالا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب کچھ کہنا ممکن نہیں۔(۶۶)

مولانا سید سلیمان اشرف نے اپنی تقریر میں باطل کے پرخچے اڑا دیئے۔تحریک خلافت کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں ایسی دھواں دھار تقریر مولانا نے جو اس موقع سے کی شاید ہی کبھی کی ہو بقول صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی۔

''مجمع مولوی سید سلیمان اشرف کی تقریروں کو دل لگا کر سن رہا تھا۔لوگوں کو شکایت ہو رہی تھی کہ مولانا بلند آواز سے تقریر کریں یہاں تک آواز اچھی طرح نہیں پہنچتی اللہ اکبر کے نعرے لگائے جاتے تھے''(۶۷)

الغرض جوش خطابت میں مولانا سید سلیمان اشرف نے ترک موالات سے متعلق جتنی شرعی قباحتیں تھیں سب انہوں نے مولانا آزاد کی صدارت میں منعقد ہونے والے اجلاس میں مولانا کے منہ پر کہہ ڈالیں اور ببانگ دہل یہ اعلان فرمایا۔

''یہ لوگ موالات کو حکم شریعت سمجھ کر نہیں مانتے ہیں یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لئے آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔مانتے تو ہیں گاندھی کا حکم سمجھ کر یہی وجہ ہے کہ ترک موالات کے ساتھ ہنود کے ساتھ موالات فرض سمجھتے ہیں ۔آج تمام ہندوستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی صرف ترک موالات بتاتی ہے اور ہنود سے موالات نہ تنہا موالات بلکہ ان کی رضا میں فنا ہو جانا ضروری قرار دیتی ہے''(۶۸)

مولانا سید سلیمان اشرف کے انداز خطابت نے لوگوں کو اس درجہ متاثر کیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسا شعلہ بار مقرر بھی دم بخود رہ گیا۔آزاد نے جوش اور ولولہ کے ساتھ اپنی تقریر کا آغاز کیا بقول ان کے معتمد خاص عبدالرزاق ملیح آبادی۔

''اب سمندر میں طوفان آنے شروع ہو گئے ،آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے

زلزلوں نے زمین کو الٹ پلٹ کر ڈالا، ستارے ششدر رہ گئے، چاند بھی انسانی طلاقت لسانی پر مبہوت ہو کر رہ گیا" (۶۹)

مگر ملیح آبادی کے اس تاثر کے برخلاف اس مناظرہ کے عینی شاہد مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کا تاثر بالکل برعکس ہے، وہ فرماتے ہیں۔

"جس وقت ابوالکلام تقریر فرمارہے تھے میں ان کے برابر بیٹھا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ ان کا بدن بید کی طرح لرز رہا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس مقابلہ کا اثر تھا یا ان کی عادت ہی ہے" (۷۰)

بہرحال بریلی کی جمعیۃ العلماء کانفرنس اس لئے بڑی یادگار کانفرنس تھی کہ وہاں آزاد کو بڑے دشوار گذار مراحل سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ایک تاجر مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ شریک سفر تھا اس کا بیان ہے کہ :

"ابوالکلام آزاد جس وقت بریلی سے جارہے تھے۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ ان (علمائے اہل سنت) کے جس قدر اعراض ہیں حقیقت میں سب درست ہیں ایسی غلطیاں کیوں کر کی جاتی ہیں جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے" (۷۱)

عبدالرزاق ملیح آبادی نے بریلی کانفرنس کی روداد " ذکر آزاد " میں بڑے گمراہ کن الفاظ میں بیان کی ہے لکھتے ہیں کہ :

"مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ مولانا آزاد کی تقریر نے ہمیں مطمئن کر دیا ہے اور اب ہم تحریک کے مخالف نہیں رہے مولانا حامد رضا خاں اٹھے اور صاف لفظوں میں فرمانے لگے سب غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں اب ہم سب کے ساتھ ہیں (۷۲)

فاضل سوانح نگار کا یہ اتنا صریح جھوٹ ہے جس سے زبان وقلم ملوث کرنے میں

کراہت ہو رہی ہے۔ مگر ملیح آبادی اپنی اس کذب بیانی پر فخر کر رہے ہیں۔ دروغ گوئی جس کی عادت ثانیہ بن چکی ہو۔ لوح وقلم کی پرورش کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کانفرنس کی روداد کا ہر ہر لفظ از ابتدا تا انتہا مبنی بر تعصب ہے اس کذب بیانی کو سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین اصل واقعہ یہ ہے۔

''مولانا حامد رضا خاں نے ابوالکلام آزاد سے فرمایا آپ توبہ کیجئے انہوں نے کہا کس چیز سے تو آپ نے فرمایا اپنے کفریات سے یہ سن کر وہ بھوچکا رہ گئے ایک طرف سے مولانا برہان میاں اعتراض کرتے ہیں۔ ایک طرف سے مولوی حسنین رضا خاں صاحب الزام لگادیتے ہیں۔ وہ آزاد سوائے قسمیں کھانے اور اپنے اوپر لعنت کرنے اور کچھ جواب نہیں دے سکتے تھے۔ یہ تمام کاروائی کر کے مولانا حامد رضا خاں نے ان سے دستخطی تحریر چاہی انہوں (آزاد) نے روداد میں چھاپنے کا وعدہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک ہمارے ان ستر سوالات کے جواب نہ ملیں اور ہر شخص اپنے کفریات سے توبہ نہ کرے اس وقت تک ہماری آپ کی صلح نہیں'' (۷۳)

یہ تھا اصل واقعہ جسے ملیح آبادی نے حسب عادت توڑ مروڑ کر پیش کیا بہر حال معاملہ کچھ بھی ہو امام احمد رضا قادری اور ان کے تلامذہ نے باطل کی شکست وریخت کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی اور خلاف شرع محمدی ﷺ بڑی سے بڑی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جو ان کا سیاسی موقف تھا وہ اپنی جگہ درست اور اٹل تھا۔ جس دور اندیشی سے انہوں نے اس وقت کام لیا تھا آج وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے میاں عبدالرشید نے ''برطانوی دور میں برعظیم پاک وبھارت کی مسلم سیاست'' کے زیر عنوان تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے جس سے امام احمد رضا قادری کے موقف کی بھرپور تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

''تحریک ترک موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی

سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہوئی"۔ (۷۴)

امام احمد رضا قادری کی یہی وہ دور اندیشی تھی جس کے سبب وہ امت مسلمہ کی نظروں میں محبوب رہے۔ ایک بڑی جماعت نے ان کے نظریات کی تائید اور مذہبی نقطہ نظر کی تقلید کی۔ اکثر دانشوروں نے ان کی علمی عبقریت کو سراہا۔ موافقین و معاندین سب نے یکساں طور پر ان کی فقہی بصیرت کو تسلیم کیا۔ ان کے نام کی اکیڈمیاں، انجمنیں مدارس تنظیمیں قائم ہوئیں۔ متعدد عبادت گاہوں کو بھی ان کے نام منسوب کیا گیا۔ ہندو پاک ہی نہیں بلکہ علمی جامعات کے محققین و ریسرچ اسکالرز آج بھی ان کی تلاش میں سرگرداں ہیں اکثر خانقاہوں میں ان کی متصوفانہ زندگی کے چرچے ہیں جس قدر ان پر تحقیق ہوتی ہے اسی قدر ان کی علمی عبقریت کا پتا چلتا ہے۔ خدا جانے وہ کتنی خوبیوں کے مالک تھے دنیا کے ہر گوشہ میں ان کی علمی عظمت کا اعتراف کرنے والے مل جائیں گے۔ اس کے برخلاف مولانا ابوالکلام آزاد "امام الہند" بن کر برصغیر کی وسعتوں میں گم ہو گئے۔ جب انہوں نے تقلید سے انحراف کیا، آباء و اجداد کے مسلک سے روگردانی کی، تو بعد ممات ان کی تقلید کوئی کیوں کر کرے؟۔ دنیا سے رخصت ہوتے ہی وہ تغافل اور بے اعتنائی کا شکار ہو گئے۔ ان کے نام پر حکومت ہند نے مسلمانوں کی خوشنودی کے لئے اکیڈمیاں ضرور قائم کی ہیں مگر ان کی ہمہ جہت شخصیت پر وہاں کتنا کام ہو رہا ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

مصادر و مآخذ

۱۔ ہفت روزہ ''چٹان'' جلد ۱۸ شمارہ ۷ ص ۳۳ لاہور

۲۔ روزنامہ جنگ کراچی ص ۶ جنوری ۱۹۷۹ء بحوالہ گناہ بے گناہی ص ۴۳

۳۔ ہفت روزہ ''چٹان'' جلد ۱۸ شمارہ ۷ ص ۳ لاہور

۴۔ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۴۰ دہلی 1958ء

۵۔ ذکر آزاد، عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۲۱ کلکتہ ۱۹۶۰ء

۶۔ آزاد کی کہانی ابوالکلام آزاد ص ۳۶۱ دہلی ۱۹۵۸ء

۷۔ آزاد کی کہانی ابوالکلام آزاد ص ۳۶۱

۸۔ ہفت روزہ الجمعیۃ ص ۲ جنوری ۱۹۷۱ء

۹۔ ابوالکلام آزاد۔ احوال و آثار مصنفہ مسعود الحسن عثمانی ص ۵ لکھنؤ ۱۹۷۷ء

۱۰۔ الہلال، ابوالکلام آزاد ۸ر ستمبر ۱۹۱۲ء

۱۱۔ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور ص ۲۸

۱۲۔ اخبار مشرق۔ گورکھپور جلد ۱۵ ص ۱۳ جنوری ۱۹۲۱ء

۱۳۔ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست جلال الدین قادری ص ۳۲ لاہور ۱۹۸۰ء

۱۴۔ اقبال کے آخری دو سال، عاشق حسین بٹالوی ص ۱۶۴۷ اقبال اکاڈمی کراچی ۱۹۶۱ء

۱۵۔ مسلم انڈیا، کاش البرنی ص ۱۳۵ اسٹار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۴۲ء

۱۶۔ ترجمان القرآن، ابوالکلام آزاد جلد اول ص ۱۶۳

۱۷۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان، ابوالاعلیٰ مودودی ص ۹۷ لاہور ۱۹۷۰ء

۱۸۔ بیس بڑے مسلمان، عبدالرشید ارشد مکتبہ اسلامیہ لاہور ۱۹۸۳ء

۱۹۔ اشتہار منجانب یوسف کھرگ پوری مورخہ ۲۱ ر دسمبر ۱۹۲۰ء الہ آباد

۲۰۔ دوامغ الحمیر جماعت رضائے مصطفٰے ص ۲۴ مطبوعہ ۱۳۴۰ھ

۲۱۔ دوام العیش۔ امام احمد رضا قادری ص ۶۳ بریلی

۲۲۔ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، جلال الدین نوری ص ۸۰ لاہور

۲۳۔ گناہ بے گناہی، پروفیسر مسعود احمد ص ۶۵

۲۴۔ کلمۃ الحق معین الدین اجمیری دہلی ۱۹۲۱ء بحوالہ گناہ بے گناہی ص ۴۴

۲۵۔ دوام العیش، امام احمد رضا قادری ص ۶۸

۲۶۔ خطبات آزاد، مالک رام ص ۲۰۵ دہلی ۱۹۷۴ء

۲۷۔ تبرکات آزاد، غلام رسول مہر ص ۱۶۴ دہلی ۱۹۶۳ء

۲۸۔ روزنامہ لاہور ص ۳ کالم ۱ ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء

۲۹۔ الہلال مقدمہ ص ۷، ۸ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۸ء

۳۰۔ انوار رضا ص ۴۹۰ لاہور ۱۳۹۷ھ

۳۱۔ انوار رضا ص ۴۷۳

۳۲۔ الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ امام احمد رضا حاشیہ ص ۲ بریلی ۱۳۳۹ھ

۳۳۔ الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص ۵

۳۴۔ الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص ۵

۳۵۔ الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ حاشیہ ص ۳

۳۶۔ سورۂ مجادلہ آیت نمبر ۲۲

۳۷۔ سورۂ ہود آیت نمبر ۱۱۳

۳۸۔ سورہ آل عمران آیت ۲۸

۳۹۔ الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص ۳۹

۴۰۔ رسائل رضویہ (الحجۃ الممتحنۃ) ص ۲، ۱۱۷، ۱۱۸

۴۱۔سورۃ الحشر آیت ۱۱

۴۲۔الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص ۲،۱۵۱،۱۵۲

۴۳۔سورۃ المائدۃ آیت ۵۱

۴۴۔سورۃ المجادلۃ آیت ۲۲

۴۵۔سورۃ المائدۃ آیت ۸۱

۴۶۔سورۂ آل عمران آیت ۱۱۸

۴۷۔معارف رضا جلد ہفتم ص ۱۵۷ کراچی ۱۹۸۷ء

۴۸۔سورۂ توبہ آیت نمبر ۳۶

۴۹۔الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص ۳۰

۵۰۔الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص ۸

۵۱۔اخبار سودھرم مہاراشٹر، اخبار وکیل امرتسر ۶ رفروری ۱۹۳۶ء ص ۳ بحوالہ امام احمد رضا محدث بریلوی اور تحریک پاکستان ص ۵۷ لاہور ۱۹۹۶ء

۵۲۔گنجہائے گرانمایہ، رشید احمد صدیقی ص ۳۰،۳۱ لاہور

۵۳۔النور، سید سلیمان اشرف ص ۱۰۴ علی گڑھ ۱۹۲۱ء

۵۴۔مجلہ امام احمد رضا کانفرنس کراچی ص ۳۷ کراچی ۱۹۹۰ء

۵۵۔امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار سید جمال الدین ص ۲۸ دہلی ۱۹۹۱ء

۵۶۔دوقومی نظریہ کے حامی علماء ڈاکٹر اشیاق حسین قریشی ادارت خواجہ رضی حیدر و حاجی احمد مجاہد ص ۳۷ کراچی ۱۹۸۲ء

۵۷۔الطاری الداری امام احمد رضا ص ۹۱ جلد ۳

۵۸۔معارف رضا ص ۱۹۶ کراچی ۱۹۸۹ء

۵۹۔الطاری الداری امام احمد رضا جلد ۳ ص ۹۵

۶۰۔ دوام العیش، امام احمد رضا ص ۶۹

۶۱۔ ذکر آزاد، عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۱۲۲

۶۲۔ امام احمد رضا اور ابوالکلام آزاد کے افکار مرکزی بزم رضا بھیونڈی ص ۹۹ جون 1997

۶۳۔ مکاتیب ابوالکلام آزاد ص ۱۶۳ کراچی ۱۹۶۸ء

۶۴۔ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات یس اختر مصباحی ص ۴۳

۶۵۔ ذکر آزاد عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۱۲۴

۶۶۔ ذکر آزاد ص ۱۲۴

۶۷۔ دوامغ الحمیر ص ۵۶

۶۸۔ دوامغ الحمیر ص ۵۵

۶۹۔ ذکر آزاد ص ۱۲۵

۷۰۔ دوامغ الحمیر ص ۵۶

۷۱۔ دوامغ الحمیر ص ۵۷

۷۲۔ ذکر آزاد ص ۱۲۵

۷۳۔ دوامغ الحمیر ص ۵۷

۷۴۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ص ۵ مئی ۱۹۷۵ء

امام احمد رضا قادری

اور

خواجہ حسن نظامی

نظریۂ سجدۂ تعظیمی کا تقابلی مطالعہ

مصور فطرت خواجہ حسن نظامی درگاہ نظام الدین اولیاء دہلی کے صاحب سجادہ تھے اور صاحب طرز ادیب، انہوں نے نہ صرف سجدہ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ دیا بلکہ اس پر شدت سے عمل پیرا بھی تھے۔ امام احمد رضا قادری نے بدعات ومنکرات کو ختم کرنے کے لئے قلمی جہاد کیا۔ سجدہ تعظیمی کو ناجائز وحرام لکھا مگر افسوس آج ان کے مخالفین ان کے متبعین کو قبر پرست اور انہیں قبر پرستوں کا امام کہتے ہوئے نہیں تھکتے ہیں۔ قبر پرستی کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی؟ اور جن درگاہوں پر غیر شرعی رسوم پائے جاتے ہیں ان پر کن لوگوں کا قبضہ ہے؟۔ یہ مقالہ انہی حقائق ومضمرات پر مشتمل ہے۔

امام احمد رضا قادری علم وفضل اور فکر وفن کے ہمالہ تھے۔ خواجہ حسن نظامی کی بھی ذات گرامی کئی وجوہ سے یگانہ ٔ روزگار تھی۔ امام احمد رضا قادری کی ذہنی ساخت اور مذہبی پرداخت اس نہج پر ہوئی تھی کہ خلاف شرع کچھ کہنے اور کچھ لکھنے والا کتنا زبردست دانشور یا کسی عظیم خانقاہ کا سجادہ نشین ہی کیوں نہ ہو انہوں نے کبھی کسی کو معاف نہیں کیا بلکہ اسے متنبہ فرما کر اس کی اصلاح فرمائی۔ اگر وہ کسی ایک فن میں ان کا ہم پلہ تھا تو براہ راست اس کا تعاقب کر کے مواخذہ کیا۔ ورنہ وہ کسی سائل کے جواب میں فتوئی کے ذریعہ اس کی تردید فرمائی اور مذہب حق سے آگاہ کیا۔ ایسے ہی لوگوں میں مصور فطرت خواجہ حسن نظامی کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے۔

خواجہ حسن نظامی اس لئے بھی مشہور تھے کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے مرکز عقیدت شیخ المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۷۲۵ ھ) کی عظیم الشان خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ پھر ان کی مقبولیت اس وجہ سے بھی تھی کہ انہوں نے عام روش سے ہٹ کر منفرد المثال انشاء پردازی کر کے اپنی ادبی صلاحیت کا اہل علم ودانش سے لوہا منوایا تھا۔ جس کا اعتراف ارباب علم وادب نے یکساں طور پر کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے بقول :

> (خواجہ صاحب) صاحب قلم اور پاکیزگی ٔ زبان میں ''قلم کار'' کی حیثیت سے ایک فرد تھے۔ اور اس کی شہادت میں یہاں سے لے کر عالم آخرت تک دے سکتا ہوں کہ ان کا سا البیلا انشا پرداز اردو میں نہ کوئی ان کے زمانے میں پیدا ہوا اور نہ آج تک ہوا ہے۔ (۱)

یہ صاحب طرز انشا پرداز ادیب دنیائے ادب میں فضل وکمال کی چوٹی پر متمکن تھا

وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو ہمیشہ اہل ادب کی بے اعتنائیوں کا شکار رہیں اپنے مخصوص طرز فکر سے انہیں صفحہ ٔ قرطاس کی زینت بنائیں جنہوں نے ارباب علم وادب کے ذوق مطالعہ کو سکون بخشا۔ اس طرح سیکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں ان کے نوک قلم سے منصۂ شہود پر آئیں۔ متعدد مضامین اور مقالات ہند و بیرون ہند کے رسائل وجرائد اور مجلات میں شائع ہوئے۔ کئی روزنامے، سہ روزہ، ہفتہ وار، ماہنامے، اخبارات ورسائل کی اجراء آپ نے فرمائی اور ان کی ادارت کا اہم فریضہ بھی آپ نے ہی انجام دیا۔

خواجہ حسن نظامی اپنی تحریروں کی روشنی میں گوناگوں خصوصیات کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ ہندو مسلم اتحاد'' اور گنگا جمنی تہذیب کے دلدادہ ہونے کے سبب انہوں نے ایسے موضوعات پر بھی طبع آزمائی کی جو ایک مقدس آستانے کے مسند نشین ہونے کے ناطے انہیں قطعاً زیب نہیں دیتے تھے جیسے ''کرشن بیتی ' تیرتھ یاترا ' محرم نامہ'' اور ''مرشد کو سجدہ ٔ تعظیم '' وغیرہ یہی ان کی وہ تحریریں ہیں جس کے سبب مذہبی حلقہ میں ان سے متعلق نفرت وبیزاری کی ہوا چلی اور کئی مکاتب فکر نے ان پر طعن وتشنیع کے خنجر چلائے۔ چونکہ مجھے اس وقت ان کی شخصیت کا تحلیلی جائزہ مقصود نہیں اس لئے ان باتوں سے احتراز کیا جارہا ہے۔

خواجہ حسن نظامی کی شخصیت صحیح معنوں میں ہندو، مسلم اتحاد کا سنگم تھی۔ وہ صحیح معنوں میں صلح کل کے نہ صرف علمبردار تھے بلکہ موجودہ زمانہ میں سیکولرازم کی سچی مثال بھی تھے۔ اگر ایک طرف انہوں نے سجادہ نشینی کے اہم منصب پر جلوہ افروز ہوکر رشد وہدایت کا اہم فریضہ انجام دیا تو دوسری طرف ''کرشن بیتی'' لکھ کر اور ہندو تیرتھ استھانوں کی یاترا کر کے ہندو دھرم سے محبت اور لگاؤ کا وافر ثبوت فراہم کیا۔ ۱۹۰۵ء میں جب انہوں نے سادھوؤں اور سنتوں کا لباس پہن کر ہندو تیرتھ استھانوں کی یاترا کی تو حلقہ ٔ اسلام میں ایک ہل چل سی مچ گئی اور علمائے ملت اسلامیہ نے اس تیرتھ یاترا پر کفر کا فتویٰ صادر کردیا اس تیرتھ یاترا کی

روداد انہوں نے کتابی شکل میں ضرور مرتب کی مگر فتویٰ کفر کا شکار ہونے کی وجہ سے میری معلومات کے مطابق وہ روداد شائع نہ ہو سکی۔

خواجہ صاحب اپنی قلمی صلاحیت کی بنیاد پر عوام وخوص کے علاوہ ارکان حکومت ہند کے بھی مقربین میں سے تھے۔ جس کے باعث ۱۹۴۶ء میں ارکان حکومت نے انہیں "شمس العلماء" کے اہم خطاب سے سرفراز کیا۔ ارباب علم وادب کے حلقہ سے "مصور فطرت" کا خطاب انہیں بہت پہلے مل چکا تھا۔ یہ سب کچھ اعلیٰ دل ودماغ رکھنے کی وجہ سے ہوا۔ بقول پروفیسر عنوان چشتی :

> ''خواجہ حسن نظامی کا دماغ اچھے فن کار اور دل سچے صوفی کا تھا ان کی آنکھ مصور کی آنکھ تھی انہوں نے ان سب صلاحیتوں سے اپنے فن کی صورت گری میں خوب کام کیا ہے اس لئے ان کی تحریروں میں ہم جس خواجہ حسن نظامی سے ملتے ہیں وہ ایک صاحب طرز ادیب کی شخصیت ہے۔ جوں جوں وقت گذرتا جائے گا ان کی اہمیت کا احساس عام ہوتا جائے گا'' (۲)

خواجہ صاحب کا اصل نام سید علی حسن عرف حسن نظامی تھا سید عاشق علی نظامی کے گھر ۲ رمحرام الحرام ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء کو ولادت ہوئی۔ گیارہ سال کی عمر میں ماں باپ دونوں کا سایہ سر سے اٹھ گیا بڑے بھائی سید حسن علی شاہ نے سرپرستی فرمائی۔ ۳۵ واسطوں سے شجرۂ نسب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک پہونچتا ہے۔

ابتدائی تعلیم ''بستی نظام الدین'' میں ہوئی۔ مولوی اسماعیل کاندھلوی مولوی محمد میاں کاندھلوی، مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی، مولوی حکیم الہ دین پنجابی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ انگریزی اسکول میں بھی ایک دن کے لئے گئے۔ گنگوہ کا بھی آپ نے تعلیمی سفر کیا اور وہاں آپ نے ڈیڑھ سال کی مدت تحصیل علم میں گذار دی۔ (۳)

بیعت وارادت اور اجازت وخلافت کا شرف آپ نے حضرت شاہ اللہ بخش

تونسوی، حضرت خواجہ غلام فرید اور پیر مہر علی شاہ چشتی نظامی گولڑوی سے حاصل کیا۔

"سلسلہ چشتیہ" میں حضرت شاہ اللہ بخش تونسوی اور حضرت خواجہ غلام فرید سے بیعت وارادت حاصل کی مگر جب یہ دونوں بزرگ دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپ نے حضرت بابا فرید کے روحانی اشارے پر حضرت پیر مہر علی شاہ چشتی نظامی گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت وخلافت کی دولت حاصل کی"(۴)

خواجہ حسن نظامی پون صدی مکمل اپنے انوکھے افکار کی اشاعت کرنے کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں ۱۰/ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء دن گذار کر مغرب اور عشاء کے درمیان اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور اسی قبر میں مدفون ہوئے جسے انہوں نے پہلے ہی سے "درگاہ بستی نظام الدین" دہلی میں تیار کرا رکھی تھی۔ (۵) اس طرح خواجہ صاحب، امام احمد رضا قادری بریلوی کے پردہ فرمانے کے بعد تقریباً ۳۵ سال بقید حیات رہ کر اپنے نظریات کی اشاعت فرماتے رہے۔

خواجہ صاحب نے اپنی کتاب " محرم نامہ " اور " یزید نامہ " میں جو گلفشانیاں کی ہیں وہ بھی باضابطہ ایک مبسوط مقالہ کی متقاضی ہیں۔ سردست "محرم نامہ" میں انہوں نے جلیل القدر صحابی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو ضرب کاری لگائی ہے اور ان کے "غیر مومنانہ" کردار کا جو ثبوت پیش کیا ہے وہ قابل توجہ ہے۔ ذیل میں ان کی تصنیف "محرم نامہ" سے ایک اقتباس درج کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"بغیر سوچے سمجھے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عثمان غنی کی شروع خلافت سے لے کر قتل عثمان، جنگ جمل، جنگ صفین، اور آخر تک ہر بڑے چھوٹے "فساد کی بنیاد" میں عمرو بن عاص کا ہاتھ ضرور تھا۔ شیعوں خارجیوں اور سنیوں نے شاید اس طرف کم توجہ کی ہوگی اور یہ عمرو بن عاص کی خوش قسمتی ہے جو مرنے کے بعد بھی بدنامی سے محفوظ رہے" (۶)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہر حال ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی شخصیت پر خواجہ حسن نظامی کی اس افترا پردازی سے متعلق ایک سائل نے امام احمد رضا قادری کی خدمت میں ایک استفتاء ارسال کیا جس کا جواب دیتے ہوئے صحابی مذکور کے بارے میں انہوں نے اپنا موقف ان الفاظ میں واضح کیا۔

''سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابہؓ کرام سے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی نہ کرے گا مگر رافضی۔ جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں اس کا پڑھنا سننا سنیوں پر حرام ہے۔ ایسے مسئلے میں کتابوں کے حوالے کی کیا حاجت؟ اہل سنت کے متون عقائد میں تصریح ہے " الصحابة کلهم عدول لا نذکرهم الا بخیر" صحابہ سب کے سب اصحاب خیر وعدالت ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے '' (۷)

خواجہ حسن نظامی نے ہندو نوازی کا جو ثبوت مسند سجادگی پر رونق افروز ہو کر بذریعہ زبان و قلم پیش کیا ہے اس نے بھی خواجہ صاحب کو مطعون کرنے میں موثر کردار ادا کیا ہے۔ اور خواجہ صاحب نے کرشن کے جو حالات اور فضائل و کمالات بیان کئے ہیں اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معاذ اللہ بے حد ان کے معتقد تھے چونکہ خواجہ صاحب ایک معزز خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ اس لئے واضح طور پر کرشن کے لئے نبی'' یا'' رسول'' کا لفظ استعمال نہ کر سکے۔ لیکن صغریٰ کبریٰ اور حد اوسط کے ذریعہ انہوں نے وہی نتیجہ نکالا ہے جو ان کے ذہن و دماغ میں تھا۔ ان کی کتاب ''کرشن بیتی'' شری کرشن'' سے متعلق باطل عقائد و نظریات سے لبریز ہے۔ کرشن کی پیدائش کا نقشہ جس والہانہ انداز میں انہوں نے کھینچا ہے اسے آپ بھی پڑھئے اور ان کی اسلام دوستی پر ماتم کیجئے لکھتے ہیں۔

''سنو استقبال کو آگے بڑھو، کرشن جی پیدا ہوتے ہیں، نور کی چادر تانو، اس سر الٰہی کو اغیار کی آنکھ سے بچاؤ'' (۸)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۳ پر " کنھیا کو وحدت کا سمندر "ص ۳۴ پر خدا کا بتول " پھر ص ۳۴ پر "کنھیا کو اقلیم وحدت کا بادشاہ" لکھا اور ہزاروں سلام کی ڈالیاں ان پر نچھاور کیں۔ افسوس یہ ہے کہ لالہ لاجپت رائے شری کرشن کو اوتار ماننے، گیتا کو ان کی تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کریں خود بقول خواجہ حسن نظامی :

''وہ (لالہ لاجپت رائے) کرشن کو نہ اوتار مانتے ہیں نہ مذہبی رہنما اور غضب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی انکار کرتے ہیں'' گیتا'' شری کرشن کی تصنیف ہے''(۹)

اب آپ انصاف و دیانت کا خون کئے بغیر یہ فیصلہ کریں کہ کیا یہی دل لگتی بات ہے کہ لالہ لاجپت رائے ہندو مذہب کے دلدادہ اور علمبردار ہو کر اس طرح کا عقیدہ رکھیں؟ اور خواجہ صاحب ملت اسلامیہ کے مرکز عقیدت درگاہ نظام الدین اولیاء کے سجادہ نشین ہو کر کرشن کو پیغمبر ماننے پر اصرار کریں جب یہ صورت حال ہو تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے

''چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ''

اس طرح کے اور بھی بیشتر مسائل ہیں جن کی روشنی میں خواجہ حسن نظامی کی شخصیت کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا لیکن ذیل میں عنوان تحریر کی مناسبت سے سجدہ تعظیمی کی حلت و حرمت، جواز و عدم جواز سے متعلق تفصیلی گفتگو اس نہج سے کی جارہی ہے کہ عالم اسلام کے دونوں مراکز عقیدت امام احمد رضا قادری اور مصور فطرت خواجہ حسن نظامی کی اسرار شریعت سے آشنائی اور دین فطرت سے آگاہی اور آفتاب نبوت ﷺ سے الفت و محبت کا اندازہ لگایا جا سکے۔

خواجہ حسن نظامی کی یوں تو تمام تحریریں معلوماتی اور دلچسپی سے پڑھی جانے والی ہوتی ہیں لیکن ان کی وہ تحریر جو انہوں نے مرشد کو سجدہ ' تعظیم کے جواز سے متعلق سپرد قلم کی ہے اس نے حلقہ ' علم و ادب میں ہل چل مچا دی ہے۔ علمائے غیر مقلدین کے علاوہ علمائے دیوبند نے بھی اسے ناپسندیدگی کی نظر سے صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کی بھرپور تردید کی۔

علمائے غیر مقلدین نے تو " همدرد اهل حدیث " کا ایک شمارہ اس کے جوابی تردید کے لئے خاص کر دیا۔ مولوی عبد الستار کلانوری نے "مرشد کو سجده تعظیم" کے جواب میں " خالق کو سجده تعظیم " کے نام سے جو جواب لکھا وہی رسالہ " همدرد اهل حدیث " ج ۲ نمبر ۳، ۴ بابت ماہ شوال وذیقعده ۱۳۳۹ھ میں نامی پریس دہلی سے طبع ہو کر شائع ہوا۔ مولوی مفتی عبد الستار کلانوری نے سرورق پر اپنے رسالہ کا موقف واضح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس رسالہ میں مرشد کو سجدہ تعظیمی کے شرک ہونے پر دلائل، قرآن شریف، احادیث وتفاسیر، اقوال علمائے کرام ومشائخ صوفیائے عظام سے جمع کئے گئے ہیں اور ذات باری تعالیٰ ہی کو اس سجدہ کا مستحق اور حقدار ثابت کیا گیا ہے"(۱۰)

خواجہ حسن نظامی کے اس رسالہ کو علمائے دیوبند نے آڑے ہاتھوں لیا اور مولانا زاہد القادری حنفی اترولوی نے "الفوز العظیم فی رد سجدۂ تعظیم "(خواجہ حسن نظامی پر کفر کا فتویٰ) کے نام سے چالیس صفحات پر مشتمل ایک رسالہ مرتب کیا جس پر بقول مرتب مقتدر واجلّہ حاملان شریعت وعلمائے ہند کی اہم تصدیقات ہیں۔ اس رسالہ کو شیخ محمد فضل حسین صدیقی نے ہلال پریس دہلی سے طبع کرا کر ۱۳۴۱ھ میں شائع کیا ہے۔

اس رسالہ میں مولوی احمد علی محدث " دار العلوم فتح پوری " دہلی۔ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی کفایت اللہ صدر جمعیۃ العلماء ہند ودار الافتاء دہلی، مولانا مفتی محمد مظہر اللہ امام مسجد فتح پوری دہلی، مولانا مفتی محمد امانت اللہ صدر المدرسین " دار العلوم لطفیه " علی گڑھ، مولوی مفتی محمد ابراہیم مدرس "مدرسه عالیه محمدیه عربیه "دهلی ، مولوی کرامت اللہ خاں، مولوی شرف الحق حنفی، مولوی عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم دیوبند کے فتاویٰ درج ہونے کے علاوہ مولوی ظفر احمد مجددی، مولوی رشید احمد حنفی، مولوی عبد الوہاب مہاجر

مدنی مولوی ابو یحییٰ عبد اللطیف بن عبد الحق، مولوی عبد الجبار، مولوی ابو الخلیل عبد الجلیل ملتان، مولوی ابو سلیم محمد مستقیم کی تصدیقات ہیں۔

لیکن ان تمام تردیدی تحریروں میں سب سے اہم اور مستند تحریر جو خواجہ حسن نظامی کے رسالہ "مرشد کو سجدہ تعظیم" کی تردید اور جواب میں لکھی گئی وہ "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خاں قادری کے نوک قلم سے منصۂ شہود پر آئی ہے۔ یہ رسالہ اس استفتا کے جواب پر مشتمل ہے جسے مولوی حافظ عبد السمیع نے ۹ر رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ کو "مدرسہ ابراھیمیہ" پھاٹک شیخ سلیم بنارس اور مظاہر الاسلام نبیرہ نواب ممتاز علی خاں نے دروازہ خیر نگر میرٹھ سے ۲۹ر شوال ۱۳۳۷ھ کو ارسال کیا تھا۔ مولوی عبد السمیع صاحب نے اپنے استفتا کے ساتھ "نظام المشائخ" دہلی کا غالباً وہ شمارہ بھی ارسال کیا تھا جس میں مرشد کو سجدۂ تعظیم سے متعلق بحث شائع ہوئی تھی۔ استفتار کا جواب دیتے وقت امام احمد رضا قادری کے پیش نظر غالباً وہی بحث تھی۔ سجدہ تعظیمی سے متعلق استفتاء کا مکمل جواب فاضل بریلوی نے تو اسی وقت دے دیا تھا لیکن کتابی شکل میں اس رسالہ کی باضابطہ اشاعت پہلی بار ۱۹۷۷ء میں ہوئی دوسری بار اس رسالہ کو "نوری بک ڈپو" لاہور نے صاحبزادہ سید محمد حسن گیلانی کے زیر اہتمام "حرمت سجدہ تعظیم" کے نام سے ایک سو نو ۱۰۹ صفحات پر مشتمل "لمبائن پرنٹر" لاہور سے طبع کرا کر شائع کیا۔ راقم کے پیش نظر اس وقت یہی رسالہ ہے۔ اس رسالہ کے تعلق سے مولوی عبد الحئ ندوی (م ۱۹۳۲ء) لکھتے ہیں۔

"والف فیھا رسالۃ سماھا "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" وھی رسالۃ جامعۃ تدل علیٰ غزارۃ علمہ وقوۃ استدلالہ" (۱۱)

(انہوں نے حرمت سجدۂ تعظیمی پر ایک جامع رسالہ "الزبدۃ الزکیۃ لتحریم السجود التحیۃ" تصنیف کیا جو ان کی غزارت علم اور قوت استدلال پر گواہ ہے)

موسیقی کے ساتھ قوالی آپ کے نزدیک حرام ہے اور تعزیہ داری بھی، ندوی صاحب لکھتے ہیں۔

" ومع ذلک یحرم الغنابالمزامیر ویحرم صنع الضرائح منسوبة الی الحسین علیه وعلیٰ آبائه السلام "(۱۲)

(انہوں نے) آلات موسیقی کے ساتھ قوالی اور تعزیہ کی حرمت پر بھی رسالے لکھے)

فاضل بریلوی کے رسالہ " الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة " کی ترتیب جدید آسان اور سہل انداز میں مولانا محمد صدیق ہزاروی نے "حرمت سجدہ تعظیمی ۔ احادیث کی روشنی میں" کے نام سے کی ہے جسے "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا" کراچی نے اگست ۱۹۹۱ء میں امام احمد رضا انٹرنیشنل سیمینار کے موقع پر جس میں راقم السطور بحیثیت مقالہ نگار موجود تھا۔ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے مولف کتاب نے لکھا ہے۔

''ا۔ سجدۂ عبادت یا تعبدی سجدہ کسی دور میں بھی مخلوق کے لئے جائز نہیں رہا۔ کیوں کہ یہ اس ذات کو کیا جاتا ہے جو معبود حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود ماننا شرک ہے، جب کہ شرک کسی زمانہ میں بھی جائز نہیں رہا۔

۲۔ سجدہ تحیت (یا سجدہ تعظیمی) یہ سجدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مخلوق کے لئے جائز رہا ہے کیوں کہ اس کا مقصد مسجود الیہ کی تعظیم کرنا ہے اسے خدا یا معبود ماننا نہیں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا لیکن اب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شریعت میں کسی کو سجدہ جائز نہیں۔ (۱۳)

خواجہ حسن نظامی کا رسالہ " مرشد کو سجدہ تعظیم " جو اس وقت موضوع بحث ہے۔ میرے پیش نظر رسالہ کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ جسے ''ابن عربی کا رکن حلقہ مشائخ

دہلی'' نے ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ میں لالہ ٹھاکر داس کے دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے طبع کرا کر شائع کیا ہے۔ جب کہ اس رسالہ کی پہلی اشاعت رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ میں ہوئی تھی۔ مصور فطرت خواجہ حسن نظامی نے اپنی تصنیف'' مرشد کو سجدہ' تعظیم'' کے سرورق پر موضوع کے تعلق سے اپنے عقیدہ کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

''اس رسالہ میں تعظیمی سجدہ کے مباح ہونے کے دلائل قرآن مجید احادیث وتفاسیر واحوال وحالات علماء ومشائخ عظام سے جمع کی گئیں ہیں اور ان سب پر حوالہ قائم کر کے سجدہ تعظیم کی اباحت ثابت کی گئی ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا یہی وہ عقیدہ ہے جو تحریری شکل میں منصۂ شہود پر آیا جس کے جواب میں ہر مکتبہ فکر کے علماء نے کتابیں لکھیں اور خواجہ صاحب کے دلائل کو تار عنکبوت کی طرح توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔

سجدہ' تعظیمی سے متعلق کچھ بحثیں '' نظام المشائخ '' دہلی میں شائع ہوئیں تو خواجہ صاحب کے مریدین نے اسے بے حد پسند کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ارباب علم وفضل کی مجلسوں میں اس سے متعلق چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں، جس کا اختتام جوابی کتابوں کی اشاعت پر ہوا۔ اس کا اعتراف خواجہ صاحب نے ان لفظوں میں کیا ہے۔ خدا کے بندوں نے اسے پسند کیا اور مزید اباحت کی ضرورت ظاہر کی بعض نے اس سے اختلاف کیا اور اپنے دلائل کا جواب مانگا۔ (۱۴)

اس تصنیف سے مناظرہ کی گرم بازاری خواجہ صاحب کا مطمح نظر نہ تھا اور نہ ہی اسے وہ پسند کرتے تھے اس تصنیف سے مقصود صرف اور صرف پیر ومرشد سے اظہار عقیدت تھا بس۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''سجدہ تعظیمی کی بحث مقصود نہیں طالبان کے اطمینان کے لئے اپنی معلومات اور عقائد کا اظہار ہے جو شک میں ہیں اور شبہ سے سجدہ تعظیمی کا انکار کرتے ہیں

وہ بھی میرے اپنے ہیں غیر نہیں اور جن کا اس مسئلہ پر ایمان ہے وہ بھی شک کرنے والوں سے جدا نہیں۔ اگر کوئی صاحب تحریر اس کو دیکھ کر اعتراض کی زبان کھولیں گے تو میرے گنبد سے بازگشت کی آواز ان کو سنائی نہ دے گی جس کا جی چاہے مخالفت کرے اور جس کے جی میں آئے تردید لکھے۔ میری طرف سے سوائے سکوت کے اور کوئی جواب نہ ہوگا کہ میں جس مرشد کے سامنے زمین پر سر رکھے ہوئے یہ رسالہ لکھ رہا ہوں اس کا ارشاد یہی ہے کہ حق کو پیش کر دو مخالف کے حملہ کا جواب نہ دو" (۱۵)

خواجہ صاحب نے جیسے ہی "سجدہ تعظیمی" سے متعلق اپنے موقف کو واضح کیا حلقۂ مریدین کو چھوڑ کر باقی تمام طبقوں کی طرف سے اس کی مذمت ہونی شروع ہوگئی معترضین نے آسمان پر سر اٹھالیا مگر خواجہ صاحب مہر بر لب سکوت اختیار کئے رہے اور کسی اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بقول مصنف کتاب کی ترتیب اس طرح ہے۔

"ترتیب اس کی یوں رکھی ہے کہ پہلے ایک تمہیدی عبارت ہے پھر اصول شریعت کے بموجب گفتگو ہے اس کے بعد طریقت اور اہل طریقت کے حوالے اور حالات وخیالات ہیں" (۱۶)

خواجہ صاحب نے پہلے "قرآن میں کسی انسانی سجدہ تعظیم کی ممانعت نہیں ہے" کے عنوان سے ایک سرخی قائم کی ہے پھر اس کے تحت لکھا ہے۔

"(قرآن میں) ایسی کوئی آیت نہیں ہے جہاں کسی انسان کو انسانی سجدہ تعظیم کرنے کی ممانعت کی گئی ہو" (۱۷)

خواجہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس موقع پر وہ آیت نہیں پیش ہو سکتی جس میں چاند سورج کی ممانعت ہے یعنی "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للّٰہ" (سجدہ نہ کرو سورج اور چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو) کیوں کہ اس آیت میں غیر انسان کے سجدہ کا ذکر

ہے اور گفتگو سجدۂ انسانی میں ہے۔(۱۸)

امام احمد رضا قادری نے سجدہ تعظیمی کے خلاف جو فتویٰ صادر کیا تھا اس میں خواجہ صاحب کی کتاب "مرشد کو سجدہ تعظیم" میں مندرج مباحث کے پیش نظر چھ فصلیں قائم کی ہیں۔ پہلی فصل بقول مصنف :

""فصل اول" قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کی تحریم" اس کا رد ہے جو بکر نے صفحہ ۹ پر کہا کہ کوئی آیت سجدہ انسان کے خلاف قرآن کریم میں کہیں بھی نہیں "(۱۹)

درج بالا عبارت میں بکر سے مراد خواجہ حسن نظامی ہیں جس کی صراحت مصنف کتاب نے آغاز کتاب میں کر دی ہے۔ پہلے تو فاضل بریلوی نے قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کی حرمت کے ثبوت میں یہ آیت لکھی ہے۔

" ولا یا مرکم ان تتخذوا الملئکة والنبیین اربابا ایأمرکم بالکفر بعد اذا انتم مسلمون " (۲۰)

("نبی کو یہ نہیں جچتا کہ تمہیں حکم فرمائے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب ٹھہرالو کیا نبی تمہیں کفر کا حکم دے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو")

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری نے امام حسن بصری کی وہ روایت درج کی ہے جس کا ذکر عبد بن حمید نے اپنی مسند میں ان لفظوں میں کیا ہے۔ روایت یہ ہے۔

مجھے حدیث پہونچی کہ ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ ہم حضور کو بھی ایسا ہی سلام کرتے ہیں جیسا کہ آپس میں! کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں فرمایا نہیں، بلکہ اپنے نبی کی تعظیم کرو اور سجدہ سزاوار نہیں۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ الا کلیل فی استنباط التنزیل میں بھی درج بالا آیت کی ذیل میں حدیث مذکور بلفظہٖ ذکر کر کے اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے۔

"ففيه تحريم السجود لغير الله تعالى اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ غیر خدا کو سجدہ حرام ہے" (۲۱)

مذکورہ بالا آیت کی ایک شان نزول یہ بھی ہے کہ نصاریٰ نے کہا کہ ہمیں عیسیٰ نے حکم دیا کہ ہم ان کو خدا مانیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خاتم الحفاظ صاحب جلالین حضرت جلال الدین سیوطی نے نزول آیت کے دونوں اسباب کو یکساں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"نزل لما قال نصارىٰ نجران ان عيسىٰ ابن مريم امرهم ان تتخذوه رباً او لما طلب بعض المسلمين السجود له صلی اللہ علیہ وسلم" (۲۲)

صاحب جلالین نے اپنی کتاب "جلالین" کے خطبہ میں وعدہ کیا ہے کہ ہم وہی قول اس کتاب میں درج کریں گے۔ جو ہر اعتبار سے صحیح ہو۔ مدارک (۲۳)، کشاف (۲٤) بیضاوی (۲٥) تفسیر کبیر (۲٦) اور حاشیہ الشہاب (۲۷) میں مذکورہ آیت کی شان نزول کے سلسلے میں پہلے سبب کو ترجیح دی گئی ہے۔ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں نے حضور کو سجدہ کی درخواست کی اس موقع سے یہ آیت اتری جیسا کہ خود آیت میں درج ہے۔

"کیا تمہیں کفر کا حکم دیں بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو"

تفاسیر کی ان معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی اجازت طلب کی گئی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منع کیا ظاہر روایت سے واضح ہے کہ آیت میں سجدہ سے مراد "سجدۂ عبادت" نہیں بلکہ "سجدہ تحیت" ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن محمد حافظ الدین نے "وجیز" میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔

اللہ عزوجل نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے فرمایا کہ کیا نبی تمہیں کفر کا حکم دیں بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو آیت اس وقت اتری جب صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کرنے کی اجازت چاہی "ولا يخفى ان الاستيذان لسجود التحية بدلا لته

بعد اذانتم مسلمون ومع اعتقاد جوازسجدة العبادة لایکون مسلماً فکیف یطلق علیھم بعد اذ انتم مسلمون " اور ظاہر ہے کہ انہوں نے سجدہ تحیت کی درخواست کی تھی اس دلیل سے کہ فرمایا ہے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو اور سجدہ عبادت جائز مان کر مسلمان نہیں رہتا تو یہ کیوں کر فرمایا جاتا کہ بعد اس کے تم مسلمان ہو" (۲۸)

قرآن کی اس آیت کو مفسرین اور فقہائے کرام کے مستند اقوال سے مربوط کرنے کے بعد امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں ۔

> ''صحابہ کرام نے حضور سے ''سجدہ ُتحیت'' کی اجازت چاہی۔ اس پر ارشاد ہوا کہ کیا تمہیں کفر کا حکم دیں؟ معلوم ہوا سجدہ تحیت ایسی قبیح چیز ہے جسے کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب خود حضور ﷺ کے لئے سجدہ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اوروں کا کیا ذکر؟ واللہ الہادی'' (۲۹)

ان مستند کتابوں کے حوالے دے کر امام احمد رضا خاں قادری نے یہ ثابت کیا ہے کہ خواجہ حسن نظامی کا یہ کہنا کہ قرآن حکیم میں اس کے عدم جواز میں کوئی آیت درج نہیں ہے بے بنیاد ہے۔ اگر انہوں نے قرآنی آیات اور تفاسیر کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو شاید اس قسم کی گفتگو کرنے سے احتراز کرتے۔ لیکن وہ قرآن کی یہ آیت لا تسجدوا للشمس ولاللقمر واسجدوا اللہ الذی خلقھنّ ان کنتم ایاہ تعبدون ' (۳۰)' درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔

> ''یہ آیت سجدہ عبادت سے متعلق ہے چنانچہ صاف لفظ عبادت کا موجود ہے ان کنتم ایاہ تعبدون قرآن سے ثابت ہے کہ دو قسم کے سجدے ہیں ایک سجدہ عبادت دوسرا سجدہ تعظیمی۔ سجدہ ُعبادت سے منع کیا ان کنتم ایاہ تعبدون کہہ کر سجدہ تعظیمی کا خود حکم دیا قرآن مجید سے تو سجدہ تعظیمی کا جواز اس طرح غیر مشتبہ طور پر ثابت ہے (۳۱)

> ''خدا نے اپنی عبادت کرنے کے لئے کعبہ کو سمت قرار دیا ہے اور اس میں ایک

بڑا فلسفہ پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا سجدہ عبادت وسجدہ تعظیم وادب میں ایک امتیاز وفرق کرنا چاہتا تھا تا کہ مقررہ سمت کا سجدہ عام اور جائز سجدہ تعظیم سے الگ ہو جائے اور مسلمان بن جائیں کہ سمت کعبہ کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہے۔ جو غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے سجدے جائز ہیں کہ وہ عبادت کے سجدے سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں"(۳۲)

خواجہ صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں سورج اور چاند کے سجدے سے متعلق جو آیت پیش کی ہے اس کی بابت امام احمد رضا قادری نے کئی وضاحتیں کی ہیں اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ خواجہ صاحب کا یہ کہنا:

"آیت میں غیر انسان کے سجدے کا ذکر ہے اور گفتار سجدہ انسان میں ہے سورج اور چاند اور چیز ہیں اور انسان خلیفۃ اللہ دوسری چیز ہے "(۳۳)

خواجہ صاحب کی اس عبارت پر امام احمد رضا قادری خامہ فرسائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اولاً: عجب پادر ہوا ہے اس کے طور پر آیت میں تو چاند وسورج کو سجدہ عبادت کی ممانعت ہے کہ فرمایا ان کنتم ایاہ تعبدون سجدہ عبادت میں خلیفہ وغیر خلیفہ کا کیا فرق۔

ثانیاً: سجدہ آدم علیہ السلام سے خود بیخ کنی کر اس آیت میں کہ انسان کے سجدے کا ذکر ہے (یعنی ملائکہ نے سجدہ کیا) اور گفتگو سجدہ انسان میں ہے کوئی انسان دوسرے انسان کو سجدہ کرے، فرشتہ اور چیز ہے انسان خلیفۃ اللہ دوسری چیز! خلیفہ نے خلیفہ کو سجدہ کیا تو اسے خود خلیفہ کا سجدہ کرنا کیسے جائز کرلیا۔(۳۴)

سمت کعبہ کو سجدہ عبادت کے لئے خاص کرنے پر بحث کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری نے خواجہ حسن نظامی صاحب کو لفظ "بکر" سے خطاب کرتے ہوئے ان کے موقف کی انیس دلائل سے تردید کی ہے جس کی تفصیل تو اصل مقام پر دیکھی جا سکتی ہے۔ "مشتے

نمونہ ازخروارے“ یہاں صرف ایک دلیل پر اکتفا کیا جا رہا ہے، فرماتے ہیں۔

”سجدۂ تحیت وسجدہ عبادت کا امتیاز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور خود ساجد کے نزدیک نیت سے ہے ساجد اور اس کا رب جانتا ہے کہ سجدہ کس نیت سے ہے ساجد کو ممتاز قطعی کے امتیاز کی کیا حاجت اور اگر یہ امتیاز ناظر کے لئے رکھا ہے تو جب کہ سجدہ تحیت کے لئے کوئی سمت مقرر نہیں سمت کعبہ بھی ہوگا پھر دونوں سجدوں کا خلط ہوگیا اور امتیاز نہ رہا، ناظر اس وقت نہیں کہہ سکتا کہ یہ سجدہ عبادت ہے یا سجدہ تحیت، بالجملہ یہ امتیاز ساجد کے لئے رکھا تو لغو وفضول اور ناظر کے لئے تو ناقص ومدخل: اللہ عزوجل ان دونوں سے پاک ومنزہ ہے اور اگر امتیاز محض ذہنی ہے کہ جس میں تقئید سمت ملحوظ ہو سجدہ عبادت ہے ورنہ سجدہ تحیت تو کام پھر نیت کی طرف عود کرے گا ناظر کو اس سے کیا فائدہ اور ساجد کو اس کی کیا حاجت، امتیاز نیت اس میں بالذات تھا یہ بالعرض کس لئے بہر حال اللہ عزوجل کی طرف اس کی نسبت اللہ پر سخت جرات“ (۳۵)

اس طرح امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کئی وجوہ سے خواجہ صاحب کی اس فکر کی تردید کی ہے جس میں خواجہ صاحب نے لکھا ہے:

”سمت کعبہ سجدہ عبادت کا سجدہ ہے جو غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے سجدے جائز ہیں“ (۳۶)

امام احمد رضا قادری کے بقول ایسا ماننے پر جیسا کہ خواجہ صاحب کا عقیدہ ہے کہ بلا شبہ مندروں میں جو سجدے کئے جاتے ہیں غیر مقرر سمت کے ہیں تو بکر (خواجہ حسن نظامی) نے دوبارہ بتوں، لنگ جلہری کو سجدے جائز کردئے کیوں کہ یہی کرشن مت ہے۔“ (۳۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور زمانہ تصنیف ” حجة الله البالغة “ کے حوالے سے مولانا عبدالستار کلانوری نے ایک عبارت درج کی ہے وہ عبارت یہ ہے۔

کانوا یسجدون للاصنام والنجوم فجاء النھی عن السجدۃ لغیر اللّٰہ"
یعنی کفار بتوں اور تاروں کو سجدہ کرتے تھے خدا نے ان کو مطلق سجدہ لغیر اللّٰہ سے
روکا اگر کوئی کہے کہ وہ لوگ تو سجدہ عبادت کا کرتے تھے، تعظیم کا نہیں کرتے تھے تو
یہ مقولہ اس کا غلط ہے در حقیقت بت اور تارے کو کوئی خدا نہیں مانتا بلکہ بغرض
تعظیم غیر اللّٰہ کو سجدہ کرنا یہی عین عبادت ہے ۔(۳۸)

خواجہ صاحب نے اپنی کتاب " مرشد کو سجدۂ تعظیم " میں سجدۂ تعظیمی کا انکار موجب لعنت و پھٹکار' کے عنوان سے ایک سرخی قائم کی ہے پھر اس کے تحت لکھا ہے ۔

''سجدۂ تعظیمی سے انکار کرنے والے بھی اگر اپنے آپ کو بڑا جان کر ایسا کریں تو
ان کا یہ فعل ابلیس کی طرح صریحاً موجب لعنت و پھٹکار ہوگا''۔(۳۹)

خواجہ صاحب کے اس قول کی روشنی میں خواجہ صاحب کے معتقدین ان اجلۃ علمائے سلف پر کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جن کی تحریریں سے سجدۂ تعظیمی کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ خواجہ صاحب نے تو صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس سے سجدۂ تحیت کی تحریم ثابت ہو رہی ہو جہاں انہوں نے اس مسئلہ کا اختتام قرآنی شواہد سے کر کے بات آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے وہاں انہوں نے لکھا ہے۔

''اب احادیث کو لیجئے خود حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کلامی لا ینسخ
کلام اللّٰہ اور یہ مسلمات سے ہے کہ قرآن کی ناسخ کوئی حدیث سوائے حدیث
متواترہ کے نہیں ہو سکتی اور حدیث متواترہ گنتی کی ہیں ان میں کوئی حدیث سجدہ
کے متعلق نہیں ہے ''(۴۰)

خواجہ صاحب نے درج بالا تحریر میں دو باتوں پر زور دیا ہے۔
ا۔ حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

۲۔ حدیث متواتر قرآن کی ناسخ ہو سکتی ہے۔

امام احمد رضا قادری نے خواجہ صاحب کے ان فکری اصولوں پر شدید ضرب کاری لگائی ہے اور اپنی کتاب کے فصل دوم میں چالیس منتخب احادیث سے سجدہ تعظیمی کی حرمت کو ثابت کیا ہے اور صرف چالیس کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ باب احادیث میں ''اربعین احادیث'' کی بڑی فضیلت آئی ہے'' (۴۱) ان مندرجہ احادیث میں اکثر کا تعلق احادیث متواترہ سے ہے اور خواجہ صاحب کے اس قول کہ حدیث متواتر ایسی نہیں جو سجدہ تحیت کی مخالفت میں پیش کی جاسکے۔ کی تردید میں امام احمد رضا قادری نے چالیس مستند احادیث جن میں اکثر صحاح ستہ سے ہیں درج کی ہیں۔ جس سے انہوں نے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ سجدہ تحیت بھی سجدۂ عبادت کی طرح بندوں کے لئے حرام ہے، اس سلسلہ کی پہلی حدیث یہ بیان کی ہے۔

> ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک عورت نے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ شوہر کا عورت پر کیا حق ہے ؟ آپ نے فرمایا اگر کسی بشر کو لائق ہوتا کہ وہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ جب شوہر گھر میں آئے تو اسے سجدہ کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس پر فضیلت دی ہے '' (۴۲)

اس حدیث کو ابن حبان نے '' صحیح ابن حبان '' (۴۳) علی بن کبر ہیثمی نے ''کشف الاستار '' (۴۴) احمد بن حسین بیہقی نے '' السنن الکبریٰ '' (۴۵) اور حاکم نیشاپوری نے اپنی '' مستدرک '' (۴۶) میں درج کیا ہے۔ اس حدیث کو من وعن نقل کرنے کے بعد کتاب کے مصنف امام احمد رضا خاں قادری لکھتے ہیں۔

> ''ھذا لفظ البزاز والحاکم والبیھقی وعند التر مذی المرفوع منه بلفظ لو کنت امراً احداً ان یسجد لاحد لامرت المر أة ان تسجد لزوجھا '' (۴۷)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن صحیح'' بھی لکھا ہے الغرض کہ فاضل مصنف نے جتنی حدیثیں اپنے موقف کی تائید میں درج کی ہیں تقریباً سب میں اس مفہوم کی عبارت موجود ہے۔ ''اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے''۔

فاضل مصنف کے مندرج احادیث کے استناد وثقہ میں بھی اشتباہ نہیں ہے اس لئے کہ ارباب فضل وکمال نے اس کی ثقاہت کا اعتراف کیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) امام منذری (م ۶۵۶ھ) ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) امام قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) علامہ خفاجی (م ۱۰۶۹ھ) امام قسطلانی (م ۹۲۳ھ) امام زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) جیسے دوسرے اجلہ علمائے سلف نے مندرج احادیث کی توثیق ''صحیح'' ''حسن صحیح'' اور راویوں کو ثقہ بتا کر کی ہے۔

مصور فطرت خواجہ حسن نظامی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے ایک حدیث درج کی ہے جس سے انہوں نے اپنا موقف اس طرح ثابت کیا ہے کہ اس حدیث میں جس سجدہ کی ممانعت ہے وہ سجدہ عبادت ہے سجدۂ تحیت نہیں حدیث اس طرح ہے:

> ''حضرت عائشہ رضہ اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ والا آیا اور اس نے آپ کو سجدہ کیا۔ اصحاب نے عرض کیا جب کہ آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں اس پر حضور نے فرمایا کہ اپنے اللہ کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا اکرام کرو۔ اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو یہ کہتا کہ بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔ لیکن آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے'' (۴۸)

خواجہ صاحب نے اس حدیث کی توجیہ چھ وجوہ سے کی ہے پہلی وجہ جوانہوں نے بیان کی ہے اس سے اپنا موقف ان لفظوں میں واضح کیا ہے۔

''اس حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اگر سجدہ غیر اللہ کو جائز ہوتا تو میں بیوی کو شوہر کے سجدہ کا حکم دیتا اور امر سے وجوب ہوا کرتا ہے یعنی شارع علیہ السلام کسی بات کا حکم امر کے صیغہ میں دیں تو وہ کام واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضور کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ تعظیمی وجوب کی حد میں جائز ہوتا تو میں عورت پر مرد کا سجدہ واجب کرتا یعنی سجدہ تعظیمی واجب نہیں بلکہ مباح ہے'' (۴۹)

درج بالا حدیث کے ضمن میں خواجہ صاحب کی اس توجیہ کہ وہ سجدہ تعظیمی واجب نہیں بلکہ مباح ہے پر گرفت کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں۔

''حدیث کے کون سے حرف میں ہے کہ ''بلکہ مباح ہے'' جب حسب اقرار بکر (خواجہ صاحب) شرط میں صرف ذکر جواز ہے کہ اگر سجدہ غیر اللہ کا جائز ہوتا اور جزا میں وہ امر ہے کہ یقیناً منتفی یعنی عورت کو سجدہ کا حکم ہوتا اور انتفائے جزا انتفائے شرط ہے تو حدیث کا صاف مفاد سجدہ کا عدم جواز ہوا یعنی جائز ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا لیکن عورت کو حکم نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ سجدہ جائز نہیں۔ ذکر امر جزا میں ہے کہ عورت پر سجدہ واجب کرتا جزا کا وجوب شرط میں کیسے داخل ہو گیا ۔ جواز پر ایجاب کا ترتب بعید نہیں کہ واجب نہ ہو سکے مگر وہ جو جواز رکھتا ہو تو حاصل یہ ہے کہ اگر سجدۂ غیر میں جواز کی گنجائش ہوتی تو میں عورت پر مرد کے لئے سجدہ واجب کر دیتا لیکن وہ جائز نہیں ہو سکتا لہٰذا عورت کو اس کا حکم نہ دیا۔ (یعنی سجدہ لغیر اللہ قطعاً حرام و ناجائز ہے) (۵۰)

سنن ابی داود شریف میں حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت کی وضاحت کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں :

''شارع علیہ السلام کسی بات کا حکم امر کے صیغہ سے دیں تو وہ کام واجب ہوتا ہے یوں ہی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بات سے بصیغہ ''نہیں'' منع فرمائیں تو وہ کام حرام ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ سجدہ غیر اللہ حرام ہے اور حدیث کا وہ مطلب گڑھنا کہ ''واجب نہیں بلکہ مباح ہے'' محض افترائے ناکام'' (۵۱)

مولانا مفتی زاہد القادری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سجدہ لغیر اللہ کے عدم جواز اور ممانعت سے متعلق جتنی احادیث ہیں سبھی مستند اور متواترہ ہیں۔

''ان تمام احادیث کو مستند ملت اکابرین شریعت علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ قسطلانی، ملا علی قاری اور دیگر محدثین نے سجدہٗ تحیت کے عدم جواز پر بطور دلائل پیش کیا ہے اور بالاتفاق ان کو احادیث متواترہ تسلیم کیا ہے اس صورت میں یہ احادیث سجدہٗ تحیت کی ناسخ ہیں'' (۵۲)

شیخ الکل حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی ان احادیث کو متواترہ تسلیم کر کے اپنے فتاویٰ میں واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ سجدہ تحیت باجماع قطعی حرام ہے " تفسیر عزیزی'' میں اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''درامت ہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ حضرت یوسف واخوان ایشاں واقع شدہ واز شریعت ما ایں طریق ہم فیما بین مخلوقات حرام وممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ '' (۵۳)

جو شخص سجدہ تعظیمی سے متعلق اس طرح اپنا واضح موقف رکھتا ہو اس کے بارے میں خواجہ حسن نظامی کا یہ قول کس طرح مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

''وہ خود والدین و اولیاء اللہ کے مزارات پر سجدہ تعظیمی ادا کرتے تھے'' (۵۴)

حدیث سے کلام اللہ کے نسخ کا استدلال خواجہ حسن نظامی نے کلامی لا ینسخ کلام اللہ سے کیا ہے خود اس استدلال پر امام احمد رضا قادری نے کئی وجوہ سے گرفت کی

ہے اور کئی وجوہ سے مسترد کر کے لکھا ہے۔

"یہ حدیث ابن عدی اور دارقطنی نے بطریق محمد بن داؤد القنطری عن جبرون بن واقد الافریقی سے روایت کی ابن عدی نے "کامل" اور ابن الجوزی نے "علل" میں کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ ذہبی نے "میزان" میں کہا جبرون متہم ہے اس نے قلت حیا سے یہ حدیث روایت کی، ترجمہ قنطری میں کہا یہ حدیث باطل ہے۔ ترجمہ افریقی میں کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ امام ابن حجر نے "لسان المیزان" میں دونوں جگہ ان کے یہ کلام مقرر رکھے۔ بعد وضوح امر ایک منکر باطل موضوع حدیث متہم بالکذب کی روایت کو کہنا کہ حضور نے فرمایا رسول اللہ ﷺ پر افتراء کی جرات" ہے (۵۵)

امام احمد رضا قادری نے حدیث متواتر کی دو قسمیں کی ہیں اور وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر حدیث "روایۃً" متواتر نہیں۔ بلکہ قبولاً متواتر ہے جب تو اس سے قرآن کا نسخ جائز ہے جیسے حدیث لا وصیۃ لوارث جس سے وصیت والدین اقربین کہ منصوص قرآن تھی منسوخ کی گئی۔ امام احمد رضا قادری نے اپنے ان اقوال کی تائید میں امام اجل بخاری کی عبارت جو "کشف الاستار" میں درج ہے پیش کی ہے۔

" هذا الحديث فی قوة المتواتر ؟ انه نوعان متواتر من حيث الرواية ومتواتر من حيث ظهور العمل به من غير نكيرٍ فان ظهوره يغنی الناس عن روايته وهو بهذه المثابة فان العمل ظهر به مع القول من ائمة الفتوى بلاتنازع فيجوز النسخ به' (۵٦)

خواجہ صاحب نے تنقیح کے حوالے سے جو یہ لکھا ہے کہ۔

"منسوخ کرنے والی چیز یا تو قرآن ہے اور یا حدیث۔ قیاس اور اجماع میں یہ طاقت نہیں ہے۔" (۵۷)

اس کے جواب میں امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں کہ اجماع میں اگر چہ نسخ قرآن کی طاقت نہیں ہے لیکن اس کے دلیل نسخ ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں ۔انہوں نے "مسلم" اور "فواتح" کے حوالے سے لکھا ہے۔

"الاجماع دلیل علی الناسخ کعمل الصحابی خلاف النص المفسر" (۵۸)

ان عبارتوں کے تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں جن اصولوں کا سہارا لیا تھا وہ بھی انہیں کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار نہ کرسکیں۔

خواجہ حسن نظامی نے سجدۂ تحیت کے ثبوت میں احادیث وقرآن پیش کرنے کے علاوہ فقہائے کرام کے مستند اقوال بھی درج کیے ہیں ۔امام احمد رضا قادری نے بھی اپنی کتاب کا ایک حصہ یعنی فصل سوم مکمل ائمہ کرام وفقہائے کرام کے مستند اقوال سے سجدۂ تحیت کے عدم جواز سے متعلق دلائل پیش کئے ہیں ۔جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے جسے انہوں نے دو نوع میں بیان کیا ہے۔

نوع اول تین قسم ہے۔قسم اول نفس سجدہ کا حکم کہ غیر خدا کے لئے مطلقاً حرام ہے ۔
اقوال :تحریم متفق علیہ ہے اور اسی قدر ہمارا مقصود اور تکفیر میں عبارت چھ طور پر آئیں گی۔

۱۔غیر خدا کے لئے سجدہ کفر ہے اور اس کا ظاہر اطلاق ہے۔
۲۔غیر خدا کو سجدہ مطلقاً کفر ہے اس میں تصریح اطلاق ہے۔
۳۔بحال اکراہ کفر نہیں، ورنہ کفر قید اولین میں بھی ضروری ہے۔
۴۔غیر کی نیت سے کفر اور اللہ عزوجل کے لئے نیت ہو یا کچھ نیت نہ ہو تو کفر نہیں
۵۔بہ نیت عبادت کفر ہے اور بہ نیت تحیت کفر نہیں اور کچھ بھی نیت نہ ہو جب بھی

غیر اللہ کی طرف سجدہ حرام ہے۔

۶۔ اصلاً کفر نہیں جب تک نیت عبادت نہیں ہو اور یہی صحیح و معتمد و حق و معتقد ہے اور باقی کفر صوری وغیرہ سے موول و باللہ التوفیق'' (۵۹)

شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) اور امام قہستانی (م ۱۰۳ھ) نے تو صاف لفظوں میں سجدہ تعظیمی کو کفر لکھا ہے اصل عبارت یہ ہے۔

"رد المحتار میں ہے قال شمس الائمة السر خسی ان کان لغیر اللّٰہ تعالیٰ علیٰ وجہ التعظیم کفر وقال القهستانی فی الظهر قیکفر بالسجدة مطلقاً سجدہ تعظیمی لغیر اللہ کفر ہے اور امام قہستانی صاحب فرماتے ہیں سجدہ لغیر اللہ کفر ہے" (۶۰)

جس شخص نے سجدہ تحیت قرآن و احادیث اور فقہائے کرام کے اقوال سے حرام ثابت کیا اور لکھا ہو اور بار بار بیان کیا ہو اس صراحت کے باوجود معاندین کا ان پر قبر پرستی کا الزام لگانا انتہائی متعصبانہ اور نازیبا حرکت ہے۔ درج ذیل عبارت کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا قادری کا وجود مسعود بدعات و منکرات اور فرقہ ہائے باطلہ کی تردید کے لئے ہوا تھا۔

''رہا مزار پُر انوار کا سجدہ وہ تو قطعی حرام ہے تو زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کیجئے'' (۶۱)

امام احمد رضا قادری ایک دوسری جگہ قبر کی زیارت اور طواف سے متعلق فرماتے ہیں۔

بلا شبہ غیر کعبہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کا اختلاف ہے اور احوط منع ہے خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علمانے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو، یہی ادب ہے پھر تقبیل کیوں کر متصور ہے؟۔ یہ وہ ہے جس کا فتویٰ

عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔ (۶۲)

مولانا احمد رضا قادری کے نزدیک زمین بوسی بھی حرام ہے۔ وہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

ومایفعلونه من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی به آثمان (عالموں اور بزرگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے اور چومنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہ گار) کافی وکفایہ وغایہ وتبیین ودرر ومجمع وابو السعود اور جواہر نے زائد کیا۔ لانه یشبه عبادة الوثن اس لئے کہ وہ بت پرستی کے مشابہ ہے (۶۳)

مزارات مقدسہ کا بوسہ دینے اور چومنے سے متعلق اختلافات ہیں۔ بعض علماء نے اسے جائز اور بعض نے ناجائز لکھا ہے زمین بوسی اور قدم بوسی یہ دونوں الگ الگ الفاظ ہیں ان سے سجدہ تحیت مراد لینا غیر دانشمندانہ فعل ہے۔ اس قسم کے الفاظ جہاں جہاں کتابوں میں آئے ہیں خواجہ صاحب نے کہیں کہیں بوسہ کو سجدہ کے مفہوم میں لیا ہے۔ امام احمد رضا قادری نے خواجہ صاحب کے اس طریقہ کار کو ترجمہ کی غداری پر محمول کیا ہے۔ جہاں جہاں ''زمین بوسید'' یا ''سر بر زمین نہاد'' جیسے الفاظ آئے ہیں اس کا ترجمہ خواجہ صاحب نے کسی پس وپیش کے بغیر ''سجدہ کیا ہے'' ۔ فن تصوف کی ایک معیاری اور مستند کتاب سیر الاولیا جس کی خواجہ صاحب نے بڑی تعریف لکھی ہے اس کتاب کی ایک عبارت درج کر کے امام احمد رضا قادری نے اپنا موقف ثابت کیا ہے، خواجہ صاحب نے جو مضمون اپنی کتاب کے ص ۴۴ پر "فوائد الفواد" کے حوالے سے نقل کیا ہے وہی مضمون بعینہٖ ''سیر الاولیاء'' میں سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت نظام الدین الاولیا علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۷۲۵ھ) کے حوالے سے اس طرح درج ہے۔

''دریں حال کہ او پیش ما بود وحید الدین قریشی درآید و سر بر زمین نہاد'' (۶۴)

خواجہ صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

''اتنے میں ہمارے مرید وحید الدین قریشی حاضر ہوئے اور انہوں نے ہم کو سجدہ کیا''

(۶۵)

امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں کہ ایسی عبارتوں میں اگر ''سر بر زمین نہاد'' کا ترجمہ سجدہ کیا جائے گا تو ایسی عبارتیں جہاں صراحتہً ''پرستش'' جیسے الفاظ کا ذکر ہے وہاں اس کی کیا تاویل کی جائے گی؟۔ مثال کے طور پر حضرت سلطان الاولیاء سے متعلق کسی بزرگ کا یہ شعر

''شعاع روز بہی تابد از جبین کسے کہ در پرستش تو بر نہد جبین بر خاک (۶۶)

یہاں تو نہ نرا سجود بلکہ پرستش موجود اب کہہ دینا کہ حضرت سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ غیر خدا کے لئے سجدہ عبادت روا جانتے تھے۔ جیسے یہاں پرستش بمعنی عبادت نہیں بلکہ خدمت، یوں ہی وہاں مسجود بمعنی مخدوم ومطاع یہ خود مشہور معنی ہیں اور عام محاورہ میں مستعمل مگر عناد کا کیا علاج؟۔ (۶۷)

خواجہ حسن نظامی نے سجدۂ تحیت کے ثبوت میں جتنی حدیثیں، تفاسیر اور بزرگان دین کے اقوال درج کئے ہیں امام احمد رضا قادری نے سب میں کلام کر کے ان کی استنادی اہمیت کو تار عنکبوت بنا دیا ہے اور اس سے قوی تر دلائل اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی نے ''سجدۂ آدم'' اور ''سجدۂ یوسف'' کو بنیاد بنا کر اپنے موقف کی تائید میں جو دلائل دئے ہیں اس سے متعلق مولانا احمد رضا خاں قادری نے لکھا ہے کہ ما سبق کے شرائع میں جو سجدۂ تعظیمی تھا وہ شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں خود خواجہ حسن نظامی کا بھی یہی موقف ہے وہ فرماتے ہیں۔

" وخروا له سجداً ابواه واخوه وكان سجود التعظيم شائعاً من لدن آدم الىٰ شريعة عيسىٰ عليه السلام " (۶۸)

(حضرت یوسف کے سامنے ان کے والدین اور بھائی سجدہ میں گر پڑے،
حضرت آدم کے وقت سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک تعظیمی
سجدے شائع اور جاری تھے)

مذکورہ بالا عبارت کو خواجہ حسن نظامی نے اپنے موقف کی حمایت میں پیش کیا ہے اس عبارت سے خواجہ حسن نظامی کے موقف کی کس حد تک تائید ہوتی ہے اہل علم پر مخفی نہیں۔ البتہ اس عبارت سے متصل عبارت جو سجدہ تعظیمی کی حرمت پر دلالت کرتی تھی انہوں نے اسے قصداً نقل کرنے سے چھوڑ دیا ہے بعد کی عبارت یہ ہے۔

" محرم فی هذه الملة الغراء وجعل السجود مختصاً بجناب
الرب " (٦٩)

(پس اس ملت بیضا میں اسے حرام قرار دے دیا گیا اور باری تعالیٰ کے لئے سجدہ
خاص کر دیا گیا)

عبارتوں کے قطع و برید سے مصنف کی علمی دیانت کا پتا چلتا ہے اس طرح خواجہ حسن نظامی کی کتاب میں اور بھی بیشتر مثالیں ہیں جہاں عبارتوں کو ترک کر کے اور بعض عبارتوں کا ترجمہ کچھ کا کچھ کر کے اپنا موقف ثابت کیا گیا ہے۔ ایسی تمام بحثیں دلچسپی سے خالی نہیں ہیں تفصیل کے لئے براہ راست کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

سجدۂ آدم اور سجدۂ یوسف سے متعلق خواجہ صاحب نے جو سجدۂ تعظیمی کا نظریہ پیش کیا ہے وہ محل نظر ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء اور مفسرین کی جداگانہ رائیں ہیں کئی اہل علم نے اس سجدہ سے صرف انحناء یعنی جھکنا اور اشارہ کرنا مراد لیا ہے۔ امام احمد رضا قادری کا موقف ان سجدوں سے متعلق وہی ہے جو علمائے سلف کا ہے خواجہ صاحب کے موقف کی بخیہ دری کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم سے سجدہ مبحوث عنہا کا جواز قطعاً ثابت ہونا بوجوہ باطل :

وجہ اول! علماء کو اختلاف ہے کہ یہ سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا، سر خم کرنا۔ ابوالشیخ کتاب العظمۃ امام محمد بن عباد بن جعفر مخزومی سے راوی قال :
کان سجود الملا ئکۃ لآدم ایماءً آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو ملائکہ کا سجدہ اشارہ تھا۔ ابن جریر و ابن المنذر و ابوالشیخ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریح سے تفسیر قولہٖ تعالیٰ وخروا لہ سجداً میں راوی قال : بلغنا ان ابویہ واخوتہ سجدوا لیوسف ایماءً بروٴسھم کھیئۃ الاعاجم وکانت تلک تحیتھم کما یصنع ذلک ناس الیوم ہمیں حدیث پہونچی کہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے ان کے ماں باپ بھائیوں کا سجدہ سے اشارہ کرنا تھا جیسے اہل عجم کے یہاں یہ ان کی تحیت تھی جس طرح اب بھی کچھ لوگ کرتے ہیں کہ سلام میں سر جھکاتے ہیں، امام بغوی نے "معالم التنزیل "اور امام خازن نے "لباب "میں اسی کو اختیار فرمایا اور قول اول کو ضعیف کہا۔ سجدۂ ملائکہ میں فرماتے ہیں۔

" لم یکن فیہ وضع الوجہ علی الارض وانما کان انحناء فلماجاء الاسلام ابطل ذلک بالسلام (۷۰)

(یعنی وہ زمین پر سر رکھنا نہ تھا صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا اسے بھی سلام مقرر کر کے باطل فرمادیا)

صاحب " جلالین " امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) جن کا دعویٰ اپنی کتاب میں راجح اقوال درج کرنے کا ہے سجدہ آدم کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"خروا لہ سجداً سجود انحناء لا وضع جبھۃ وکان تحیتھم فی ذلک الزمان" (۷۱)

(آدم کا سجدہ پیشانی کا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ صرف جھکنا تھا اور یہ اس زمانہ کا سلام تھا)

جلال الدین محلی جلالین شریف کے سورہ کہف میں فرماتے ہیں۔

واذ قلنا للملائکة اسجدوالآدم سجود تحیة انحناء لا وضع جبهة (۷۲)

(اور جب میں نے فرشتوں سے کہا آدم کا سجدہ کرو وہ سجدہ پیشانی کا زمین پر رکھنا نہیں صرف جھکنا تھا)

امام احمد رضا قادری نے اپنی کتاب کے وجہ دوم میں اس کی صراحت کی ہے کہ وہ سجدہ جس کے بارے میں بحث چل رہی ہے اگر یہ سجدہٗ مشہور تھا تو اس بارے میں ائمہ کو اختلاف ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ یہ سجدہ حضرت آدم و حضرت یوسف علیھما السلام کو تھا یا اللہ تعالیٰ کو؟ ان حضرات کی حیثیت صرف قبلہ کی تھی۔ اس سلسلہ میں صحیح نتیجہ تک پہونچنے کے لئے انہوں نے ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) ابوابراہیم مزنی (م ۲۶۴ھ) کی ایک روایت درج کی ہے۔

"انه سئل عن سجود الملائکة فقال ان اللّٰه جعل آدم کالکعبة" (۷۳)

(یعنی ان سے سجدہٗ ملائکہ کے بارے میں استفسار ہوا فرمایا اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام کو کعبہ کی طرح کیا)

معالم اور خازن میں جہاں سجدہٗ آدم سے متعلق گفتگو ہے وہاں اس کی صراحت ہے۔

"قیل معنیٰ قولهٖ اسجدو الآدم ای الیٰ آدم فکان قبلةً والسجود للّٰه تعالیٰ کما جعلت الکعبة قبلةالصلوٰة و الصلوٰة لله تعالیٰ (۷۴)

(بعض لوگوں نے کہا کہ آیت کریمہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدم کی طرف سجدہ کرو تو آدم قبلہ تھے اور سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا جیسے کہ کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور نماز اللہ

تعالیٰ کے لئے ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بھی یہی مفہوم ہے

روی عن ابن عباس انه قال معناه خروا للّٰه عزوجل سجداً بین یدی یوسف " (۷۵)

(معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یوسف کے سامنے سجدہ میں گرے)

اول زیادہ صحیح ہے امام رازی نے تفسیر کبیر میں قول دوم کی تحسین کی ہے اور لکھا ہے۔

انهم جعلوا یوسف کالقبلة وسجدوا اللّٰه شکراً لنعمته (۷۶)

(ان لوگوں نے یوسف کو قبلہ بنالیا اور شکر نعمت کے لئے اللہ تعالیٰ کا سجدہ کیا)

اسی طرح کا ایک سوال برسوں بعد بیسویں صدی کی ربع آخر میں کسی سائل نے فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی سے کیا تھا جس کا جواب مفتی صاحب نے آیات قرآنی، احادیث مبارکہ، اور اقوال فقہاء کی روشنی میں مدلل دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

"حدیث اور شارحین حدیث کے ان اقوال سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ قبر سامنے ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ حرام و ناجائز ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے جس سے ثابت ہوا کہ قبر کو سجدہ کرنا بدرجہ اولیٰ حرام و ناجائز ہے۔

انتباہ کے طور پر مفتی صاحب اپنے فتویٰ کے آخر میں یہ بھی لکھتے ہیں۔

"سجدہ تعظیمی کے جواز کے ثبوت میں حضرت آدم و حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعہ کو پیش کرنا جہالت ہے۔ اس لئے کہ سجدہ کی نوعیت میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور حضرت آدم و حضرت یوسف علیہما السلام بحیثیت قبلہ تھے۔ اور اگر حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام ہی کے لئے سجدہ مان لیا جائے تو وہ سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کے ساتھ نہیں تھا بلکہ صرف جھکنا اور تواضع کرنا تھا جیسا کہ تفسیر جلالین میں علامہ جلال الدین سیوطی نے نقل کیا ہے اور اگر حضرت آدم و حضرت

یوسف علیہما السلام کے لئے سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کے ساتھ مان بھی لیا جائے تو وہ ہماری شریعت میں منسوخ ہے جیسا کہ معالم التنزیل سورہ یوسف میں ہے۔

"قیل وضعو االجباہ علی الارض فکان ذٰلک علیٰ طریق التحیۃ والتعظیم لا علیٰ طریق العبادۃ وکان ذٰلک جائزاً فی الامم السابقۃ فنسخ فی ھٰذہ الشریعۃ" (۷۷)

(بعض نے کہا کہ تحیت وتعظیم کے طور پر پیشانی زمین پر رکھی نہ کہ بطریق عبادت اور یہ اگلی امتوں میں جائز تھا اس شریعت میں منسوخ ہو گیا)

شامی جلد نہم میں ص ۵۵۱ پر یہ عبارت بھی درج ہے

"اختلفوا فی سجود الملائکۃ قیل کان اللہ تعالیٰ والتوجہ الی آدم للتشریف کاستقبال القبلۃ وقیل بل لآدم علیٰ وجہ التحیۃ والاکرام ثم نسخ بقولہٖ علیہ السلام لو امرت احداً ان یسجد لاحدٍلامرت المراء ۃ ان تسجد لزوجھا تاتارخانیۃ قال فی تبیین المحارم والصحیح الثانی ولم یکن عبادۃ لہ بل تحیۃ واکراماًولذا امتنع ابلیس وکان جائزاً فیما مضیٰ کما فی قصۃیوسف قال ابو منصور الماتریدی وفیہ دلیل علیٰ نسخ الکتاب بالسنۃ" (۷۸)

(سجدۂ ملائکہ کے بارے میں علماء کو اختلاف ہے بعض نے کہا کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور آدم علیہ السلام کے اعزاز کے لئے منہ ان کی طرف تھا جیسے کہ کعبہ کی طرف منہ کیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ بلکہ سجدہ آدم علیہ السلام کو تحیت وتکریم کے طور پر تھا پھر اس حدیث سے منسوخ ہو گیا کہ اگر میں کسی کو کسی (مخلوق) کے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، تتار خانیہ اور تبیین المحارم میں فرمایا صحیح قول دوم ہے اور یہ ان کی عبادت نہ تھی

بلکہ تحیت وتکریم تھی اسی لئے ابلیس اس سے باز رہا اور سجدہ تحیت اگلی شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے حضرت ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن مجید کا حکم حدیث شریف سے منسوخ ہو جاتا ہے) (۷۹)

یہ تھی وہ توضیح جو حقیقت سجدہ کو واضح کر رہی تھی۔ جو چیز خود مشکوک ہو اس کے اوپر اعتماد کر کے اپنے شعور وفکر کا محل تعمیر کرنا کتنا دانش مندانہ فعل ہے وہ ارباب علم ودانش پر مخفی نہیں۔ اس مختصر سی توضیح کی روشنی میں ارباب بصیرت بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ سجدۂ تعظیمی جائز ہے یا ناجائز؟ اور جواز وعدم جواز سے متعلق امام احمد رضا قادری اور خواجہ حسن نظامی کے دلائل وبراہین کس نوعیت کے ہیں؟ اور روایت ودرایت کے اعتبار سے کس کا معیار کیا ہے؟ نیز امام احمد رضا قادری کی تحریروں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رد بدعات ومنکرات میں اپنے اور پرائے کی پروا کئے بغیر شریعت اسلامیہ کی حمایت میں ان کا قلم تیغ براں کی طرح چلتا تھا۔ اس طویل گفتگو کے بعد جو لوگ امام احمد رضا قادری اور ان کے معتقدین کو ''قبر پرست'' جیسے گھناؤنے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ خود اپنے گریبان میں سر ڈال کر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کہیں یہ جرم امام احمد رضا قادری اور ان کے معتقدین کے بجائے اپنا تو نہیں؟۔

سطور بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تفصیل آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے ذیل میں زیارت قبر کے تعلق سے امام احمد رضا قادری کا موقف ان کی کتابوں اور دیئے گئے فتاویٰ کی روشنی میں اختصار کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے تا کہ قارئین بغیر کسی الجھن اور ذہنی انتشار کے صحیح نتیجہ تک پہنچ سکیں اور یہ جان سکیں کہ جو کچھ ان کی کتابوں میں درج ہے وہ حق ہے یا جو کچھ ان کے مخالفین کی طرف سے باتیں کانوں تک پہنچ رہی ہیں وہ سچ نہیں ہے۔

۱۔ قبروں پر سجدہ تعظیمی

مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عزّ جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں اس کے غیر کو سجدہ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین۔۔۔سجدہ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ صحابہ کرام نے حضور کو سجدہ تحیت کی اجازت چاہی اس پر ارشاد ہوا کیا تمہیں کفر کا حکم دیں معلوم ہوا کہ سجدہ تحیت ایسی قبیح چیز ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا جب خود حضور اقدس کے لئے سجدہ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اوروں کا کیا ذکر؟ (۸۰)

۲۔فرضی قبریں

''فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا ناجائز وبدعت ہے اور خواب کی بات خلاف شرع امور میں مسموع نہیں ہو سکتی''۔(۸۱)

۳۔غیر معروف قبر کی زیارت

جس قبر کا یہ بھی حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان کی ہے یا کافر کی اس کی زیارت کرنی فاتحہ دینی ہرگز جائز نہیں کہ قبر مسلمان کی زیارت سنت ہے اور فاتحہ مستحب اور قبر کافر کی زیارت حرام ہے اور اسے ایصال ثواب کا قصد کفر۔۔۔تو جو امر سنت وحرام یا مستحب وکفر میں متردد ہو وہ ضرور ممنوع وحرام ہے (ملخصاً) (۸۲)

۴۔طواف قبر

الف) بلاشبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو یہی ادب پھر تقبیل کیوں کر متصور ہے۔یہ وہ ہے

جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔" (۸۳)

ب) مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ ' کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ نہ دینا چاہئے۔ علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں ممانعت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی۔ (۸۴)

۵۔ قبر سے الٹے پاؤں پلٹنا

"ہاتھ باندھے الٹے پاؤں آنا ایک طرز ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں۔ ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے"۔ (۸۵)

۶۔ عورتوں کے لئے زیارت قبور

"عورتوں کو زیارت قبور منع ہے حدیث میں ہے لعن اللّٰہ زائرات القبور اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔ مجاور مردوں کو ہونا چاہئے۔ عورت مجاور بن کر بیٹھے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بد ہے۔ عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے۔ نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا۔ جس میں بعض اوقات مردوں کے ساتھ اسے تنہائی بھی ہو گی۔ اور یہ حرام ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم (۸۶)

۷۔ پختہ قبر

میت کے گرد پختہ نہ ہو اوپر کا حصہ پختہ کر دیں تو حرج نہیں واللہ تعالیٰ اعلم (۸۷)

۸۔ بلندی قبر

قبر کو اونچا بنانا خلاف سنت ہے میرے والد، میری والدہ ماجدہ میرے بھائی کی

قبریں دیکھئے ایک بالشت سے اونچی نہ ہوں گی۔(۸۸)

۹۔قبر پر چراغ،لوبان سلگانا

عود،لوبان وغیرہ کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہئے۔اگر چہ کسی برتن میں ہو۔۔۔اور قبر کے قریب سلگانا اگر وہاں نہ کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی (قرآن کی تلاوت کرنے والا) یا ذاکر (اوراد و وظائف پڑھنے والا) ہو بلکہ صرف قبر کے لئے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف و اضاعت مال ہے۔(۸۹)

۱۰۔قبر پر اگر بتی سلگانا

اگر بتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوئے ادب اور بدفالی ہے۔ عالمگیری میں ہے ان سقف القبر حق المیت ہاں قریب قبر زمین خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے" واللہ تعالیٰ اعلم (۹۰)

۱۱۔قبرستان میں شیرینی کی تقسیم

(قبرستان میں مٹھائی) چیونٹیوں کو اس نیت سے ڈالنا کہ میت کو تکلیف نہ پہنچائیں یہ محض جہالت ہے اور یہ نیت نہ بھی ہو تو بھی بجائے اس کے مساکین صالحین پر تقسیم کرنا بہتر ہے (۹۱)

۱۲۔اجرت پر قرآن خوانی

"ثواب رسانی کے لئے قرآن عظیم پڑھنے پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز۔ (۹۲)

اس واضح حقیقت کے باوجود بھی ان مزارات اور خانقاہوں پر انہیں لوگوں کا قبضہ ہے جنہیں نہ تو بزرگان دین سے عقیدت ہے اور نہ ہی محبت۔اگر ان لوگوں کو ان مشائخ اور بزرگان دین سے محبت ہوتی تو ان کی درگاہوں اور خانقاہوں کو غیر شرعی رسوم و آداب کا اکھاڑا

نہ بننے دیتے۔ اسی لئے ان اسلام دشمن خانقاہیوں کے غاصبانہ قبضہ سے ان مقدس خانقاہوں کو نکال کر غیر شرعی رسوم سے پاک وصاف کرنے کے لئے علمائے اہل سنت کی باوقار تنظیم مسلم کنونشن لکھنؤ کے تحت ایک احتجاجی جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں مقررین نے حکومت سے مطالبہ کیا :

"خانقاہوں اور درگاہوں کے انتظام کی ذمہ داری اہل سنت وجماعت کو سونپی جانی چاہئے لیکن گزشتہ کئی دہائیوں سے اہل سنت وجماعت کو نظر انداز کیا گیا اور ایسے لوگوں کو خانقاہوں اور اوقاف کی ذمہ داری سونپی گئی جنہیں نہ تو واقف کے منشا کا علم ہے اور نہ ہی ان کا خانقاہوں سے کوئی تعلق ہے۔"

انہوں نے اپنی تقاریر میں یہ بھی کہا کہ:

"آج درگاہوں کا نظام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو مزارات کو نیلام کررہے ہیں اور اعراس کے موقع پر لگنے والے میلوں میں رقص وسرور کی محفلیں آراستہ کی جاتی ہیں جس سے اہلسنت وجماعت کی بدنامی ہوتی ہے اور یہ سب باضابطہ طور پر سازش کے تحت اہل سنت وجمات کو بدنام کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے ایسے معاملات پر قابو پانا ہماری ذمہ داری ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ خانقاہوں اور درگاہوں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کو سونپے جن کا براہ راست خانقاہوں سے تعلق ہے" (۹۳)

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں جب باطل فرقوں نے دین حق کی صورت کو مسخ کرنے کے لئے نہ جانے کتنی اسکیمیں تیار کیں تو امام احمد رضا قادری ہی وہ عاشق رسول تھے جو دشمنان رسول کی پروا کئے بغیر ناموس دین مصطفوی ﷺ کی حفاظت وصیانت اور تحفظ وبقا کے لئے سینہ سپر اور کفن بردوش ہو کر میدان میں آئے اور بدعات ومنکرات سے اسے پاک ومنزہ رکھنے کے لئے جہاد بالقلم کا نہ صرف نعرہ بلند کیا بلکہ

اس پر عمل پیرا بھی ہوئے۔ یہی وہ ان کی دینی حمیت تھی جسے متعصب ذہن ودماغ کے لوگوں نے شدت پسندی سے تعبیر کیا ہے۔ امام احمد رضا قادری کے کلام میں شدت پسندی تھی یا نہیں اور تھی تو کس قدر تھی؟۔ تمامتر ذہنی اختلافات کے باوجود اس موضوع پر خواجہ حسن نظامی نے جو اپنا قول فیصل صادر فرمایا ہے وہ مبنی بر صداقت ہے لکھتے ہیں۔

''بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مأتہ ماضیہ کہتے ہیں اور در حقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے وہ منصب مجدد کے مستحق ہیں انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھے اور جن کے جوابات گروہ صوفیا کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہئے۔ ان کے مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا (امام احمد رضا) کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، مگر شاید ان لوگوں نے اسماعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں، جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیہ علمی حیثیت سے موصوف کو اپنا بہادر، صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔ (۹۴)

مصادر و مراجع

۱۔خواجہ حسن نظامی۔حیات اور کارنامے خواجہ حسن نظامی ثانی ص ۱۸۴ دہلی ۱۹۸۷ء

۲۔تنقید نامہ پروفیسر عنوان چشتی ص ۵۶ دہلی ۱۹۹۲ء

۳۔خواجہ حسن نظامی حیات اور کارنامے ص ۹۳

۴۔خواجہ حسن نظامی حیات اور کارنامے ص ۹۳

۵۔خواجہ حسن نظامی حیات اور کارنامے ص ۹۵

۶۔محرم نامہ خواجہ حسن نظامی ص ۸۱ دہلی ۱۹۳۳ء

۷۔فتاوی رضویہ احمد رضا قادری جلد نہم ص ۵

۸۔کرشن بیتی خواجہ حسن نظامی ص ۳۲ دہلی ستمبر ۱۹۳۳ء

۹۔کرشن بیتی ص ۱۵۴

۱۰۔خالق کو سجدہ تعظیم عبدالستار کلانوری ص ۱۳۹۱ھ

۱۱۔الاعلام عبدالحئی لکھنوی جلد ۸ ص ۵۲ دار عرفات رائے بریلی ۱۹۹۳

۱۲۔الاعلام جلد ۸ ص ۵۲

۱۳۔حرمت سجدہ تعظیمی احادیث کی روشنی میں، احمد رضا قادری ص ۱۵

ترتیب محمد صدیق ہزاروی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۱ء

۱۴۔مرشد کو سجدہ تعظیم خواجہ حسن نظامی ص ۲ دہلی ۱۳۴۱ھ

۱۵۔مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۴

۱۶۔مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۶

۱۷۔مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۱۰

۱۸۔مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۱۰

۱۹۔ حرمت سجدہ تعظیم احمد رضا قادری (تلخیص وترجمہ) لاہور ۱۹۷۷ء

۲۰۔ سورہ آل عمران آیت ۸۰

۲۱۔ حرمت سجدہ تعظیم ص ۱۱

۲۲۔ جلالین جلال الدین سیوطی ص ۵۵ دہلی

۲۳۔ تفسیر مدارک عبداللہ احمد نسفی (۱:۱۶۶) بیروت، لبنان

۲۴۔ تفسیر کشاف جاراللہ زمخشری، (۱:۴۴۰) انتشارات آفتاب تہران

۲۵۔ انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) عبداللہ بن عمر بیضاوی، (۱:۴۴) مصر

۲۶۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی (۱:۸) مصر

۲۷۔ حاشیہ الشہاب وکفایۃ الراضی احمد بن عمر شہاب الدین خفاجی (۴۱۳) دار صادر بیروت

۲۸۔ حرمت سجدہ تعظیم ص ۱۳

۲۹۔ حرمت سجدہ تعظیم ص ۱۴

۳۰۔ سورہ فصلت آیت ۳۷

۳۱۔ مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۹

۳۲۔ مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۱۰

۳۳۔ مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۲۱

۳۵۔ حرمت سجدہ تعظیم ص ۸۲

۳۶۔ مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۹

۳۷۔ حرمت سجدہ تعظیم ص ۸۲

۳۸۔ خالق کو سجدہ تعظیم ص ۳

۳۹۔ مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۹

۴۰۔ مرشد کو سجدہ تعظیم ص ۲۱

۴۱۔ حرمت سجدہ، تعظیمی احادیث کی روشنی میں ص ۴۴

۴۲۔ حرمت سجدہ، تعظیمی احادیث کی روشنی میں ص ۲۵

۴۳۔ صحیح ابن حبان ابن حبان، (۷:۱۸۳) ادارہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ

۴۴۔ کشف الاستار علی بن بکر ہیثمی، (۲:۱۷۶) بیروت

۴۵۔ السنن الکبریٰ احمد حسین بیہقی، (۷:۲۹۱) دار صادر بیروت

۴۶۔ المستدرک علی الصحیحین ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری (۲:۱۸۹) دار الفکر بیروت

۴۷۔ الجامع الصحیح سنن ترمذی ابو عیسیٰ ترمذی، (۳:۴۶۵) بیروت ۱۹۵۸ء

۴۸۔ مرشد کو سجدہ، تعظیم ص ۲۲

۴۹۔ مرشد کو سجدہ، تعظیم ص ۲۳

۵۰۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۴۷

۵۱۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۷۵

۵۲۔ الفوز العظیم فی رد سجدہ، تعظیم زاہد القادری، ص ۱۱ دہلی ۱۳۴۱ھ

۵۳۔ فتح العزیز شاہ عبدالعزیز دہلوی، ص ۱۰۹ افضل المطابع شیخ الٰہی بخش

۵۴۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۶

۵۵۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۷۲

۵۶۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۱۰۷

۵۷۔ مرشد کو سجدہ، تعظیم ص ۲۱

۵۸۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۱۰۷

۵۹۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۳۵

۶۰۔ خالق کو سجدہ، تعظیم ص ۱۵

۶۱۔ حرمت سجدہ، تعظیم ص ۵۲

۶۲۔ احکام شریعت،　　احمد رضا قادری جلد ۳ ص ۲۲۴ مدینہ پبلشنگ کراچی

۶۳۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت　　مسعود احمد ص ۱۹۲

۶۴۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۶۰

۶۵۔ مرشد کو سجدہ تعظیم　　ص ۴۴

۶۶۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۶۹

۶۷۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۶۹

۶۸۔ مرشد کو سجدہ تعظیم　　ص ۲۰ دہلی ۱۳۳۸ھ

۶۹۔ الفوز العظیم در رد سجدہ تعظیم　　ص ۱۸

۷۰۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۹۵

۷۱۔ جلالین　　جلال الدین سیوطی ص ۱۱۹۸ صح المطابع دہلی

۷۲۔ جلالین　　جلال الدین محلی ص ۱۲۴۷ صح المطابع دہلی

۷۳۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۹۸

۷۴۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۹۸

۷۵۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۹۸

۷۶۔ حرمت سجدہ تعظیم　　ص ۹۸

۷۷۔ فتاوی فیض الرسول　　جلال الدین احمد امجدی، جلد ۲ ص ۴۹۶
دارالاشاعت فیض الرسول براؤں شریف ۱۹۹۳ء

۷۸۔ شامی　　ابن عابدین　　(551:9) مطبوعہ دیوبند

۷۹۔ الزبدۃ الزکیۃ　　احمد رضا قادری　　ص ۱۰،۵

۸۰۔ فتاوی رضویہ　　احمد رضا قادری　　جلد ۴ ص ۱۱۵ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۴ء

۸۱۔ فتاوی رضویہ　　جلد ۴ ص ۱۴۱

۸۲۔ احکام شریعت		حصہ دوم ص ۲۳۴ مکتبہ نعیمیہ دہلی ۱۹۹۸ء
۸۳۔ فتاوی رضویہ		جلد ۴ ص ۸
۸۴۔ فتاوی رضویہ		جلد ۴ ص ۸
۸۵۔ فتاوی رضویہ		جلد ۴ ص ۱۶۵
۸۶۔ احکام شریعت		حصہ دوم ص ۳۳
۸۷۔ الملفوظ	احمد رضا قادری	حصہ سوم ص ۷۹
۸۸۔ فتاوی رضویہ		جلد چہارم ص ۱۰۷
۸۹۔ فتاوی رضویہ		جلد ۴ ص ۱۴۱
۹۰۔ فتاوی رضویہ		جلد ۴ ص ۱۸۵
۹۱۔ الملفوظ		حصہ سوم ص ۲۷۳ قادری کتاب گھر بریلی ۲۰۰۳ء
۹۲۔ فتاوی رضویہ		جلد ۴ ص ۲۱۸
۹۳۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی		ص ۵ ۲۷/جون ۲۰۰۶ء
۹۴۔ ہفت روزہ خطیب دہلی		۲۲/مارچ 1915ء

امام احمد رضا قادری

اور

مرزا غلام احمد قادیانی

نظریۂ ختم نبوت کا تقابلی مطالعہ

سرکار دو عالم ختمی مرتبت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ خاتم النبیین ہیں اب کسی قسم کا کوئی نبی دنیا میں آنے والا نہیں مگر بعض مدعیان اسلام نے خاتم کی ایسی تشریح فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ آپ کے زمانے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تب بھی خاتمیت محمدیہ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ اسی توضیح کی روشنی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ امام احمد رضا قادری نے شدت سے اس کی مخالفت کی اور اس کی تردید میں متعدد رسالے لکھے یہ مقالہ انہی حقائق و مضمرات پر مشتمل ہے۔

ہندوستان میں قادیانی فتنہ کا آغاز انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد ہوا۔ اس فتنہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ ان کے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا کا نام عطا محمد تھا۔ باپ اور دادا دونوں انگریزوں کے دور حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ (۱)

مرزا غلام احمد کی ولادت ۱۸۳۹ء اور بقول بعض ۱۸۴۰ء میں ہوئی اور انتقال ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ انتقال ہوتے ہی اس کے متواتر دو جانشین نامزد ہوئے پہلے تو حکیم نور الدین اور پھر مرزا بشیر الدین محمود (۲)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تحصیل علم سے فراغت کے بعد ۷ ارسال کی عمر میں سیالکوٹ میں معمولی تنخواہ پر ملازمت کر لی جو صرف ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء ہی تک جاری رہ سکی یہ زمانہ ہندوستان میں انگریزوں سے بغاوت کا تھا۔ عوام وخواص سب ہی انگریزوں سے برسر پیکار تھے۔ علمائے کرام ملت اسلامیہ کو جہاد کی ترغیب دے رہے تھے۔ ایسے ماحول میں مرزا غلام احمد قادیانی وہ واحد شخص تھے جنہوں نے انگریزوں کی حمایت میں اپنا صرف زور قلم ہی نہیں صرف کیا بلکہ اپنی پوری ذریت اور پیروکاروں پر انگریزوں کی اتباع اور محبت لازم قرار دے دیا اور یہ کہنے میں ذرہ برابر بھی جھجک محسوس نہ کی۔

> ''گورنمنٹ انگلیسیہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ سلطنت مسلمانوں کے لئے آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔ (۳)

جو انگریز حکومت سے اس طرح الفت اور محبت کا دم بھرتا ہو اس کی انگریز نوازی کا کیا کہنا؟ چنانچہ وہ علمائے ربانیین جو انگریزوں کے خلاف حکم جہاد دے چکے تھے۔ مرزا نے ان علماء کے خیال اور بیان کی تردید کی اور کہا۔

"آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم سے بند کیا گیا اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا ہے اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے ۱۳ سو برس پہلے فرما دیا تھا کہ مسیح موعود کے آنے کے بعد تمام تلواروں کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا۔(۴)

مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کی حمایت اور وفاداری میں نہ جانے کیا کیا افکار پیش کئے اور واضح طور پر یہ بیان بھی صادر کر دیا۔

" ان طاعة الحكومة الانكليزية على مسلمي الهند فرض وان الجهاد حرام "(۵)

(ہندوستان کے مسلمانوں پر انگریز حکومت کی اطاعت فرض اور جہاد حرام ہے)

مرزا غلام احمد قادیانی نے جو جہاد کا فتویٰ صادر کیا وہ اس لئے نہیں تھا کہ اس میں کوئی شرعی قباحت نظر آتی تھی بلکہ اس کا دار و مدار صرف اور صرف انگریز حکومت کی وفاداری پر تھا۔

انگریزوں کی یہ پالیسی ہمیشہ رہی ہے "لڑاؤ اور حکومت کرو" اپنی اس پالیسی پر وہ کامیاب رہے لیکن سوال یہ بھی ہے کہ وہ آخر کب تک اپنی اس پالیسی پر عمل کر کے ہندوستانی عوام کو بے وقوف بنا سکتے تھے لوگوں نے عقل و شعور کا سہارا لیا اور دو ایک کو چھوڑ کر تمام علماء نے بیک زبان ہو کر نعرۂ جہاد بلند کیا۔ یہ ایک ایسا مذہبی جنون تھا جس کا سد باب ممکن نہ تھا چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی میدان میں آئے اور انہوں نے حتی الامکان علمائے حق کی مخالفت کی اور ان کے فتویٔ جہاد کو خلاف شرع قرار دے کر حرام قرار دے دیا۔ اس سے ملت اسلامیہ میں ایک زبردست مذہبی دھماکہ ہوا جس کی زد میں عوام اور خواص دونوں آگئے،

مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ جانے کس کس طرح کی غیر دانشمندانہ باتیں کیں پہلے تو ۱۸۸۰ء میں انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ میں مجدد ہوں میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔ دسمبر ۱۸۸۸ء میں یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں سے بیعت لینے کے لئے فرمایا۔ پھر ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو پنجاب کے ضلع گورداسپور کے قصبہ قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریک پر ایک جماعت کی تشکیل عمل میں آئی لدھیانہ کے مقام پر ۴۰ افراد نے بیعت کی۔ اور اس طرح سلسلہ احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۰۰ء میں بانی تحریک نے اس جماعت کا نام "جماعت احمدیہ" رکھا تاکہ امام مہدی کی جماعت دوسرے عام مسلمانوں سے ممتاز رہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا انتقال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو مولانا نور الدین خلیفہ اول منتخب ہوئے۔ دوسرے خلیفہ کی حیثیت سے ۱۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو مرزا بشیر الدین محمود کا انتخاب ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے وقت احمدیہ جماعت کے ہزاروں افراد پاکستان ہجرت کر کے چلے گئے اور پنجاب میں دریائے چناب کے کنارے ایک نیا مرکز تعمیر کیا جو ربوہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ دہلی، سری نگر، مالیر کوٹلہ پنجاب، کانپور، بنارس، حیدر آباد، کالی کٹ، کوچین، مدراس اور بیرون ہند میں لندن وغیرہ اس طرح دنیا کے ۱۳۷ ممالک میں احمدیہ جماعت کے مراکز قائم ہوئے۔ جس سے کروڑوں افراد منسلک ہیں۔ یہ جماعت اپنے ممبران کی فکری اور ذہنی تربیت کے لئے دنیا کی مختلف زبانوں میں رسائل و جرائد شائع کرتی ہے۔ مختلف ممالک کی ۱۷ زبانوں میں ۷۹ اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں جماعت احمدیہ کے تحت ۱۳۰۶ اسکول چل رہے ہیں اور روز افزوں ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد بھارت میں کل ۳۱۳ افراد قادیان میں رہ گئے تھے لیکن آج نہ صرف قادیان، قادیانیت کی تبلیغ کا مرکز بنا ہوا ہے بلکہ قادیانیت کا زہراب کئی شہروں میں سرایت کر چکا ہے اور دولت کی لالچ میں لوگ اپنا مذہب تبدیل کر رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے تنظیمی ڈھانچہ میں صرف ممبر شپ ہوتی ہے۔ ممبر شپ کے لئے آدمی کو اپنے قائد کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہوتا ہے جس کے بعد وہ چند باتوں کا اعلان کر کے یعنی تجدید ایمان احمدیہ کے بعد باضابطہ ممبر بنالیا جاتا ہے۔ ہر ممبر کے لئے لازم ہے کہ وہ نماز جمعہ مشن کے مرکز میں ہی ادا کرے کیونکہ کسی اور مسجد میں اس کی نماز نہیں ہو سکتی۔ ہر ممبر کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی کل آمدنی کا ۶/۱ فی صد حصہ مشن کو اشاعت اسلام کے لئے ہر ماہ ادا کر دے جب کہ زکوٰۃ، صدقات، فطرہ وغیرہ کا اس حصہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی ممبر تین ماہ تک اپنی آمدنی کا حصہ مشن کو نہیں بھیجتا ہے تو وہ قادنیوں کے زمرہ سے نکال دیا جاتا ہے۔

اس طرح بے شمار ان کے باطل عقائد و نظریات اور مستحکم اصول و ضوابط ہیں جس کا انہوں نے کھل کر پرچار کیا اور نہ صرف پرچار کیا بلکہ بندگان خدا کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے ہر ممکن جدوجہد بھی کی۔ ان کے معتقدین کو موجودہ دور میں ''احمدی'' ''مرزائی'' اور ''قادیانی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے ''نبی ظلی'' کی ایک نئی اصطلاح قائم کی۔ ۱۸۹۶ء میں انہوں نے اپنے کو کرشن ہونے کا دعویٰ کیا جس کے پاداش میں آریہ سماج سے سخت اختلافات کا سامنا کرنا پڑا۔ (۶)

> ان حالات کے نشیب و فراز کے ساتھ جب انہیں کہیں یکسوئی فراہم نہ ہو سکی اور ہر باطل عقیدے کے اظہار میں انہیں منہ کی کھانی پڑی تو تنگ آ کر ایک باطل عقیدہ پر استحکام اختیار کر لی اور وہ عقیدہ خود کو نبی ظاہر کرنے کا تھا۔ چنانچہ اس عقیدہ کے ثبوت میں قرآن کی آیتوں سے جس طرح ممکن تھا اپنے دعوی کے ثبوت میں خراش تراش کر پیش کیا۔ دعویٔ نبوت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس وحی بھی آئے اس لئے انہوں نے لگے ہاتھوں یہ بھی اعلان کر دیا کہ ''خدا کا کلام مجھ پر اس قدر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جز سے کم نہیں ہوگا''۔ (۷)

دنیائے انسانیت میں نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والے یہ کوئی پہلے شخص نہیں اس سے قبل نہ جانے کتنے لوگوں نے نہ صرف نبوت بلکہ خدائی کا دعویٰ بھی کیا۔ مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی تک کئی لوگ نبوت، الوہیت، مسیحیت، مہدویت، اور مظہریت کے دعویدار گذرے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ خود قادیان کے جھوٹے مدعی نبوت کے امتیوں میں چودہ عدد مدعیان نبوت و مہدویت بھی گذر چکے ہیں ان تمام مدعیوں کے نام سنہ اور دعوی کی تفصیلات شاہ قادری سید مصطفےٰ رفاعی کے ایک مقالہ کے حوالے سے ہم یہاں درج کر رہے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے کل ۲۰۲ دعوے کیے ہیں ان میں خدائی کا دعویٰ بھی ہے، نبی و رسول کا بھی، مسیح کا بھی اور کئی حضرات کے اوتار ہونے کا بھی اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا نام ہر جگہ آئے گا۔

مدعیان الوہیت :

درج ذیل لوگوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔

۱۔ بابک خرامی نے ۲۰۰ھ میں بغداد میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔

۲۔ الحاکم فاطمی خلیفہ نے ۴۱۰ھ میں قاہرہ میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔

۳۔ سکون بن ناطق نے ۴۲۶ھ میں قاہرہ میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔

۴۔ ابوعبداللہ بن شباش نے ۴۵۰ھ میں صمیر میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔

۵۔ ابوالحسن علی عنبر شمیم نے ۴۸۰ھ میں بغداد میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔

۶۔ رشید الدین ابوالحشر سنان نے ۶۵۷ھ میں شام میں خدا ہونے کا دعویٰ کیا

۷۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے چودھویں صدی ہجری میں قادیان میں خدا ہونے دعویٰ کیا۔

مدعیان نبوت و رسالت :

درج ذیل لوگوں نے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔

۱۔ صاف بن صیاد	مدینہ منورہ	۰۲ھ
۲۔ اسود بن کعب	یمن	۰۶ھ
۳۔ طلیحہ بن خویلد اسدی	خیبر	۰۸ھ
۴۔ سلیمہ بن کبیر	یمامہ	۱۰ھ
۵۔ سجاح بنت حارث	الجزیرہ	۱۴ھ
۶۔ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی	کوفہ	۶۴ھ
۷۔ بنان بن سمعان تیمی	کوفہ	۹۶ھ
۸۔ ابو منصور عجلی	کوفہ	۱۲۰ھ
۹۔ مغیرہ بن سعید عجلی	کوفہ	۱۲۹ھ
۱۰۔ صالح بن طریف	اندلس	۱۳۰ھ
۱۱۔ محمد بن فضلاس الخطاب	کوفہ	۱۳۴ھ
۱۲۔ اسحاق اخرس	مراکش	۱۳۵ھ
۱۳۔ حکیم مقنع	بغداد	۱۴۸ھ
۱۴۔ استاد سیس	ایران	۱۵۴ھ
۱۵۔ ابوعیسیٰ بن یعقوب	اصفہان	۲۱۸ھ
۱۶۔ علی بن محمد بن عبدالرحیم	بحرین	۲۴۹ھ
۱۷۔ یہود بن ابان	بحرین	۲۶۰ھ
۱۸۔ ابوالعباس	قاہرہ	۲۹۸ھ
۱۹۔ حمزہ زوزنی	مصر	۴۱۱ھ
۲۰۔ بہافرید بن ماہ قزرین	نیشاپور	۴۴۲ھ
۲۱۔ حسین بن حمران	عراق	۴۸۳ھ

۲۲۔محمود احد گیلانی	عراق	۶۰۰ھ
۲۳۔قطب الدین احمد	افریقہ	۶۵۵ھ
۲۴۔احمد ہلال	دمشق	۷۸۰ھ
۲۵۔بایزید عبداللہ انصاری	ہندوستان	۹۴۱ھ
۲۶۔مرزا غلام احمد قادیانی	پاکستان	۱۸۹۱ء
۲۷۔چراغ دین	جموں کشمیر	۱۹۰۳ء
۲۸۔عبداللہ تیماری	حیدر آباد	۱۹۰۴ء
۲۹۔عبداللہ پٹواری	چیچہ وطنی	۱۹۰۷ء
۳۰۔احمد سعید قادیانی	سمیٹریال	۱۹۱۷ء
۳۱۔احمد نور سرمہ فروش	قادیان	۱۹۱۸ء
۳۲۔یحییٰ عین اللہ	بہار	۱۹۲۰ء
۳۳۔خواجہ اسماعیل لندن	لندن	۱۹۳۰ء
۳۴۔ٹموتھی عرف کارڈیو علی	لاطینی امریکہ	۱۹۲۶ء
۳۵۔محمد ومروا	نائجیریا	۱۹۸۱ء
۳۶۔محمد علی	غازی پور شیخوپورہ	۱۹۸۲ء

مدعیان مسیحیت :

درج ذیل لوگوں نے "حضرت عیسیٰ مسیح" ہونے کا دعویٰ کیا۔

۱۔حرب بن عبداللہ	بغداد	۱۳۸ھ
۲۔ابو جعفر محمد بن علی شعانی	قاہرہ	۳۰۰ھ
۳۔عبداللہ بن احمد زکرویہ	مصر	۳۰۱ھ
۴۔ماوطی	سوڈان	۳۱۶ھ

۵۔ابو محمد حامیم	افریقہ	۳۱۳ھ
۶۔احمد بن کیان	افغانستان	۳۱۸ھ
۷۔تجیت (عورت)	افریقہ	۳۱۸ھ
۸۔جوع (عورت)	افریقہ	۳۲۲ھ
۹۔اصغر بن ابوالحسن تغلمی	حران	۴۴۹ھ
۱۰۔جان محمد فرہی	سندھ	۸۸۷ھ
۱۱۔شیخ محمد فرہی	سندھ	۸۹۵ھ
۱۲۔سباتائی (سیوی)	ترکی	۱۶۶۷ء
۱۳۔میر محمد حسین شہدی	ایران	۱۱۸۷ھ
۱۴۔مرزا غلام احمد قادیانی	قادیان	۱۸۹۱ء
۱۵۔فضل احمد چنگا	راولپنڈی	۱۹۲۴ء

مدعیان مہدویت:

درج ذیل لوگوں نے ''مہدی'' ہونے کا دعویٰ کیا۔

۱۔عبیداللہ مہدی	افریقہ	۲۹۶ھ
۲۔محمد ابن تومرت	مراکش	۴۵۰ھ
۳۔محمد بن عبداللہ عاضد	قاہرہ	۴۵۰ھ
۴۔سید محمد جونپوری	جونپور (ہندوستان)	۸۴۰ھ
۵۔احمد عبداللہ عباسی	مراکش	۹۷۰ھ
۶۔میر محمد نور بخش	گجرات	۹۸۰ھ
۷۔احمد بن علی محیرتی	یمن	۱۰۴۰ھ
۸۔محمد بن عاصم ازبک	کردستان	۱۰۷۰ھ

۹۔محمد بن عبداللہ	ترکی	۱۰۷۵ھ
۱۰۔محمد احمد سوڈانی	سواڈان	۱۸۸۰ء
۱۱۔مرزا غلام احمد قادیانی	قادیان (چودہویں صدی ہجری)	
۱۲۔عبداللطیف گن چوری	گجرات	۱۹۱۰ء
۱۳۔عالی جاہ محمد	امریکہ	۱۹۵۲ء
۱۴۔بشارت احمد	مالوکے سیالکوٹ	۱۹۷۷ء
۱۵۔بشیر احمد	خیر پور سندھ	۱۹۸۴ء

مدعیان مظہریت :

درج ذیل لوگوں نے ''مظہریت'' کا دعویٰ کیا۔

۱۔علی محمد باب	ایران	۱۲۴۰ھ	مامور من اللہ
۲۔قرۃ العین (عورت)	ایران	۱۲۵۰ھ	مظہر فاطمہ
۳۔صبح ازل	ایران	۱۲۵۰ھ	مامور من اللہ
۴۔بہاءاللہ	ایران	۱۲۷۰ھ	مامور من اللہ
۵۔ملا محمد بار فروشی	ایران	۱۲۸۰ھ	مامور من اللہ
۶۔مومن شاہ بخاری	ایران	۱۲۸۰ھ	من مظہر اللہ

۷۔مرزا غلام احمد قادیانی نے مامور من اللہ، مظہر خدا، مظہر انبیاء، مظہر حضرت علی، مظہر حضرت امام حسین، مظہر حضرت امام حسن اور یہاں تک کہ کرشن کا اوتار وغیرہ اس طرح کل سترہ دعوے چودہویں صدی ہجری میں یکے بعد دیگرے کرڈالے۔

۸۔منشی ظہیر الدین اروبی	گوجرانوالہ	۱۹۰۶ء مظہر یوسف
۹۔نبی بخش قادیانی	معراجکے	۱۹۱۱ء مامور من اللہ

۱۰۔ صدیق دیندار　　　　حیدر آباد　　　　۱۹۱۰ء چن بشویشور (۸)

مرزا غلام احمد قادیانی کے مریدین اور حوارئین میں سے جنہوں نے نبوت کے دعوے کئے اس کی فہرست اس سے جداگانہ ہے جس کی تفصیل محمد عالم آسی استاذ العربیۃ مدرسۃ المسلمین امرتسر نے اپنی تصنیف الکاویۃ علی الغاویۃ یعنی چودھویں صدی ہجری کے مدعیان نبوت میں دی ہے جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ چراغ دین نبوی حموی

مرزا غلام احمد قادیانی نے رسالہ دافع البلاء میں اس کا ذکر کیا ہے کہ وہ میری تائید کے لئے مبعوث ہوا تھا مگر میں نے اس کو منظور نہیں کیا۔

۲۔ الٰہی بخش ملتان

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید تھا۔

۳۔ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی

بیس سال تک مرزائی رہ کر خود نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔

۴۔ ڈاکٹر ڈوئی امریکہ

مرزا صاحب نے کہا کہ چونکہ وہ میرے مقابل کھڑا تھا اس لئے فالج ؒ۔ نے سے مر گیا۔

۵۔ احمد سعید سنبھڑیالی

اس نے اپنا لقب یوسف موعود رکھا اور پیرھن یوسفی کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں اپنے الہامات جمع کئے۔

۶۔ ظہیر الدین اروپ ضلع گوجرانوالہ پاکستان

اس نے بھی یوسف موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اس نے براھین حقّہ کے نام سے کتاب لکھی جس میں اس نے لکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی حقیقی نبی تھے۔

۷۔ یار محمد وکیل ہوشیار پور

اس نے یہ دعویٰ کیا کہ مرزا صاحب کے بعد گدی کا حقدار میں ہوں۔

۸۔ فضل احمد بن غلام احمد ڈاکخانہ چنگا بنگیال متصل گجر خاں

اس نے دعویٰ کیا کہ اقوام عالم کے لئے میں خدا کے ارادوں کا الارم ہوں، قائم بامر اللہ ہوں میں ہی وہ خزانہ تقسیم کروں گا جو بیت اللہ میں ہے۔

۹۔ مرزا محمد دین مرزا غلام احمد قادیانی

اپنے والد سے کان اللہ نزل من السماء کا خطاب حاصل کیا۔ فخر الرسل بھی خطاب ملا۔ ۱۹۳۳ء میں سالانہ جلسہ کے موقع پر بیان کیا کہ فرشتوں نے مجھے قرآن شریف کے جدید مفہوم سمجھائے جو آج تک کسی کو معلوم نہیں۔

۱۰۔ عبد اللہ تیما پوری

اسے دائیں بازو کی طرف سے الہام ہوتا تھا۔ انجیل مقدس اس کی کتاب ہے اس کے تابعدار کیمل پور اور پشاور کے مضافات میں پائے جاتے ہیں۔

۱۱۔ عابد علی شاہ بدوملی ضلع سیال کوٹ

مرزا محمود کا فتویٰ ہے کہ مرزائیوں کو مسلمانوں سے رشتہ ناطہ قطعاً حرام ہے مگر اس نے اجازت دے رکھی تھی۔ یہ شخص طاعون سے مرا۔

۱۲۔ محمد بخش قادیانی

پہلے مرزائیت کا مخالف تھا بعد میں مرزائیت میں داخل ہو گیا اور بہت جلد ترقی کر کے الہامات شائع کر دئے۔

۱۳۔ ڈاکٹر محمد صدیق

علاقہ گدک بہار میں اس نے اپنے مذہب کی اشاعت کی "ظہور بشویسور" اس کی تصنیف ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ مسیح قادیان وشنو اوتار تھا اور میں چن بشویسور ہوں"۔

۱۴۔احمد نور کابلی قادیان

یہ سرمہ فروش خانہ بدوش افغان تھا اس نے ایک ٹریکٹ شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے لکل امة اجل اس عنوان کے تحت اس نے لکھا ہے کہ ''اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں دین میری ہی تابعداری کا نام ہے مجھے نہ ماننا اللہ کے دین سے اخراج ہے، رحمۃ اللعالمین ہوں میرا نام محمد رسول ہے۔

۱۵۔غلام محمد لاہوری

رسول محاسبہ مظہر قدرت ثانیہ تھے، کسی دفتر میں ملازم تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی مرضی کے خلاف کام ہوتا ہے تو انہوں نے دعویٰ نبوت کر دیا۔

۱۶۔عبد اللطیف قمر الانبیاء

مہدی آخر الزماں مجدد وقت اور رسول تھے موضع گناجور ضلع جالندھر پنجاب کے رہنے والے تھے انہوں نے اپنی کتاب ختم نبوت میں شائع کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، پر پہلے ایمان لائے تھے پھر نبی بنائے گئے۔ اسی طرح میں مرزا صاحب پر پہلے ایمان لایا تھا مگر ان کی وفات کے بعد مہدی آخر الزماں اور نبی امتی اور رسول بن گیا۔

۱۷۔نبی بخش معراج کے

ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا تھا اس کو دعویٰ تھا کہ مرزا صاحب کے طریق پر میں بھی اس وقت کا نبی ہوں کسی ظریف نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا تھا کہ ہم نے تو تمہیں نبی بنا کر نہیں بھیجا تم خواہ مخواہ کیوں نبی بن گئے۔

۱۸۔حکیم نور الدین بھیروی

اکثر مسلمان ان کی بدولت ہی مرزائیت میں داخل ہوئے اور یہی خلیفہ مسیح قرار پائے۔ گردن کا مسح چھوڑ رکھا تھا۔ نکسیر، قے اور قہقہہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا ۱۹۱۴ء میں

اس کی وفات ہوئی۔

۱۹۔خواجہ کمال الدین وکیل

انہیں بائبل سے خاص شغف تھا تبلیغ کے لئے یوروپ گئے وہاں ووکنگ مشن کی بنیاد ڈالی۔منابیع المسیحیة کے نام سے ایک کتاب لکھی۔خواجہ صاحب کے خیال میں مسلمان اس لئے کافر تھے کہ وہ مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے تھے۔

۲۰۔احمد رسول نبی چیچا وطنی ضلع منٹگمری

اس کی ادبی لیاقت بالکل محدود ہے مرزائیوں میں جس قدر جہالت کمال پر پہنچتی ہے اسی قدر نبوت کے دروازے ان پر کھل جاتے ہیں آنجناب اپنی کتاب ھدایة للعالمین میں فرماتے ہیں" الرسول یدعوکم نورا اطیعوا الرسول میں اشارہ میری طرف ہے۔

۲۱۔سید محبوب عالم شاہ

پنجاب گوجرنوالہ کے باشندے تھے انہوں نے " امام حقیقی " کے نام سے ایسی الہامی کتاب لکھی جس کے چار حصے ہیں۔حصہ عقدہ کشا میں لکھتے ہیں کہ پنجاب میں پنجابی نبی ہی آسکتا ہے جو اردو یا پنجابی میں تبلیغ کرے،نبوت کو کس نے بند کیا؟۔

۲۲۔یحییٰ بہاری

اس کی کتاب کا نام فرمان ہے جس میں اس کے تمام دعوے درج ہیں اس نے اپنے بارے میں ایک نظم لکھی ہے جس کے چند بند یہ ہیں۔

خود نبی اور خود نبا ہوں میں — خود بقا اور خود فنا ہوں میں
اپنے ہی آپ پر فدا ہوں میں — واہ کیا خوب دلربا ہوں میں
جنت ودوزخ وخلا ہوں میں — اختر مہر وماہ برج و فلک
بارش وبرق وطور وطا ہوں میں — ابر وباد سحاب وقوس وقزح
میں ہی میں بتاؤ کیا ہوں میں — الغرض جملہ کائن وماکان

اور ناممکن اقیاس جو ہووہ بھی میں ہوں بس اب خدا ہوں میں
بس خدا ہی کا نام یحیٰی ہے میں نہ کچھ یا وحا ویا ہوں میں (۹)

۲۳۔ عنایت اللہ مشرقی امرتسر

اس نے اسلام جدید کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کے لئے ایک ایسا دستور العمل پیش کیا جس پر عمل پیرا ہونے سے مسلمان ترقی پا سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف "اشارات "میں لکھا ہے پانچ بنائے اسلام (کلمہ، صوم، صلواۃ، حج وزکواۃ) اس وقت فروعات میں داخل ہیں۔ آج اسلام کے یہ دس اصول مقرر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ملکی کام کرنا

۲۔ اتحاد بین الاقوام

۳۔ حکومت کی تابعداری

۴۔ مخالفین سے جہاد بالمال

۵۔ جہاد بالنفس

۶۔ جہاد بالسیف

۷۔ غیر ممالک کا سفر کرنا۔

۸۔ سعی وعمل کی روکاوٹیں دور کرنا

۹۔ استقلال مکارم اخلاق

۱۰۔ ایمان بالآخرت

خدا نے ہی کہا تھا مگر علمائے وقت نے لوگوں کو بہکا کر نماز روزہ میں لگا دیا بس جو شخص ان اصول کا پابند ہو گا وہی مسلمان ہے ورنہ کافر ہے۔ (۱۰)

مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ اس نے دعویٰ الوہیت

بھی کر ڈالا اس طرح اس نے ستر دعوے کئے اور نہ صرف دعوے کئے بلکہ اس کے دعویٰ نبوت کی تصدیق اور تائید کرنے کے لئے بھی پنجاب کے کئی ایک لوگوں نے دعویٰ نبوت کر ڈالا۔ یہاں ہم صرف دعوی نبوت کے پس منظر پر گفتگو کریں گے اور واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ مرزا کے دعوی نبوت کے دواعی اور اسباب وعلل کیا تھے؟ ایچ ساجد اعوان اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

۱۸۶۹ء میں برطانوی حکومت نے برطانوی مدبروں، اعلیٰ سیاست دانوں، ممبران پارلیامنٹ اور مسیحی رہنماؤں پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا تا کہ وہ اس بات کا جائزہ لے سکے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اسباب کیا تھے؟ اور انگریزی حکومت کے دوام کی کیا صورت تھی؟ وفد کو اب تک ہندوستان کی فضاؤں سے نعرہائے تکبیر اللہ اکبر کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ جذبہ عشق رسالت ﷺ مسلمانوں کے دلوں میں اسی طرح موجزن تھا۔ وفد نے عیسائی مشنریوں اور سول سروسز کے افسروں خصوصاً یہودیوں سے ملاقاتیں کیں مسلم معاشرے میں گھس کران کی کیفیات کو بنظر غائر دیکھا ہندوستان کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا مسلم عوام پر ان کے مذہبی رہنماؤں کے اثر ورسوخ کا مشاہدہ کیا۔ خفیہ اداروں کے ذریعہ رپورٹیں حاصل کیں، ایک سال تک یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۸۷۰ء میں اس شیطانی وفد نے لندن میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا، جس میں عیسائی مشنریوں اور خفیہ اداروں نے دو الگ الگ رپورٹیں تیار کیں جنہیں اب یکجا کر کے The British Empire in India کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے اس رپورٹ کا اردو ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

> ''ملک ہندوستان کی آبادی کی اکثریت اندھا دھند اپنے پیروں یعنی روحانی رہنماؤں کی پیروی کرتی ہے اگر اس مرحلہ پر ہم ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اس بات کے لئے تیار ہو جائے کہ اپنے لئے ظل نبی

(حواری نبی) ہونے کا اعلان کر دے تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو جائے گی لیکن اس مقصد کے لئے مسلمان عوام سے کسی مسلمان کو ترغیب دینا بہت مشکل ہے اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو ایسے شخص کی نبوت کی سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھایا جاسکتا ہے ہم نے پہلے بھی غداروں کی مدد حاصل کر کے ہندوستان کی حکومتوں کو محکوم بنایا لیکن وہ مختلف مرحلہ تھا اس وقت فوجی نقطہ نظر سے غداروں کی ضرورت تھی لیکن اب جب کہ ہم نے ملک کے کونے کونے میں اقتدار بھی حاصل کر لیا ہے اور ہر طرف امن اور آرڈر ہے۔ ہمیں ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے ملک میں داخلی بے چینی پیدا ہو سکے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریز سرکار کو درخواستیں دے دے کر اور التجائیں کر کر کے منصب نبوت حاصل کیا۔ انگریز حکومت نے سرپرستی کی اور خود کاشتہ پودے کی آبیاری برطانوی حکومت ہنوز کر رہی ہے'' (۱۱)

مرزا غلام احمد قادیانی تو خود انگریزوں کے وفادار تھے۔ ان کے قبل ان کے آباء واجداد بھی انگریزوں کی حمایت میں اپنا زور بازو صرف کر چکے تھے جس کا اعتراف خود مرزا جی نے کتاب البریہ کے شروع میں اشتہار واجب الاظہار میں کیا ہے۔

''میں ایسے خاندان کا ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے میرا والد مرزا غلام مرتضٰی گورنمنٹ کی نظر میں وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ ریکسان پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دئے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودی حکام میں انہیں ملی تھیں مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ چکی ہیں اس کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی

ہیں۔ پھر میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف ہوا اور جب تموں کے گذر۔۔ پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا" (١٢)

دعوائے نبوت کے بعد قرآن و احادیث میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کہاں کہاں اپنے اپنے مفاد میں عبارتیں گڑھی ہیں۔ اس کی تفصیل موجب تطویل ہو گی البتہ قرآن مقدس کی آیات کے وہ مقامات جہاں انہوں نے اپنی دریدہ ذہنی کا ثبوت دیا ہے ذیل میں اس کے اقتباسات دئے جا رہے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ یہ صرف کہ نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ اس نے اپنے کو نبی آخر الزماں سے افضل بھی گردانا۔ وہ اپنے نبی ہونے کی دلیل میں جو قرآنی آیتیں پیش کرتا ہے ان میں یہ آیت جس میں لفظ احمد آیا ہوا ہے اس سے وہ اپنی ذات مراد لیتا ہے۔ درج ذیل آیت کی تفسیر میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

١۔" مبشراً برسول یاتی من بعدی احمد اسمه احمد لیس المراد به محمد رسول الله ﷺ بل المراد باحمد فی هذه الآیةالمرزا غلام احمد (١٣)

(مذکورہ آیت میں احمد سے مراد رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ اس سے مراد مرزا غلام احمد ہے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

٢۔یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة (١٣)

یہ آیت کس پس منظر میں نازل ہوئی ہے بہت ہی واضح ہے مگر ماتم کیجئے مرزا غلام احمد قادیانی کی عقل پر وہ کہتا ہے انا المراد بآدم و المراد بالجنة اختی یعنی آدم سے مراد میں (مرزا غلام احمد قادیانی) اور جنت سے مراد میری بہن جنت ہے۔ (١٥)

۳۔مرزاغلام احمد قادیانی کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا۔

"انا اعظم مسیح بن مریم لانی بحسب الروحانیة خاتم الخلفاء فی الاسلام کما کان المسیح بن مریم الخلفاء فی الاسرائیلین وکان ابن مریم ھو المسیح الموعود فی سلسلة موسیٰ وانا المسیح الموعود فی سلسلة محمد بھٰذہ المناسبة انا اعظم"

(روحانی اعتبار سے اسلام میں خاتم الخلفا ہونے کی وجہ سے میں مسیح اعظم ہوں جس طرح مسیح بن مریم اسرائیلوں میں خلیفہ تھے اور ابن مریم سلسلہ موسیٰ میں مسیح موعود تھے اسی طرح میں سلسلہ محمد میں مسیح موعود ہوں اس مناسبت سے میں بڑا ہوں)

۴۔قرآن کریم کی یہ آیت "ولہ الحمد فی الاولی والآخرة"

اس آیت کے شروع میں توحید ربانی کا ذکر ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ وہی اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

"کہ اس (خدا تعالیٰ کے اولیا دنیا میں بھی اس کی حمد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کی حمد سے لذت اٹھاتے ہیں" (۱۷)

اس آیت کی تشریح میں مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں۔

" ارید فی ھذہ الآیة الحمد ان المراد بالاولیٰ رسولنا احمد المصطفیٰ المجتبیٰ والمراد بالآخرہ احمد الذی یکون فی آخر الزمان اسمه المسیح والمھدی "(۱۸)

اس کی تشریح میں اولی سے مراد رسول گرامی وقار احمد مجتبےٰ ﷺ اور آخرت سے مراد احمد لیا ہے جو آخری زمانہ میں پیدا ہوگا جس کا نام مسیح اور مہدی ہوگا۔

اگر آپ سنجیدگی سے مذکورہ آیت کا مطالعہ کریں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ کس طرح مرزا جی نے خوف قیامت کی پروا کئے بغیر آیت میں بے باکانہ تحریف کر ڈالی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"سبحن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ (۱۹)

(پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے برکت رکھی) (کنز الایمان)

اس آیت کے ضمن میں مرزا غلام احمد قادیانی اختراع پردازی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والمسجد الاقصی ھو الذی بناہ المسیح الموعود فی القادیان سمی اقصی لبعدہٖ من زمان النبوۃ (۲۰)

(مسجد اقصی سے مراد اس جگہ یروشلم کی مسجد نہیں بلکہ مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں اور زمانہ نبی کے بہت بعد بنائی گئی اس لئے اسے قصیٰ کہا جاتا ہے)

۶۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (۲۱)

(اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائے گا اس کا نام احمد ہے)

پوری آیت کا ترجمہ دراصل یہ ہے" اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف سے اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائے گا اس کا نام احمد ہے" اس آیت کے مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے آیت کی تفسیر میں مرزا جی کا خیال ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں۔

"لیس المراد بہ محمد رسول اللہ ﷺ بل المراد باحمد فی

هذه الآیۃ ھو المرزا غلام احمد"(۲۲)

(اس آیت میں احمد سے مراد پیغمبر اعظم رسول اکرم ﷺ نہیں بلکہ اس احمد سے مراد مرزا غلام احمد ہیں)۔

مرزا جی نے اپنے اس قسم کے خلاف شرع خیالات ونظریات سے مذہبی دنیا میں ایک انتشار پیدا کر دیا۔ ملت اسلامیہ میں کچھ لوگوں نے ان ہفوات واباطیل کی تصدیق کی اوران کی آواز پر لبیک کہا۔ ان لبیک کہنے والوں میں عوام ہی نہیں بلکہ ارباب فکر ونظر بھی تھے۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کی ڈیڑھ کی اینٹ کی مسجد الگ تیار ہوگئی۔ مرزا جی نے جب اپنے حواریوں میں عزم واستحکام دیکھا تو انہوں نے اپنے افکار وخیالات کو مذہب کے سانچے میں ڈھال کر سلف صالحین سے اس کا رشتہ جوڑ کر کہنے لگے کہ جس فکر کی میں اشاعت کر رہا ہوں در حقیقت یہی دین اسلام ہے۔ انگریز نواز تھے ہی ان کی حمایت کے سائے میں مرزا جی کے افکار کی اشاعت جنگل کی آگ کی طرح دنیا کے بڑے ممالک میں ہونے لگی اور ہر بڑے ملک میں اس کے نام لیوا پائے جانے لگے ٹھیک اسی طرح جس طرح مامون کے دور حکومت میں معتزلیوں کو عروج حاصل ہوا۔ لیکن جب انگریز حکومت کا اقتدار ختم ہوا تو مرزا جی کی یہ جماعت بھی متاثر ہوئی۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد علماء نے چین کی سانس لی اور بلا اختلاف مسلک مرزا کے افکار کی تردید میں لگ گئے۔ چنانچہ ایک وقت وہ آیا کہ ''عقیدہ ٗختم نبوت کی تحریک،، جس مقاصد کی بنیاد پر اس کا وجود عمل میں آیا تھا وہ مکمل طرح کامیاب ہوگئی اور حکومت پاکستان نے سرکاری طور پر ان کے ارتداد پر علماء کے مشوروں کے مطابق شرعی فیصلہ صادر کر ہی دیا کہ قادیانی مرتد، کافر اور خارج از اسلام ہے پاکستانی پارلیمنٹ سے یہ فیصلہ صادر ہوتے ہی پاکستان کے جن علماء نے قادیانیت کے خلاف صف آرا ہو کر طویل جدوجہد کی ان کے سرخیل علامہ شاہ احمد نورانی (م ۲۰۰۴ء) تھے جنہوں نے پاکستان میں قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دینے کی جدوجہد فرمائی اور اس میں

وہ کامیاب ہوئے اس طرح انہوں نے لاکھوں بندگان حق کے قلوب کو فتنہ قادیانیت کی زد میں آنے سے بچالیا۔ پارلیمنٹ سے یہ بل پاس ہوتے ہی ان کے ساتھ اقلیتوں جیسا برتاؤ کیا جانے لگا۔ قادیانیت کے خلاف جو بل پاکستان میں پاس ہوا اس کا متن اس طرح تھا۔

''ا۔ اس قانون کو ترمیم ثانی قانون ۱۹۷۴ء کہا جائے گا۔

۲۔ یہ قانون فوری طور سے نافذ العمل مانا جائے گا۔

۳۔ لازم ہے کہ دفعہ ۱۰۶ کے فقرہ میں لفظ ''جماعتوں'' کے بعد اس عبارت کا اندراج کیا جائے قادیانیوں کی جماعت یا لاہوریوں کی جماعت (جو اپنے کو احمدی کہتے ہیں) کے افراد (غیر مسلم ہیں) اور حسب قانون (آئین پاکستان میں) ترمیم کی جاتی ہے۔

۴۔ جو شخص محمد عربی ﷺ کے آخری نبی ہونے کا ایمان نہیں رکھتا ہے یا اس لفظ ''خاتم النبیین'' کے معنیٰ میں سے جس کسی بھی معنیٰ کے اعتبار سے اور کسی بھی وصف کے ساتھ حضور کے بعد کہیں بھی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، یا نبوت وتجدید فی الدین کے مماثل کسی دعویٰ کا اعتراف کرتا ہے تو وہ غیر مسلم ہے''۔

پاکستانی پارلیمنٹ، علمائے حرمین، وبلاد شام، رابطہ عالم اسلامی کے علاوہ علماء دانشوروں اور دیگر مسلم تنظیموں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کے پیش نظر جو شرعی فیصلے صادر کیے ان کی بھی ایک فہرست ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

ا۔ مرزا قادیانی اور اس کی جماعت مسلمانوں سے ایک علیٰحدہ جماعت ہے یہ دو نوں کبھی ایک نہیں ہوسکتے بقول مسٹر بشیر احمد ایم اے پسر مرزا قادیانی

''مرزا قادیانی کے منکروں کو مسلمان کہہ کر مرزا کو کافر کہو یا مرزا کو سچا مان کر اس کے منکروں کو کافر کہو یہ نہیں ہوسکتا کہ تم دونوں کو مسلمان سمجھو'' (۲۳)

چنانچہ ۲۲/اگست ۱۸۸۷ء میں سب سے پہلے برطانوی دور حکومت میں ضلع

گورداسپور کی عدالت میں کورٹ کی زبان میں مرزا قادیانی کو فتنہ انگیز کہا گیا جس کا سیدھا مطلب شرع کی زبان میں یہ ہوتا ہے کہ اے نبی، مسیح اور مہدی تو کجا تجھے ایک شریف انسان بھی نہیں کہا جاسکتا۔

۲۴رفروری ۱۸۹۸ء میں مرزا قادیانی نے خود بخود لیفٹننٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی اور اپنی جماعت کی پوزیشن یہ واضح کی کہ وہ انگریزوں کا لگایا ہوا پودا ہے لہٰذا اس کو کوئی تعلق اسلام اور مسلمانوں سے نہیں ہے۔

۲۷رجون ۱۸۸۹ء میں مسٹر ٹی، ڈی ڈیکشن کمشنر ضلع گورداسپور نے مرزا انکم ٹیکس چوری کا الزام لگایا مرزا نے جھوٹ بول کر اگر چہ خود کو انکم ٹیکس سے بری کرا لیا لیکن تحقیقاتی رپورٹ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجرم تھا ظاہری بات ہے کہ ایسے مجرم مدعی نبوت کا اسلام اور مسلمانوں سے کیا واسطہ؟

۲۱رفروری ۱۸۹۹ء میں مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر ضلع گورداس پور کی عدالت میں مرزا نے یہ حلف اٹھایا کہ آئندہ باب وہ کسی کے خلاف بدزبانی نہیں کرے گا کسی کے خلاف کوئی پیشین گوئی نہیں کرے گا۔

۱۴رجولائی ۱۹۳۰ء میں افغانستان کی اسلامی عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ قادیانیت کا اسلام سے کوئی جوڑ نہیں۔

۱۹۱۲ء میں ابراہیم احمد صاحب جج ضلع مونگیر نے اپنے فیصلے میں قادیانیوں کا کافر قرار دیا قادیانیوں نے اس کے خلاف ہائی کورٹ فورٹ ولیم بنگال میں اپیل دائر کی مگر ہائی کورٹ نے بھی فیصلے کو درست ٹھرایا۔

۷رفروری ۱۹۲۵ء میں جی ڈی گھوسلہ جج ضلع گورداسپور نے واضح لفظوں میں یہ فیصلہ دیا کہ مرزائی اگر چہ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں مگر وہ مسلمان نہیں اور مرزا قادیانی انتہائی درجہ کا بداخلاق اور بدزبان ہے۔

۱۹۳۷ء میں موریشش کے چیف جسٹس نے قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دیا
۲۵ / مارچ ۱۹۵۴ء میں میاں محمد سلیم نے راولپنڈی میں اور ۳ / جون ۱۹۵۵ء میں شیخ محمد اکبر نے راولپنڈی میں قادیانیوں کو کافر قرار دیا۔
۱۹۵۷ء میں حکومت شام نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔
۱۹۶۹ء میں شیخ محمد رفیق گریجہ نے فیملی کورٹ میں اور ۱۳ / جولائی ۱۹۷۰ء میں سول جج جیمز آباد نے قادیانیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔
۱۹۷۴ء میں رابطہ عالم اسلامی نے اور ۷ / ستمبر ۱۹۷۴ء میں پاکستان پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔
۱۹۸۱ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس جاریہ ہوا۔ (۲۴)

مرزا غلام احمد قادیانی ان ہفوات و اباطیل کے دلدل میں کیوں کر پھنسے اور انہوں نے یہ خارزار وادی جس کا مسافر ایمان کو ڈبوتا ہوا نظر آئے کیوں اختیار کی اور اپنی شہرت کے لئے دعویٰ نبوت کو کیوں سہارا بنایا جب کہ اس سے قبل وہ نبوت کے ان جھوٹے دعویداروں کا حشر دیکھ چکے تھے اور جن کے خرافات اور ہذیانات سے تاریخ انسانیت کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اور اسی پر بس نہیں جس نے مرزا جی کو نبی تسلیم نہیں کیا اس کے خلاف فتوائے کفر بھی صادر کر دیا وہ اپنی کتاب براھین احمدیہ کے حصہ پنجم میں میں تحریر فرماتے ہیں ۔

''انہیں دنوں میں آسمان سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائے گی اور خدا اپنے منہ سے اس فرقے کی حمایت کے لئے ایک کرنا بجائے گا اور اس کرنا کی آواز سے ہر ایک سعید اس فرقہ کی طرف کھنچا آئے گا بجز ان لوگوں کے جو شقی ازلی ہیں، جو دوزخ کے بھرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں''۔ (۲۵)

مجھے الہام ہوا ہے کہ جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل

نہیں ہوگا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہوگا۔ (۲۶)

ایک دوسری جگہ یہ عبارت بھی ملتی ہے۔

''خدائے تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اس قسم کے خیال کا اظہار صرف مرزا جی نے ہی نہیں کیا بلکہ پوری قادیانی جماعت کا بھی یہی عقیدہ تھا''۔ (۲۷)

اس جماعت کے امیر و قائد مرزا بشیر الدین محمود فرماتے ہیں۔

کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوتے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے'' (۲۸)

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیوں کیا یہ قابل غور مسئلہ ہے یہ مسلم ہے کہ ہمارے پیغمبر رسول اکرم ﷺ تمام نبیوں میں افضل اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں آپ کے خاتم النبیین ہونے کا اعتراف دنیا کے اکثر دانشوروں نے کیا ہے۔ جب آپ آخری نبی ہیں اور آپ کی نبوت آخری نبوت ہے تو پھر مرزا قادیانی نے دعویٰ نبوت کس خوش فہمی یا کس مجبوری کے تحت کیا۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو دعویٰ نبوت کی راہ دراصل دیوبندی مکتب فکر کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اس دانشورانہ خیال اور قائدانہ فکر سے ملی جسے انہوں نے ختم نبوت سے متعلق تحذیر الناس نامی کتاب میں پیش کیا ہے وہ خاتم النبیین کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ زمانہ کے تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں'' (۲۹)

اس بات کو بنیاد بنا کر آیۂ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت کو تاخر زمانی کے معنی میں لیا جائے تو یہ آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح نہیں ہو سکتی چونکہ یہ آیت مقام مدح میں واقع ہے اس لئے بمعنیٰ آخری نبی نہیں ہو سکتا۔

پھر اس پر مزید اضافہ کیا کہ اگر خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی مان لیا جائے تو اس سے تین خرابیاں لازم آئیں گی۔

پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ پر زیادہ گوئی کا وہم ہوگا (نعوذ باللہ) کیونکہ جب خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی مان لیا تو یہ آیت کریمہ مدح نہ ہوگی اور لفظ خاتم اوصاف نبوت میں سے نہ ہوگا۔ بلکہ قد وقامت اور شکل ورنگ کی طرح ایسا وصف ہوگا جس کو نبوت اور اس کے فضائل میں دخل نہ ہوگا۔

دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ اس سے رسول اللہ (ﷺ) کی جانب نقصان قدر کا احتمال ہوگا کیونکہ خاتم النبیین کا معنیٰ اگر آخری نبی مان لیا گیا تو اب یہ وصف مدح اور کمال نہ رہے گا جب کہ ایسے اوصاف جن میں مدح وکمال نہ ہو ایسے وصف لوگوں کے لئے بیان کئے جاتے ہیں۔

تیسری خرابی کو یوں بیان کیا گیا کہ اگر اس آیت قرآنی میں اس دین کے آخری نبی ہونے کو بیان کرنا مان لیا جائے جو اگرچہ قابل لحاظ ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں قرآنی آیت کے دونوں جملوں ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں بے ربطی پیدا ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے معجز کلام میں متصور نہیں ہو سکتی۔

ان تینوں مفروضہ دلائل سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی (تاخر زمانی) درست نہیں ہے لکھا کہ یہاں خاتم النبیین کی خاتمیت کی بنیاد اور بات پر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں خاتم کا معنیٰ بالذات (بلا واسطہ) نبی کے ہیں۔ یعنی حضور علیہ السلام

بالذات نبی ہیں اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام بالعرض (بالواسطہ) نبی ہیں۔

پھر مولانا نانوتوی نے اپنی تصنیف " تحذیر الناس " کے صفحہ ۱۳ اور ۲۴ پر عبارت میں اس بات کی تصریح کردی ہے۔

" آپ کے زمانے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تب بھی خاتمیت محمدیہ میں کچھ فرق نہ آئے گا " (۳۰)

یہ ہے نام نہاد بانی دار العلوم دیوبند کی وہ تحریر جسے انہوں نے اپنی تصنیف تحذیر الناس میں عقیدہ ختم نبوت کے تعلق سے قلم بند کی ہے۔ اب اسی دار العلوم دیوبند کے ایک فاضل جو کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند کے نائب ناظم ہیں وہ اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں۔

" اسلام نے اپنے ماننے والوں کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے جو اصول مقرر کئے ہیں ان میں توحید اور عقیدہ ختم نبوت اور عقیدہ قیامت بنیادی پتھر اور قطعی لکیر ہیں۔ اسلام نے بڑے واضح انداز میں جا بجا یہ اعلان کیا ہے کہ جس طرح مسئلہ توحید میں کسی طرح کی تاویل و تخصیص کرنے والے کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا اسی طرح مسئلہ رسالت میں بھی تاویل و تخصیص کرنے والوں کو مسلمان کہلانے یا اسلام کا نام استعمال کرنے کا حق نہیں پہنچتا " (۳۱)

اب اس توضیح کی روشنی میں اس کتاب کے قارئین خود ساختہ بانی دار العلوم دیوبند پر کیا فتویٰ صادر کریں گے وہ مجھ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں۔

ع ۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مولانا محمد قاسم نانوتوی پر یہ کوئی الزام نہیں بلکہ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے جس کا ذکر ایک قادیانی مصنف نے اپنی کتاب ' افادات قاسمیہ " میں کیا ہے جس کا ایک ایک سطر چشم بینا سے پڑھنے کے قابل ہے، قادیانی مصنف ابو العطا جالندھری لکھتا ہے۔

''یوں محسوس ہوتا ہے کہ چودہویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد امام مہدی اور مسیح موعود بھی تھا اور اسے امتی نبوت کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم نانوتوی کو خاتمیت محمدیہ کے اصل مفہوم کی وضاحت کے لئے رہنمائی فرمائی اور آپ نے اپنی کتابوں اور پیغامات میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دلکش تشریح فرمائی بلاشبہ آپ کی کتاب تحذیر الناس اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے'' (۳۲)

یہی وہ عامیانہ فکر ہے جس کی بنیاد پر مرزا غلام احمد قادیانی نے ہفوات واباطیل کی محل تیار کی اور نانوتوی کی فکر کو عملی جامہ پہنا کر مہر توثیق ثبت کردی۔ مولانا قاسم نانوتوی کی فکر سے استفادہ کرتے ہوئے اس نے بھی اس آیت کی ماکان محمد ابااحد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتمالنبیین وہی تعبیر وتفسیر بیان کی جس کی صراحت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کر چکے تھے۔ ''ایک غلط فہمی کا ازالہ'' نامی کتاب میں خاتم النبیین کا معنی بیان کرتے ہوئے قادیانی لکھتا ہے۔

''لیس محمد ابا احد من رجال الدنیالکن هو اب رجال الآخرة لانه خاتم النبیین ولاسبیل الیٰ فیوض اللہ من غیر توسطہ''

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے افکار کا اگر سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے تو صرف لفظ فیض اور توسط کے فرق کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملے گی نانوتوی کی فکر کا دارومدار فیض پر ہے جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کسی اور نبی کا فیض نہیں لیکن اس کے برخلاف دوسرے انبیاء ورسل کی نبوت ورسالت حضور پرنور ﷺ ہی کا فیض ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی اس فکر کا انحصار لفظ ''غیر توسط'' پر ہے جس کی وضاحت

اس نے اس انداز میں کی ہے یعنی حضور اکرم ﷺ کے واسطے اور وسیلے کے بغیر کسی شخص کو نبوت ورسالت بلاواسطہ نہیں مل سکتی دوسرے نبیوں کی نبوت ورسالت حضور ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے ہے۔ لیکن خاتم النبیین کے ضروری معنیٰ یعنی حضور ﷺ سب سے پچھلے نبی ہیں ان دونوں نے انکار کیا ہے۔ (۳۳)

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی جھوٹی نبوت ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاک نبیوں اور رسولوں کو جھوٹا مانا اور ان کی شان اقدس میں بدترین گستاخیاں کیں اور قرآن کی وہ مقدس آیات جو شان رسالت میں نازل ہوئیں انہیں اپنے اوپر منطبق کیا چنانچہ مشہور آیت کریمہ هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله اپنی تصنیف میں نقل کر کے مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ اس میں صاف طور پر اس عاجز (مرزا غلام احمد قادیانی) کو رسول کہہ کے پکارا گیا ہے۔ (۳۴)

اور اس کا بھی اعلان کیا کہ مجھے من جانب اللہ دوسری نعمتیں ملیں جو دوسرے انبیاء کو میسر نہ ہو سکیں اپنی کتاب حقیقة الوحی میں لکھتے ہیں۔

> ”غرض اس حصہ کثیر اور امور غیبیہ میں اس امت سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیا اور ابدال واقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا دیا گیا ہے پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں“ (۳۵)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ قرآن وحدیث کی ایسی تاویلیں کیں ہیں جس کے سبب عوام تو عوام خواص بھی اس کے دام فریب میں آ گئے۔ مرزا قادیانی کی ذات سے جھوٹ، کذب اور کفر وافترا کو کس قدر شہ ملی اور اس نے اسے اس مقام پر پہونچا دیا جہاں مسیلمہ کذاب بھی نادم نظر آتا ہے۔ زیر نظر اس کی عبارتوں کا مطالعہ کیجئے اور اس کی عقل وخرد پر ماتم کیجئے۔

۱۔ سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں ایک رسول بھیجا ہے (۳۶)

۲۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ (۳۷)

۳۔ مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا قرآن پر۔ (۳۸)

۴۔ میں مرزا غلام احمد مسیح موعود امام الزماں اور مجدد وقت اور ظلی طور پر رسول اور نبی اللہ ہوں اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔

۵۔ خدا کی وحی آنحضرت ﷺ کے ساتھ منقطع نہیں ہوتی

۶۔ میرے معجزات کی تعداد دس لاکھ ہے (۳۹)

یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ کفریات ہیں جن کی بنا پر علمائے ربانیین نے انہیں خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ دیا۔ ظاہر ہے کہ مرزا جی کے جملہ بیانات اور ان کے بلند بانگ دعوے قرآن واحادیث کی صراحت کے خلاف ہیں۔ درج ذیل قرآنی آیات اور احادیث کا مطالعہ کیجئے اور پھر موازنہ کیجئے کہ مرزا کی فکر قرآن واحادیث سے کس قدر متصادم ہے مرزا کا دعویٰ نبوت کفر صریح ہونے کے ساتھ قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت بھی ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ سیکڑوں توضیح کے ساتھ یہ پیشگی خبر بھی دی ہے۔

عن النبی ﷺ قال لاتقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریباً من ثلاثین کلھم یزعم انه رسول اللّٰہ (۴۰)

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دجال اور کذاب نہ ہوں جن میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا رسول ہے" (بخاری ومسلم)

کیوں کہ دروازہ نبوت بند ہو چکا ہے اور عقیدہ ختم نبوت قلب مسلمان میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ وہ اس کے برخلاف جس کی صراحت خالق کائنات نے کردی ہے

ایک لفظ سننا گوارہ نہیں کر سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین و کان اللّٰہ بکل شئی علیما" (۴۱)

(نہیں ہیں تم میں سے کسی مرد کے باپ اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔)

اس آیت کریمہ میں لفظ خاتم کی تفسیر پر تمام علمائے ربانیین متفق ہیں لیکن مرزاجی نے مذکورہ آیت میں لفظ خاتم کی غلط تعبیر اور تاویل کر کے اپنا الوسیدھا کیا ہے اور دراصل اس کا سراغ انہوں نے دیوبندی مکتبہ فکر شیخ الکل مولوی محمد قاسم نانوتوی کی اس تفسیر سے لیا ہے جو انہوں خاتم النبیین سے متعلق اپنی کتاب تحذیر الناس میں کی ہے۔جب کہ خاتم کی توثیق میں باری تعالیٰ دوسرے مقام پر اس طرح فرماتا ہے " الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (۴۲) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔

بات بالکل واضح ہے کہ یہاں دین سے مراد دین اسلام اور نعمت سے مراد رسول گرامی وقار ﷺ کی ذات گرامی ہے۔جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دین بھی مکمل ہو چکا ہے اور تکمیل نعمت بھی ہو چکی ہے، یعنی اب تو نہ کوئی نیا دین آئے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا رسول مبعوث ہوگا۔اس طرح اور بھی دوسری آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے بعد اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

احادیث کریمہ میں بھی اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اللہ کے نبی ﷺ نے ہر طرح یعنی جتنی بھی نبوت کی شقیں ممکن ہو سکتی تھیں تمام کی نفی کر دی گئی ہے۔ خواہ وہ نبوت ظلی ہو یا بروزی بالذات ہو یا بالطبع بالاصل ہو یا بالفرع نبوت کے تعلق سے ہر

طرح کا دعویٰ باطل ہے ارشاد نبوی ہے۔

''ابو حازم بروایت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے بنی اسرائیل کی سیاست کا کام انبیاء کرتے ہیں جب کوئی نبی وفات پاتا تھا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا تھا لا نبی بعدی اور میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔ (۴۳)

صحاح کی دوسری کتابوں میں لا نبوۃ بعدی (۴۴) (ترمذی شریف ص ۵۳۴) میرے بعد کوئی نبوت نہیں اور بخاری شریف میں دوسری جگہ لیس نبی بعدی (۴۵) ترمذی شریف میں دوسری جگہ ان الرسالۃ والنبوۃ انقطعت (۴۶) رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی لہٰذا اب نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ نبی۔ قرآن واحادیث کے ان واضح اور صریح جملوں کی روشنی میں مرزا غلام احمد قادیانی کے فکر کی قلعی کھل جاتی ہے جس کی روشنی میں اس پر فتویٰ کفر لگانا ثابت ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت اور علمائے دیو بند نے دونوں نے مل کر انہیں متفقہ طور پر خارج از اسلام کرنے کی جد وجہد کی جس میں انہیں کامیابی ملی۔ چنانچہ ملت اسلامیہ نے مرزائیت کے ستم سہنے کے بعد اس وقت چین کا سانس لیا جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو مرزا غلام احمد قادیانی کو خارج از اسلام قرار دے کر یہ اعلان بھی کر دیا۔

''پاکستان کی قومی اسمبلی کے فیصلے کے مطابق پاکستان میں دیگر مذاہب کے لوگوں کی طرح وہ تمام لوگ غیر مسلم کی حیثیت سے اپنے حقوق حاصل کر سکیں گے جو مرزا غلام احمد پر کسی طور پر ایمان رکھتے ہیں (۴۷)

جب کہ اس سے قبل حکومت پاکستان کی عدالت عالیہ اپنے مقدمات کے فیصلوں میں قادیانیوں کو ایک الگ مذہب تصور کرنے کا فیصلہ صادر کر چکی تھی جس میں ریاست بھاول پور، راولپنڈی جیمس آباد بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

پاکستان کے اس فیصلے پر اسلامی ممالک نے خیر مقدم کیا اور رابطہ عالم اسلامی نے

اپنے قرارداد میں اور ماریشش کی حکومت نے بھی اسی طرح فیصلے صادر کیۓ جس طرح فیصلے یہاں کی عدالتیں کر چکی تھیں۔ رابطہ عالم اسلامی نے اپنی قرارداد میں واضح لفظوں میں کہا۔

”قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے جو اپنی اغراض خبیثہ کی تکمیل کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بنیادوں کو ڈھانا چاہتا ہے“ (۴۸)

اس قادیانیت کا اصل چہرہ کیا ہے اور ان کا فسطائیت سے کیا رشتہ ہے اس کی نشاندھی ڈاکٹر شنکر داس مہرا نے بھی اپنے ایک مضمون میں کیا ہے جو اخبار ”بندے ماترم“ کے ۲۲/اپریل ۱۹۳۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے وہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔

”ہندوستان کے مسلمان اپنے آپ کو ایک علاحدہ قوم تصور کرتے ہیں اور وہ اب بھی اسلامی وطن کا گن گاتے ہیں اور اس پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کو بے تاب ہیں۔ ان مسلمانوں کا اگر بس چلے تو وہ اس بھارت کو عرب میں تبدیل کر دیں لیکن اس تاریکی اور ناامیدی کی حالت میں قادیانیت امید کی کرن بن کر ابھری ہے جس سے ہمارے دلوں کو سکون اور اطمینان نصیب ہوا ہے

ڈاکٹر مہرا مزید لکھتے ہیں۔

”جس شخص نے بھی قادیانی مذہب اختیار کیا اس کا تعلق محمد (ﷺ) کی شریعت سے ختم ہو گیا بلکہ دین اسلامی سے متعلق اس کے نظریات ہی بدل گئے“ (۴۹)

ان تفصیلات کی روشنی میں جو نتیجہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نکالا ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے فرماتے ہیں۔

”مرزا غلام احمد صاحب نے درحقیقت اسلام کے علمی و دینی ذخیرہ میں کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا جس کے اصلاح وتجدید کی تاریخ ان کی معترف اور مسلمانوں کی نسل جدید ان کی شکر گذار ہو انہوں نے نہ تو کوئی عمومی دینی خدمت انجام دی جس کا نفع دنیا کے سارے مسلمانوں کو پہنچے نہ وقت کے جدید مسائل میں سے

کسی مسئلے کو حل کیا نہ ان کی تحریک موجودہ انسانی تہذیب کے لئے جو سخت مشکلات اور موت وحیات کی کش مکش سے دو چار ہے کوئی پیغام رکھتی ہے اس کی جدو جہد کا تمام تر میدان مسلمانوں کے اندر ہے اور اس کا نتیجہ صرف ذہنی انتشار اور غیر ضروری مذہبی کش مکش ہے جو اس نے اسلامی معاشرے میں پیدا کر دی ہے"(۵۰)

امام احمد رضا اور عقیدۂ ختم نبوت

مرزا غلام احمد قادیانی کے اس طرح نہ جانے کتنے خیالات اور نظریات تھے جو شریعت اسلامیہ سے براہ راست متصادم تھے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی چونکہ اپنے دور کے مجدد تھے اس قسم کے ہفوات واباطیل کا قلع قمع کرنے کے لئے ہی دنیا میں تشریف لائے تھے اس لئے انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل نظریات اور پراگندہ خیالات کا سخت نوٹس لیا۔ انہوں نے اس کے اس طرح کی تمام کفریات کی تردید میں بیشتر رسالے لکھے اور ان کے عقائد وافکار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ احکام شریعت، المعتمد المستند اور فتاوی رضویہ میں متعدد فتاوی شائع ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ درج ذیل کتابیں بھی قادیانیت کی تردید میں ان کے نوک قلم سے منصۂ شہود پر آئیں۔

۲۔ قهر الديان علىٰ مرتد بقاديان (۱۳۳۲ھ)

یہ رسالہ قهر الديان روہیل کھنڈ گزٹ مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۰۵ء میں شائع ایک مضمون "اطلاع ضروری" کی تردید میں ہے۔ اس مضمون میں قادیانیوں کی طرف سے علمائے اہل سنت پر سخت تنقید تھی اور افترا پردازی کی گئی تھی۔ اس رسالہ میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریم کی توہین وتکذیب پر مبنی غیر واقعی اور غیر مہذب اعتراضات اور خرافات کو مرزائی کتابوں کے حوالے کے ساتھ نقل کر کے ان کا انتہائی سنجیدہ رد فرمایا گیا ہے۔

۲۔ السوء والعقاب على المسيح الكذاب (۱۳۲۰ھ)

السوء و العقاب میں مسیح قادیان مرزا غلام احمد قادیانی کے دس کفریات خود مرزا کی کتب کے حوالے کے ساتھ تفصیلاً ذکر کیئے اور دلائل سے ان کا رد بلیغ فرمایا اور ان کے تعلق سے شرعی موقف صادر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یہ لوگ (مرزا اور مرزائی) دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہ مرتدین کے احکام ہیں'' (۵۱)

۳۔ المبین ختم النبیین (۱۳۲۶ھ)

اس رسالہ کی وجہ تالیف، پس منظر اور ان میں جن مباحث کا ذکر ہے اس سے متعلق فتاوی رضویہ جلد ششم کے مرتب مفتی عبدالمنان اعظمی فرماتے ہیں۔

''المبین ختم النبیین '' اسلام کے ایک بنیادی عقیدہ ختم نبوت پر ہے واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں پوری امت مسلمہ اس عقیدہ پر متفق رہی کہ محمد عربی ﷺ کے بعد اب کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا قرآن کا یہی فرمان ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین "رسول اللہ ﷺ کا یہی ارشاد لانبی بعدی وختم بی النبییون اور اسی معنیٰ پر پوری امت کا اجماع رہا''۔

۵۔ جزاء اللہ عدوہ بآبائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۷ھ)

امام احمد رضا قادری رد قادیانیت کے موضوع پر لکھے جانے والے اپنے پہلے رسالے کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''فقیر غفرالہ القدیر نے اپنی کتاب جزاء اللہ عدوہ بآبائہ ختم النبوہ (۱۳۱۷ھ) (دشمن خدا کے انکار کرنے پر خدائی جزا) میں اس مطلب ایمان پر صحاح وسنن ومسانید ومعاجم وجوامع سے ایک سو بیس حدیثیں اور تکفیر منکر (ختم نبوت) پر ارشادات ائمہ وعلمائے قدیم وحدیث وکتب عقائد واصول فقہ وحدیث سے تیس نصوص ذکر کئے وللہ الحمد (۵۲)

٦۔ الجراز الدیانی علیٰ المرتد القادیانی (۱۳۴۰ھ)

یہ امام احمد رضا قادری کی آخری تصنیف ہے۔ ۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ کو پیلی بھیت کے شاہ میر خاں قادری کے سوال کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا اور ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو آپ وصال فرما گئے۔

موخر الذکر رسالہ کی تصنیف سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قادری اپنی زندگی کی آخری سانس تک قادیانیت کی ھفوات واباطیل کی تردید میں کتابیں لکھتے رہے۔ ان کی تمام تصانیف غلام احمد قادیانی کے کفری عقائد پر مشتمل عبارتوں سے بھری پڑی ہیں سطور بالا میں ان کی کچھ کفریات کا ذکر گذر چکا ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں جب انگریز حکومت کا طنطنہ تھا اس کی مرضی کے خلاف کچھ لکھنا اور کچھ کہنا ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی اور پھر مرزا غلام احمد قادیانی جسے انگریزوں کی پوری حمایت حاصل ہو کون وہ شخص تھا جو اسے چھیڑتا یا اس مذہب کی تردید میں لب کشائی کی جرأت کرتا۔ اکثر علماء مصلحت پسندی کی بنا پر اپنی زبانوں پر تالے ڈالے ہوئے تھے مگر امام احمد رضا قادری کا بے باک قلم شمشیر برہنہ ہو کر مصلحت پسندی کا سہارا لئے بغیر چل پڑا اور ایک نہیں کئی ایک کتابیں اس کی تردید میں لکھ ڈالیں اور جس بکواس کی بنا پر اس نے دعویٰ نبوت کیا تھا قرآن واحادیث اور اجماع امت کے اقوال وبیانات کی روشنی میں اس کی دھجیاں بکھیر دیں۔ ان کے یہاں چونکہ مصلحت پسندی نہیں تھی وہ حق کہنے اور حق لکھنے کے عادی تھے، صحیح معنوں میں دین کے محافظ اور سپاہی تھے اس لئے انہوں نے حکومت وقت کی جابرانہ رویوں کی پروا نہ کی اور تادم زیست اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں لگے رہے۔ انہوں نے اس قادیانی فتنہ کی تردید اور اسے قلع قمع کرنے میں کتاب وسنت کی آیات بیّنات کو دلائل وبراہین کے طور پر استعمال کیا ہے اس کا صحیح اندازہ تو رد قادیانیت پر لکھی جانے والی ان کی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے۔ سر دست ہم یہاں ان کی ایک کتاب

السوء العقاب علی المسیح الکذاب سے چند اقتباسات درج کررہے ہیں۔

درج بالا کتاب دراصل ایک استفتاء کا جواب ہے جسے مولوی محمد عبدالغنی نے ۲۱ر ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ کو امرت سر گڑھ بارسنگھ کوچہ ٹنڈا شاہ سے کیا تھا۔ فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری نے اس کا بڑا تفصیلی جواب دیا۔ اولاً تو انہوں نے مرزا قادیانی کی دس کفریات کتاب میں شمار کرائیں پھر کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا تجزیہ کرکے شریعت مطہرہ سے انہیں متصادم قرار دیا اور پھر علمائے متقدمین کے اقوال کی روشنی میں ان کی تردید کرکے حکم شرع صادر کیا۔

> کفر ہفتم ۔ اشتہار معیار الاخیار میں لکھا ہے ''میں بعض نبیوں میں بھی افضل ہوں'' یہ ادعا بھی باجماع قطعی کفر وارتداد یقینی ہے۔ فقیر نے مسمی بہ رد الرفضہ میں شفا شریف، امام قاضی عیاض وروضۃ امام نووی وارشاد الساری امام قسطلانی وشرح عقائد نسفی وشرح مقاصد امام تفتازانی واعلام امام بن حجر مکی ومنح الروض علامہ قاری طریقہ محمدیہ علامہ بر کوی وحدیقہ ندیہ مولیٰ نابلسی وغیرہا کتب نصوص سے ثابت کیا ہے کہ باجماع مسلمین کوئی ولی کوئی غوث کوئی صدیق بھی کسی نبی سے افضل نہیں ہوسکتا ہے جو ایسا کہے قطعاً اجماعاً کافر ملحد ہے۔ آز آنجملہ شرح بخاری شریف میں ہے النبی اولیٰ افضل من اولی وھو امر مقطوع بہ والقائل بخلافہ کافر کانہ معلوم من الشرع بالضرورۃ یعنی ہر نبی ہر ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے۔ اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ ضروریات دین سے ہے۔ (۵۳)

امام احمد رضا قادری نے اپنی اس کتاب میں جو انہوں نے کفر ہشتم کی وضاحت کی ہے اس سے مرزا کی عقل ودماغ پر ماتم کرنا چاہئے، اس میں تو مرزا نے معجزات انبیاء کا رد کیا ہے وہ معجزات جنہیں خالق کائنات نے احسان سے تعبیر کیا ہے اس مدعی نبوت نے

انہیں مسمریزم کہا ہے۔

''اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہیں جانتا تو ابن مریم سے کم نہ رہتا''

مرزا جی کی اس عبارت کے پس منظر میں امام احمد رضا قادری نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تلخیص یہ ہے۔

یہ کفر متعدد کفروں کا خمیرہ ہے معجزات کو مسمریزم کہنا ایک کفر کی اس تقدیر پر کہ وہ معجزہ نہ ہو بلکہ معاذ اللہ ایک کسبی کرشمہ ٹھرے۔ اگلے کافروں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر یہی فرمایا ان ھذا الا سحر مبین یہ تو نہیں مگر کھلا جادو مسمریزم بتانا یا جادو کہنا بات ایک ہی ہوئی حضرت عیسیٰ نے یہ بھی فرمایا جئتکم بآیۃ من ربکم فاتقوا اللہ و اطیعون میں تمھارے رب کے پاس معجزہ لایا ہوں تو خدا سے ڈرا اور میرا حکم مانو مگر ظاہر ہے کہ جو عیسیٰ کے رب کی نہ مانے وہ عیسیٰ کی کیوں مانے گا۔ (۵۴)

اس عبارت کا دوسرا کفر کراہت ہے اس پس منظر میں وہ پھر لکھتے ہیں کہ:

''کراہت اگر اس بنا پر ہے کہ وہ فی نفسہٖ مذموم کام ہے جب تو کفر ظاہر ہے قال اللہ تعالیٰ تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اسی فضیلت کے بیان میں ارشاد فرمایا وآتینا عیسیٰ بن مریم البینٰت وایدنٰہ بروح القدس اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزے دئے اور جبرئیل نے اس کی تائید فرمائی اور اگر اس بنا پر ہے کہ وہ کام اگرچہ فضیلت کے تھے مگر میرے منصب اعلیٰ کے لائق نہیں تو اس نبی پر اپنی تفضیل ہے۔ ہر کفر وارتداد قطعی سے مفر نہیں پھر ان کلمات شیطانیہ میں مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدہ وعلیہ وسلم کی تحقیر تیسرا کفر ہے۔ اور ایسی ہی تحقیر اس کلام ملعون کفر ششم میں تھی اور سب سے بڑھ کر اس کفر نہم میں ہے کہ ازالۃ الاوھام ص

۱٦۱ پر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے بوجہ مسمریزم کے عمل کرنے کے تنویر باطن اور توحید اور دینی استقامت میں کم درجے پر بلکہ قریب ناکام رہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون الا لعنۃ اللّٰہ علیٰ اعداء انبیائہ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ انبیائہ وبارک وسلم ہ رنبی کی تحقیر مطلقاً کفر قطعی ہے"۔(۵۵)

اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے ستر کفریات امام احمد رضا قادری نے گنائے ہیں اور کمال تو یہ ہے کہ ان تمام کفریات کا انحصار مرتد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات پر کیا ہے۔ امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں۔

"اللہ عزوجل کے سچے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو نادان، شریر، بلا عقل زنانے خیال والا فحش گو، بدزبان، کٹیل، جھوٹا، چور، علمی وعملی قوت میں بہت کچا، خلل دماغ والا، گندی گالیاں دینے والا، بدقسمت، نرا فریبی، پیرو شیطان وغیرہ وغیرہ خطاب اس قادیانی دجال نے اور اس کے تین کفر اوپر گذرے اللہ مسیح کو دوبارہ نہیں لا سکتا مسیح فتنہ تھا۔ مسیح کے فتنے نے دنیا کو تباہ کر دیا۔ یہ سب ستر کفر ہوئے"۔(۵٦)

اس تفصیل کے بعد اب مرزا جی کو کوئی مسلمان ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوسکتا اسی لئے پروفیسر محمد ہارون برطانیہ نے ان تفصیلات سے درج ذیل نتیجہ اخذ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"حاصل بحث یہ ہے کہ مسلمانوں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار بدتر کافر ہیں ان کی بھرپور مخالفت کرنی چاہئے"۔(۵۷)

امام احمد رضا قادری کا قلم کس طرح ان باطل عقائد ونظریات کی بیخ کنی کرتا رہا جس کے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی تھے ان کی تحریروں سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں خلاف شرع امور سے ہی صرف نفرت نہیں تھی بلکہ اس کا مرتکب کوئی بھی ہو ہر ایک

کے وہ متنفر نظر آتے ہیں۔ان کی زندگی کی صحیح تصویر الحب فی اللہ و البغض فی اللہ کی تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو مذہبی امور میں اس قدر شدت پسند ہو اور اشداء علیٰ الکفار کی عملی تفسیر ہو اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اس سے اکتساب فیض کیا کہاں تک درست ہے؟۔ امام احمد رضا قادری پر یہ الزام اور بہتان صرف اور صرف ان سے عناد اور نفرت کا نتیجہ ہے اگر تعصب کا عینک اتار کر ان کے افکار و خیالات کے علاوہ ان کی شخصیت کا ہی گہرائی سے مطالعہ کیا جاتا تو شاید مورخین اور محققین اس طرح کی بے سروپا باتیں نہیں کرتے مگر عناد و نفرت کا کیا جائے یہ ایسی بری بلا ہے جس کے منھ لگ جائے اور جس کے ذہن و دماغ میں اس کا ٹھکانہ بن جائے وہ مشکل سے ہی وہاں سے نکلتی ہیں۔ یہی کچھ ماجرا البریلویۃ کے مصنف احسان الٰہی ظہیر کے ساتھ ہوا۔ اس کتاب میں ان کی محققانہ طرز عمل کا دخل کم ان کے متعصبانہ کردار کا دخل زیادہ ہے۔ پوری کتاب انہی تعصبات اور توہمات پر مبنی ہے جسے وہ سن شعور سے ہی مسلک اہل سنت کے خلاف جمع کر رہے تھے۔ انہیں شاید اس کی خبر نہیں کہ شکوک وشبہات کے قلعے یقین کے ایک ہی جھونکے سے تہہ وبالا ہو جاتے ہیں، البریلویۃ کے مصنف احسان الٰہی ظہیر کی الزام تراشی ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں۔

الجدير بالذكر ان المدرس الذى كان يدرسه مرزا غلام قادر بيگ كان اخا للمرزا غلام احمد المتنبى القاديانى . (۵۸)

(قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو مدرس انہیں پڑھایا کرتا تھا مرزا غلام قادر بیگ وہ نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔)

اس سلسلہ میں دو باتیں توجہ طلب ہیں۔

ایک تو یہ کہ جن مرزا غلام قادر بیگ سے امام احمد رضا نے تعلیم حاصل کی تھی وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے ایسا نہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کان یدرسہ کا جملہ یہ بتا رہا ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ ان کے مستقل استاد تھے اور فاضل بریلوی نے ان سے اکثر و بیشتر کتابیں پڑھی تھیں۔ احسان الٰہی ظہیر کی یہ دونوں باتیں حقائق کے خلاف اور مصنف کے علم کی کم مائیگی اور بے بضاعتی پر دال ہیں، کیونکہ مرزا غلام قادر بیگ جن سے فاضل بریلوی نے اخذ فیض کیا تھا وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی نہیں تھے اور ان سے انہوں نے عربی کی ابتدائی کتابیں میزان ومنشعب وغیرہ پڑھی تھیں۔

حیات اعلیٰ حضرت کے مصنف مولانا ظفر الدین بہاری، فاضل بریلوی کے شب ورز کے دیکھنے والوں میں سے تھے انہوں نے لکھا ہے۔

''میزان ومنشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا شروع کیا''۔(۵۹)

جب عربی کی ابتدائی کتابوں سے حضور فارغ ہوئے تو تمام دینیات کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی صاحب سے تمام فرمائی (۶۰)

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں بصد وثوق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنف کا پہلا الزام باطل ہوا اور دوسرا الزام یہ کہ مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے یہ بھی مبنی بر جہالت اور بہتان تراشی ہے کیوں کہ جس مرزا غلام قادر بیگ سے انہوں نے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں وہ بریلی کے رہنے والے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں وہ کلکتہ میں مقیم ہوگئے تھے ان کے خانوادے کے افراد اب بھی بریلی پرانے شہر میں رہتے ہیں۔ ان کے خانوادے کے ایک لائق فرزند سے راقم السطور کے مراسم ہیں بحمدہٖ تعالیٰ ان میں کوئی قادیانی نہیں بلکہ سبھی سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ مرزا غلام قادر بیگ جن دنوں کلکتہ رہتے تھے تو ان دنوں امام احمد رضا قادری سے ان کی مراسلت رہی اور کئی فتاوی انہوں نے وہاں سے استفتاء کئے جس کا اندراج فتاوی رضویہ جلد سوم مطبوعہ مبارک پور اعظم گڑھ کے ص ۸ پر

ہے۔ مرزا غلام قادر بیگ نے اپنی زندگی کے اسی سال تک کلکتے میں گزارے پھر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مرزا غلام قادر بیگ جو غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا اس نے بریلی شریف اور کلکتہ میں کبھی قیام نہیں کیا اور نہ ہی کسی مدرسے میں اس نے تدریسی فرائض انجام دیئے۔ کس طرح انہوں نے امام احمد رضا قادری کو پڑھایا بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ امام احمد رضا بغرض تعلیم بریلی شریف سے باہر کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ اب ایسی صورت میں کس طرح یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا قادری نے اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اگر تحقیق کا معیار یہی رہا کہ ہمنام ہونا ہی کسی کا کسی کے لئے استاد بننا کافی ہے تو ملت اسلامیہ میں جو انتشار پیدا ہو گا اس کا سد باب ممکن نہ ہو سکے گا اور نام ہی کی بنیاد پر ایسے ایسے نہ جانے کتنے فتنے کھڑے ہوں گے جو پوری ملت کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔ اس لئے ان دونوں ہمنام شخصیتوں میں ذرا بھی مماثلت ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ مصنف کو تشابہ ہوا لیکن یہاں تو دونوں شخصیتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی قادیان کا معزول تھانیدار تھا۔ پچپن سال کی عمر پا کر ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں فوت ہو گیا اور مرزا غلام قادر بیگ جو امام احمد رضا قادری کے استاد تھے وہ بریلی اور کلکتہ میں مقیم رہے۔ اسی سال کی عمر میں وفات پائی اور وہ ۱۸۸۳ء میں زندہ رہے اس قدر دونوں میں غیریت کے باوجود ایک کو دوسرے کی جگہ چسپاں کر دینا جہالت، تعصب اور افترائے محض کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

سطور بالا میں جو میں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مرزا غلام قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر بیگ بریلی اور کلکتہ میں کبھی مقیم نہیں رہے اس کی توثیق پروفیسر مسعود احمد کے نام آئے اس خط سے کی جا سکتی ہے جو شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ سے دوست محمد شاہد نے ۳۱ رمئی ۱۹۹۳ء کو ارسال کیا تھا وہ اس خط میں لکھتے ہیں۔

"بڑے بھائی مرزا غلام قادر بیگ صاحب نے آپ کے دعویٰ مسیحیت ۱۸۹۱ء سے آٹھ سال قبل ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا۔ آپ خود یا آپ کے کوئی بھائی بانس بریلی یا کلکتہ میں مقیم نہیں رہے"

ان حقائق وشواہد کے پیش نظر اب کسی کو یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں کہ مرزا غلام قادر بیگ امام احمد رضا قادری کے استاد تھے۔

ان مرزائیوں سے نہ تو امام احمد رضا قادری کی قربت رہی اور نہ ہی ان کے متبعین و پیرو کاروں سے ہاں اگر قربت رہی تو علمائے وہابیہ اور دیابنہ کی۔ علمائے دیو بند کے تعلق سے تو آپ نے پچھلے صفحات میں پڑھ لیا اب آیئے ایک نظر وہابی علماء اور مرزا غلام احمد قادیانی کے باہمی روابط اور تعلقات پر ڈالتے ہیں۔ یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح وہابیوں کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے پڑھایا تھا تاریخ احمدیت کے مولف لکھتے ہیں۔

"شادی کی تاریخ طے پاگئی تو آسمانی دولھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) دو خدام کی مختصر بارات لے کر دلی پہنچے خ لمہ میر درد کی مسجد میں مغرب وعشا کے درمیان مولوی نذیر حسین دہلوی نے گیارہ سو روپے پر نکاح پڑھا جو ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے ڈولی میں بیٹھ کر آئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موقع پر مولوی صاحب کو ایک مصلی اور پانچ روپئے بطور ہدیہ دئے۔(۶۱)

اور بات اسی پر ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ ان وہابی علماء نے ہر معاملہ ان کے ساتھ روا رکھا، مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔

"میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے نماز میں اقتدا جائز ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی"۔(۶۲)

مولوی ثناء اللہ امرتسری پر مرزائیت کا غلبہ اس درجہ تھا کہ ان کے ذہن وفکر پر ہمیشہ مرزائیت کا ہی اثر رہتا ان کی تحریریں بھی مرزائیت سے متاثر نظر آتی ہیں۔ اہل حدیث کے مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

> "تفسیر امرتسری کو تفسیر مرزائی کہا جائے تو بجا ہے تفسیر چکڑالوی کا خطاب دیا جائے تو روا ہے۔ اس کا مصنف الحاد و تعریف میں پورا مرزائی، پورا چکڑالوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے" (۶۳)

"البریلویہ" کس معیار کی کتاب ہے اور اس کے مندرجات کا استناد کہاں تک ہے سطور بالا سے اندازہ ہو گیا ہو گا لیکن ایسی بے بنیاد اور ہفوات واباطیل سے لبریز کتاب کو نام نہاد علماء کی ایک عالمی تنظیم نے اس درجہ اہم سمجھا کہ اسی کو بنیاد بنا کر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری کے معتقدین کو بریلوی کہہ کر اپنا شرعی فیصلہ درج ذیل لفظوں میں صادر کر دیا۔

البریلویہ کالقادیانیہ انہوں نے اپنے اس موقف کا اظہار دبئی کے ایک عربی اخبار فروری اور مارچ ۱۹۸۵ء کے شمارے میں کیا ہے۔ (۶۴) اپنے اس موقف سے مدیر "الرابطہ" نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ دراصل بریلویوں کے عقائد قادیانیوں کی طرح ہیں حالانکہ الرابطہ کے مدیر اور بورڈ کے دیگر ارکان اگر خالی الذہن ہو کر تعصب کا عینک اتار کر انصاف کی نظروں سے مسلک دیوبند اور علمائے اہل سنت کے عقائد ونظریات کا مطالعہ کرتے تو البریلویہ کالقادیانیہ کہنے کے بجائے الدیوبندیہ کالقادیانیہ کہتے کیوں کہ سطور بالا کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا مرزا غلام احمد قادیانی امام احمد رضا قادری کے پیرو نہیں بلکہ وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پیرو تھے اور خانہ ساز نبی کے تعلق سے ان کی ساری سرگرمیوں کا انحصار تحذیر الناس کی اس عبارت پر تھا جس میں نانوتوی صاحب نے مسئلہ خاتم النبیین سے بحث کی ہے۔ لیکن چونکہ یہ معاملہ اپنے گھر کا ہے اور اس کی زد

میں ان کے موہوم نظریات آرہے ہیں جس پر دیوبندیت کی اساس ہے۔اس لئے بھلا اسے کیوں چھیڑتے اوراپنے پیشواؤں کی اتباع کرتے ہوئے خلاف حقیقت وہی سب کچھ لکھ مارا جو خلاف واقعہ ہے۔حیرت اس بات پر نہیں کہ رابطہ کے اداریہ میں ایسا مرقوم ہے بلکہ تعجب اس امر پر ہے کہ پورے عالم اسلام کے نام نہاد علماء کی یہ تنظیم جس میں تمام اسلامی ممالک کے دانشور نمائندے ہیں اور جس کا فیصلہ تمام ملت اسلامیہ کی آواز ہے اس واقعہ سے ان کے عقل وشعور پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ انہوں نے کس طرح یہ فیصلہ صادر کردیا؟ خدارا ذرا بھی عقل وشعور سے کام لئے ہوتے تو اس قسم کی بے سروپا باتیں نہ کرتے ۔جہاں تک رہا حق گوئی کا معاملہ تو اگر اس مسئلہ کا تجزیہ کیا جائے تو میں بغیر کسی تامل کے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ دیوبندی مکتب فکر کا مسلک قادیانیت سے قریب ترین رشتہ ہے مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں مسئلہ خاتم النبیین کی لایعنی بحث کر کے اس کی گنجائش پیدا کردی کہ اگر دوسرا نبی پیدا ہو جائے تو پیغمبر اعظم ﷺ کی خاتمیت پر ذرہ برابر فرق نہ آسکے گا وہ فرماتے ہیں

۱۔غرض اختتام اگر بایں معنیٰ تجویز نہ کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیائے گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے''(۶۵)

۲۔ہاں اگر خاتمیت بمعنیٰ اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیچمداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت نہ ثابت ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔بلکہ اگر بالفرض بعد از زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''(۶۶)

۳۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنیٰ خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو" عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم اور تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔ (۶۷)

اس عبارت سے ان کی مراد کچھ بھی رہی ہو لیکن جو بظاہر مفہوم ہے وہ یہ سمجھ میں آرہا ہے۔

۱۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی کسی نبی کا پیدا ہونا اسلامی عقیدہ کے منافی ہے مگر تحذیر الناس کی پہلی عبارت میں صاف مذکور ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی (پیدا) ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔ (۶۸)

۲۔ دوسری عبارت میں واضح طورر پر مذکور ہے کہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا (۶۹)

۳۔ تیسری عبارت میں صاف صاف مذکور ہے کہ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے (۷۰)

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد مولانا ارشد القادری نے جو تاثر قائم کیا ہے وہ

پڑھنے کے قابل ہے فرماتے ہیں :

"غور فرمائے ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک کتاب وسنت کی روشنی میں ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے لفظ کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ اس لفظ سے گر حضور کو آخری نہ مانا جائے تو نئے نبی کی آمد کا راستہ کس دلیل سے بند کیا جاسکتا ہے۔

ساری امت میں نانوتوی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے حضور ﷺ کو آخری نبی ماننے سے انکار کیا ہے تاکہ قادیان سے ایک نئے نبی کی آمد کے لئے راستہ صاف ہو جائے "۔(۷۱)

اس بات کا اعتراف تحذیر الناس میں مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے خود کیا ہے اور لکھا ہے کہ خاتم النبیین کے تعلق سے جو بات میں نے کہی ہے اس مفہوم کی طرف بڑوں کا فہم ابھی تک نہیں پہنچا یہ بات صرف میں نے کہی ہے (ملخصا) اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اسی کا نام بدعت سیئہ ہے دوسروں کو بلاوجہ بدعتی کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھیں اور سوچیں۔

اور جہاں تک دیوبندیوں کا قادیانیوں سے ذہنی قربت اور ہم آہنگی کا معاملہ ہے تو وہ مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب "احکام اسلام عقل کی نظر میں" ملاحظ فرمائیں اس کتاب کو اگر آپ دیانتداری سے مطالعہ کریں گے۔ تو برملا آپ کہہ اٹھیں گے کہ اس کتاب میں ساری فکر میں مرزا غلام احمد قادیانی کی جھلک نظر آرہی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کا پس منظر یہ ہے۔

"۲۶/۲۷/۲۸/دسمبر ۱۸۹۶ء کو ایک ہندو سوامی شوگنا چندر نے جلسہ اعظم مذاہب" کے نام سے لاہور ٹاون ہال میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا۔ جس میں تمام

مذاہب کے رہنماوں کو دعوت دی گئی ہر ایک کو پانچ پانچ سوالات دیئے گئے۔ جس کا جواب انہیں اپنے مذاہب کی تعلیمات کی روشنی میں دینے کو کہا گیا ۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ان پانچ سوالات کے جوابات پر مشتمل ایک مضمون لکھا جس کو مرزا صاحب کے ایک معتقد مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے جلسہ میں پڑھ کر سنایا۔ جس کو بعد میں ''اسلامی اصول کی فلاسفی '' کے نام سے کتابی شکل میں ''ربوہ'' سے شائع کیا گیا۔(۷۲)

اس مضمون کے تقریباً ۲۰ سال بعد ۱۹۱۶ء/۱۳۳۵ھ میں مولانا اشرف علی تھانوی نے المصالح العقلیه للاحکام النقلیه کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرزا غلام احمد قادیانی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اس کتاب کو پہلی بار ۱۹۴۸ء/۱۳۶۸ھ میں ادارہ اشرف العلوم دیوبند سے شائع کیا گیا۔ بعد میں اس کو'' احکام اسلام عقل کی نظر میں '' کے نام سے محمد رضی عثمانی نے اپنے دیباچہ کے ساتھ دارالاشاعت کراچی سے ۱۹۷۷ء میں شائع کر دیا پھر وہی کتاب ۱۹۸۱ء میں ایس رحمان اگوانی کے زیر اہتمام جے کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی سے شائع ہوئی اس وقت میرے پیش نظر یہی نسخہ ہے۔

اس کتاب میں مولانا اشرف علی تھانوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب سے جو اثر قبول کیا ہے وہ بیان سے باہر ہے کہیں تو ایسا بھی ہوا ہے تھانوی صاحب نے مرزا جی کی کتاب کے صفحے در صفحے اپنی کتاب میں نقل کر دئے ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ پوری کتاب میں کہیں بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا ہے۔ تھانوی صاحب کا یہ محتاط رویہ نہ جانے کتنے دلوں میں شکوک وشبہات کے دریچے کھولے گا کہ کہیں ایسا تو نہیں تھانوی صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مفہوم پر بعینہٖ الفاظ کے ساتھ ہاتھ صاف کیا ہو، شخصیت کا تقدس اپنی جگہ مگر قلم کی بوقلمونی بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ یہ انتہائی حیرت انگیز بات ہے کہ تھانوی صاحب نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ان کتابوں کی ایک

فہرست دی ہے جن سے استفادہ کیا ہے مگر اس فہرست میں کہیں بھی مرزا جی کی اس کتاب کا ذکر نہیں جس کا چربہ مولانا اشرف علی تھانوی کی پوری کتاب ہے۔

تھانوی صاحب کی کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کے افکار ونظریات سے لفظاً ومعناً کس قدر ہم آہنگی ہے۔ تفصیل کے لئے تو کتاب کا مطالعہ ضروری ہے لیکن مشتے نمونہ از خروارے کچھ اقتباسات اس لئے درج کئے جارہے ہیں تاکہ قاری کے دل میں دونوں اصل کتابوں کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا ہوا اور راقم کی بات بھی بغیر سند نہ رہ جائے۔

احصان اور عفت کسے کہتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور مرزا غلام احمد قادیانی نے جو اس کی تعریف کی ہے وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں۔

> ''اور ہر ایک پرہیز گار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غض بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑے گا یہی وہ خلق ہے جس کو احسان اور عفت کہتے ہیں'' (۷۳)

اب دیکھئے عفت واحصان کے تعلق سے مولانا اشرف علی تھانوی کیا فرماتے ہیں اسے بھی دھیان اور توجہ سے پڑھئے۔

> ''اور ہر ایک پرہیز گار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غض بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائے

گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں فرق نہیں پڑے گا۔ یہی وہ خلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں۔ (۷۴)

وجوہ حرمت خنزیر پر دونوں اہل دانش نے اپنی فکر اس طرح پیش کی ہے مرزا غلام احمد قادیانی اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر پلید ہی ہو۔ کیوں کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے قائم کی ہے اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے''۔ (۷۵)

تھانوی صاحب نے بیس سال بعد جو اپنی رائے لکھی تو بحر علم وفن کے شناور ہوتے ہوئے بھی قادیانی کی عبارت سے صرف اثر ہی قبول نہیں کیا بلکہ چند لفظوں کو تبدیل کر کے پوری عبارت بعینہٖ نقل کر ڈالی۔

''اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور بے غیرت ودیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا کیوں کہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی ہوگا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے (۷۶)

اسی بحث کے آگے مردار وخون کی وجہ حرمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک دو لفظ الٹ پھیر سے وہی سب باتیں لکھ دی ہیں جس کی صراحت مرزا جی نے برسوں پہلے اپنی کتاب میں کر چکے تھے۔ حد تو یہ ہے الفاظ تقریباً دونوں مفکرین کے یکساں ہیں مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں۔

''مردار کا کھانا بھی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے مردار بھی کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کے لئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا یہ تمام جانور در حقیقت مردار کے حکم میں ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونے کے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت خراب کرے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مر کر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے۔ (۷۷)

مولانا اشرف علی تھانوی حرمت مردار وخون کی حرمت کی وجہ پر بحث کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں۔

''الغرض مردار کا کھانا اس لئے شریعت میں منع ہے کہ مردار کھانے والے کو بھی اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہر ہے کہ صحت کے لئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا یہ تمام جانور در حقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں، کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی عفونت سے تمام گوشت خراب کردے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے ثابت ہوئے ہیں مر کر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے'' (۷۸)

اس موقع سے قادیانی اور تھانوی صاحبان کی پوری کتاب نقل کرنے کے قابل تھی تاکہ بچشم خود دنیا دیکھ لیتی کہ مسلک دیوبند کے اکابرین مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو کار ہیں یا علمائے اہل سنت و جماعت۔ مولوی اشرف علی تھانوی کو ان کے معتقدین چودہویں صدی کا مجدد مانتے اور لکھتے ہیں جس کے مجدد کا دوسرے کے افکار سے اثر پذیری اور دوسرے کی عبارتوں سے مرعوبیت کا عالم یہ ہے تو ان کے متبعین کا کیا حال ہوگا؟ اس سلسلے میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں بس قاضی الحاجات کی جناب میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علمائے اہلِ سنت کی طرح علمائے دیوبند کو بھی حق بولنے اور حق لکھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے (آمین)

آج کل دیکھا جارہا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے حوارئین سیاسی فائدے کی خاطر بھولے بھالے سیدھے سادے مسلمانوں کو روپئے پیسے کی لالچ دے کر اپنے گندے عقائد کی طرف مائل کر رہے ہیں اس طرح یہ بدعقیدگی دھیرے دھیرے ناسور کی طرح پورے سماج میں پھیلتی جارہی ہے ہم سب کو مل کر اس پر روک لگانی چاہئے اور تمام ملت اسلامیہ پر جلسوں اور جلوسوں اور تحریر و تقریر کے ذریعہ یہ واضح کردینا چاہئے کہ

''قادیانیت مذہب اسلام سے نکلی ہوئی کوئی جماعت نہیں بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے ایک نئی تحریک ہے جو انگریزوں کے اشاروں پر ۱۸۸۰ء میں قائم ہوئی اور ۱۸۸۹ء میں ایک گروپ کی شکل اختیار کرگئی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے بیٹے بشیر الدین محمود نے اپنے باپ کی ایک تقریر نقل کرتے ہوئے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔

''حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے منھ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں آپ نے فرمایا تھا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں (مسلمانوں) سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا چند مسائل میں ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ کی ذات رسول اکرم ﷺ قرآن نماز روزہ حج وزکواۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں مسلمانوں سے اختلاف ہے''(۷۹)

مصادر و مآخذ

۱۔ المتنبی القادیانی، مفتی محمود ص ۱۲ استانبول ۱۹۷۷ء

۲۔ المتنبی القادیانی ص ۲۸، ۲۹

۳۔ ماہنامہ لیس ص ۳۹۷ کانپور

۴۔ ماہنامہ لیس ص ۳۹۵ کانپور

۵۔ المتنبی القادیانی ص ۳

۶۔ خونیۃ الاسلام ص ۳۰ ترکی

۷۔ قادیانی مذہب ص ۲۰۹ بحوالہ حقیقۃ الوحی مطبوعہ بار چہارم ص ۲۳

۸۔ افکار ملی دہلی جولائی ۱۹۹۴ء ص ۴۳، ۴۴

۹۔ الکادیۃ ص ۵۹۸

۱۰۔ الکادیۃ ص ۶۰۷

۱۱۔ تحفظ ناموس رسالت اور گستاخ رسول کی سزا ص ۲۶۱

۱۲۔ اشتہار واجب الاظہار مورخہ ۲۰/ ۱۸۹۷ء

۱۳۔ المتنبی القادیانی ص ۱۷

۱۴۔ سورۃ البقرۃ آیت ۳۵

۱۵۔ تریاق القلوب ص ۱۵۶

۱۶۔ المتنبی القادیانی ص ۱۳ بحوالہ کشتی نوح، مرزا غلام احمد قادیانی

۱۷۔ خزائن العرفان برحاشیہ کنز الایمان، سید نعیم الدین مرادآبادی ص ۵۶۹

۱۸۔ اعجاز المسیح — ص ۱۳۵، المتنبی القادیانی ص ۱۷
۱۹۔ سورۂ بنی اسرائیل — آیت ۱
۲۰۔ خطبہ الہامیہ — ص ث ضیاء الاسلام پریس قادیان ۱۹۰۰ء
۲۱۔ سورۂ الصف — آیت ۶
۲۲۔ ازالۃ الاوہام — ص ۶۷۵ طبع خامس
۲۳۔ کلمۃ الفصل ریویو آف ریلیجیز — ۱۹۱۵ء
۲۴۔ آئینہ دار العلوم — ۱۶/جنوری ۲۰۰۵ء ص ۱۱
۲۵۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم — ص ۸۲،۸۳، ۱۹۰۷ء
۲۶۔ معیار الاخبار — ص ۸ ماخوذ از قادیانی مذہب
۲۷۔ ذکر الحکیم، ڈاکٹر عبد الحکیم — ص ۲۴ منقول از اخبار الفضل مورخہ ۱۵/ جنوری ۱۹۲۵ء
۲۸۔ آئینہ صداقت — ص ۳۵
۲۹۔ تحذیر الناس، محمد قاسم نانوتوی — ص ۳
۳۰۔ تحذیر الناس — ص ۱۳،۲۴
۳۱۔ آئینہ دار العلوم — یکم جنوری ۲۰۰۵ء ص ۱۰
۳۲۔ افادات قاسمیہ — ص ۱ ربوہ پاکستان
۳۳۔ تجانب اہل السنۃ — ص ۲۱
۳۴۔ ایک غلطی کا ازالہ — ص ۱۲ قادیان ۱۹۰۱ء
۳۵۔ حقیقۃ الوحی — ص ۳۹۱ مطبوعہ ۱۹۰۷ء
۳۶۔ ماہنامہ لیس کانپور بحوالہ دافع البلاء — ص ۱۵۰ و تازیانۂ عبرت ص ۱۲
۳۷۔ تتمہ حقیقت الوحی — ص ۶۷
۳۸۔ حوالہ اربعین — ص ۴

۳۹۔ براہین احمدیہ ص ۷۵

۴۰۔ اللولوو المرجان فیما اتفق علیہ الشیخان فواد باقی کویت ۱۹۹۹ء ص ۵۰۹

۴۱۔ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰

۴۲۔ سورۃ المائدہ آیت ۳

۴۳۔ بخاری شریف جلد ا ص ۴۹۱

۴۴۔ مسلم شریف جلد ا ص ۲۷۸

۴۵۔ بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۳۳

۴۶۔ ترمذی شریف ص ۲۳۱

۴۷۔ ماہنامہ لیس آگست ستمبر ۱۹۸۹ء ص ۳۷۳

۴۸۔ ماہنامہ لیس آگست ستمبر ۱۹۸۹ء ص ۴۱۶

۴۹۔ ماہنامہ افکار ملی دہلی ص ۳۲ جولائی ۱۹۹۴ء

۵۰۔ قادیانیت، ابوالحسن علی ندوی ص ۱۸۷ لکھنؤ ۱۹۸۸ء

۵۱۔ مجموعہ رسائل ردمرزائیت ص ۴۴

۵۲۔ فتاوی رضویہ جلد ۶ ص ۵۹

۵۳۔ السوء والعقاب، امام احمد رضا ص ۱۲ الہ آباد ۱۹۷۹ء

۵۴۔ السوء والعقاب، امام احمد رضا ص ۲۲

۵۵۔ السوء والعقاب، امام احمد رضا ص ۲۳

۵۶۔ الجراز الدیانی، امام احمد رضا ص ۹

۵۷۔ قادیانیت کا علمی محاسبہ ص ۵۵ رضا اکیڈمی انگلینڈ ۲۰۰۶ء

۵۸۔ البریلویۃ، احسان الٰہی ظہیر ص ۱۹

۵۹۔ حیات اعلیٰ حضرت، ظفر الدین قادری ص ۳۲

۶۰۔ حیات اعلیٰ حضرت ص ۳۳

۶۱۔ تاریخ احمدیت جلد۲ ص ۵۶

۶۲۔ اخبار اہل حدیث ۱۲/ اپریل ۱۹۱۵ء

۶۳۔ الاربعین، عبدالحق غزنوی ص ۴۳ لاہور

۶۴۔ سنی دنیا بریلی ص ۳ دسمبر ۱۹۸۵ء

۶۵۔ تحذیر الناس، محمد قاسم نانوتوی ص ۱۳

۶۶۔ تحذیر الناس ص ۲۳

۶۷۔ تحذیر الناس ص ۳

۶۸۔ تحذیر الناس ص ۱۳

۶۹۔ تحذیر الناس ص ۲۳

۷۰۔ مسئلہ ختم نبوت اور تحذیر الناس ص ۱۳ اشاہ احمد سعید کاظمی فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ۱۹۸۸ء

۷۱۔ نقش خاتم، ارشد القادری ص ۳۳

۷۲۔ اشرفیہ مبارکپور ۱۶/ اگست ۱۹۹۲ء

۷۳۔ اسلامی اصول کی فلاسفی، مرزا غلام احمد قادیانی ص ۴۹ پنجاب جولائی ۱۹۶۸ء

۷۴۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں اشرف علی تھانوی ص ۱۶۹ دہلی ۱۹۸۱ء

۷۵۔ اسلامی اصول کی فلاسفی، مرزا غلام احمد قادیانی ص ۴۹ پنجاب ۱۹۶۸ء

۷۶۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۲۰۴

۷۷۔ اسلامی اصول کی فلاسفی ص ۴۱

۷۸۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۲۰۶

۷۹۔ اخبار الفضل قادیان ۳۰/ جولائی ۱۹۲۱ء

امام احمد رضا قادری

اور

مولانا محمد طیب عرب مکی

نظریۂ تقلید کا تقابلی مطالعہ

"تقلید معاشرتی زندگی کا ایک اہم ستون ہے یہ گر جائے تو معاشرہ ڈھے جائے، انسان بکھر کر رہ جائے، تقلید کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ تقلید نہ کی تو ہر کمال سے محروم رہے، ایسا کوئی معقول آدمی نظر نہیں آتا جو یہ کہے کہ کتابیں تو موجود ہیں بچہ خود پڑھ لے گا دانائی یہی ہے کہ بہترین استاد کو اپنا رہبر بنایا جائے اور خود پڑھنے لکھنے کے زعم میں زندگی کو رائیگاں اور مستقبل کو برباد نہ کیا جائے، اس اہمیت کے باوجود بعض علماء اسے غیر ضروری قرار دیتے ہیں اور تقلید کرنے والوں پر تنقید ین کرتے ہیں۔ امام احمد رضا قادری نے ایسے لوگوں کی مخالفت کی ہے اور اس موضوع پر ایک زمانہ تک محمد طیب عرب مکی جو مدرسہ عالیہ رام پور میں پرنسپل تھے ان سے خط و کتابت کے ذریعہ مباحثہ کیا ہے، اس مقالہ میں انہی حقائق پر مستند گفتگو ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والرسول (۱)

(حکم مانو اللہ اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔)

اولی الامر سے مراد علما مجتہدین ہیں وہ مفسرین ومحدثین جو رتبہ اجتہاد تک نہیں پہنچے وہ مراد نہیں ہیں۔(۲)

ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (۳)

(اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے جو بعد میں کاوش کرتے ہیں)

اولی الامر کے بڑے مصداق حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنھما ہیں اور یہ نبی ﷺ کے زمانہ میں حاکم نہ تھے (۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وماکان المومنون لینفروا کافۃ فلو نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (۵)

ترجمہ (اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں)

دوسری جگہ یہ بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۶)

(تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو)

اس آیت میں اللہ اور رسول کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت وفرمانبرداری کا بھی حکم دیا گیا ہے۔اولی الامر سے متعلق مفسرین نے مختلف خیالات ونظریات پیش کئے ہیں۔کسی نے شیخ کسی نے مجتہد اور کسی نے سلطان مرادلیا ہے۔ان مختلف نظریات اوراقوال کے درمیان درج ذیل تشریحات کی روشنی میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔

اولوالامر دوقسم کے ہوتے ہیں ایک دینی اور دوسرا دنیاوی۔ امر دنیاوی کی مختلف توضیحات کی جاسکتی ہیں۔سیاست دانوں کے اعتبار سے سلاطین اولوالامر ہیں۔کیوں کہ ان کے ذمہ ملک کا نظم ونسق ہوتا ہے۔ملکی انتظامات میں ہمیں ان کی اتباع ضروری ہے۔تدبیر منزل کے اعتبار سے گھر کا مالک اولوالامر ہے لہٰذا گھریلو امور میں اس کی اطاعت واجب ہے ،بصورت دیگر اختلافات رونما ہوسکتے ہیں جس سے فتنہ وفساد کا شعلہ بھڑک سکتا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کی تقلید کا حکم دیا ہے ارشاد نبوی ہے۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (۷)

کیونکہ اگر ایسا نہیں ہوا تو معاشرہ انتشار کا شکار ہوسکتا ہے اس لئے ان کی تقلید اہل اسلام کے لئے لازم قرار دیا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار (۸)

امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں

"ائمہ کا لاکھوں مسائل کا نکالنا اور مدون کرنا جس کی انہیں خود بھی حاجت نہ پڑتی اگر دوسروں کے عمل کے لئے نہ تھا تو کیا معاذ اللہ لغو حرکت تھی جس میں انہوں نے اپنی تمام عمر گراں مایہ کو صرف فرمایا"۔(۹)

اسی وجہ سے خود ائمہ کرام نے ایک دوسرے کی تقلید فرمائی امام ابو یوسف اور امام محمد

جو کہ مجتہد فی المذہب تھے امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے تھے۔ (۱۰)

امر دینی یا تو ظاہری ہوگا یا باطنی اگر ظاہری ہے تو اسے شریعت کہا جائے گا اگر باطنی ہے تو اسے طریقت کا نام دیں گے۔ شریعت کے اولوالامر مجتہدین اور طریقت کے اولوالامر مشائخ ہیں۔ اگر آیت میں اولوالامر سے امور دینیہ مراد لیا جائے تو ایسی صورت میں اللہ و رسول کے بعد مجتہدین کی اتباع اطاعت، تقلید و پیروی لازم ہوگی اور تمام دینی امور میں انہیں کے ماتحت رہنا ہوگا۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ قرآن وحدیث کا جو مطلب جس کی سمجھ میں آئے اسی پر عمل کرے اور اسی کے مطابق فتاوے صادر کرے یہ مبنی بر جہالت اور موجب فتنہ وفساد ہے، ابتدائے اسلام میں اسی نظریہ کو کچھ اہل علم نے بڑھاوا دیا جس کے سبب چوتھی صدی ہجری تک عجب افراتفری کا عالم رہا۔ اس دینی وفقہی انتشار میں سلیمان داود ظاہری (۲۷۰ھ) اور ابن حزم اندلسی (۴۵۶ھ) نے کلیدی کردار ادا کیا۔ سلیمان داؤد ظاہری نے تیسری صدی ہجری میں مجتہدین کی عام روش سے ہٹ کر ایک جداگانہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تیار کی۔ قیاسیات کی مخالفت کر کے ظاہر روایت پر عمل کیا اسی وجہ سے ان کے متبعین کو ''ظاہریہ'' کہا جاتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں ابن حزم پہلے تو مذہب تقلید پر کاربند ہوئے اور امام شافعی کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔ پھر داود ظاہری کی اتباع کر کے فرقہ "ظاھریه" سے وابستہ ہوگئے پھر اسی فرقہ کی جرح وقدح کرنے لگے۔ اور آزاد ہو کر خود امام الائمہ بن گئے۔ ابن خلدون (۸۰۸ھ) نے اسی تبدیلی فکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" صار الی مذھب اھل الظاھر و مھر فیه باجتھاد زعمه فی اقوالھم و خالف امامھم داود و تعرض لکثیر من ائمة المسلمین " (۱۱)

انہوں نے عام روش سے ہٹ کر ایک نئے مسلک کی بنیاد ڈالی اور وہ احادیث جن پر قیاس ضروری تھا ظاہر پر عمل کر کے فتویٰ صادر کرنے لگے۔ مثلاً بخاری شریف کی یہ حدیث

"لایبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیه (۱۲)

اس حدیث کے متعلق ابن دقیق العید نے شرح الالمام باحادیث الاحکام میں ابن حزم کا ایک قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"بستہ پانی قلیل ہو کہ کثیر اگر اس میں کسی انسان نے پیشاب کردیا تو اس پیشاب کرنے والے کو اس پانی سے وضو اور غسل درست نہیں مگر دوسرے لوگوں کے لئے وہ پانی طاہر اور مطہر ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے کیوں کہ حدیث میں پیشاب کرنے والے کے حق میں نہی وارد ہے" (۱۳)

داؤد ظاہری اور ابن حزم کے علاوہ عالم اسلام میں اور بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے خیال کے ماتحت ہو کر خیالی فتاوے صادر کیے۔ تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے یہاں صرف پانی سے متعلق اہل علم کے نظریات کی ایک مختصر فہرست دی جارہی ہے۔

۱۔ ایک صاحب کا یہ کہنا ہے کہ قلتین سے کم پانی میں نجاست پڑ جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پانی گو کتنا ہی قلیل ہو جب تک اوصاف ثلثہ میں سے کوئی وصف متغیر نہ ہو ناپاک نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسرے اہل علم کی تحقیق یہ ہے "الماء طھور لاینجسہ شیٔ" پانی باوجود تغیر وصف ناپاک ہی نہیں ہوتا کوئی حدیث اوصاف ثلثہ کے باب میں وارد نہیں ہوئی اور اگر ہے بھی تو متصل السند نہیں۔

۴۔ چوتھے صاحب امام ظاہری کے متفق الرائے ہوئے کہ پیشاب سے پانی تو البتہ ناپاک ہو جاتا ہے مگر پائخانے سے نہیں کیوں کہ حدیث پیشاب کے بارے میں وارد ہے پائخانہ کے بارے میں نہیں۔

۵۔ پانچویں صاحب ابن حزم کے ہم خیال ہوئے اگر پانی ہی میں پیشاب کیا تو ناپاک ہوگا اور اگر کسی ظرف میں کیا پھر پانی میں ڈال دیا تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔

آزادیٔ ذہن کے باعث یہ مختلف قسم کے نظریات ابھر کر سامنے آئے جس سے ملت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو کر رہ گیا۔ لوگ مختلف گروہوں میں بٹ کر رہ گئے۔ ایک خیال کے پیرو دوسرے خیال کے متبعین پر ردوقدح کرنے لگے۔ یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا نوبت بایں جا رسید کہ بعض اہل علم کو سخت وسست کہا گیا، ان کی کتابیں پھاڑ دی گئیں اور ہر طرح ان پر طعن وتشنیع کی گئی۔ جب اہل ہوش وخرد کو اس صورت حال کا احساس ہوا تو انہوں نے ملت کی نباضی کرتے ہوئے آپس میں مل بیٹھ کر چاروں ائمہ میں سے ایک کی تقلید کرنے پر اتفاق کیا۔ کیوں کہ قرآن حکیم میں ہر نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ دعا میں جن پر انعام کیا گیا ہے انہیں کی تقلید کا سوال کرے جن کو صراط الذین انعمت علیهم سے تعبیر کیا گیا ہے اور سب کے نزدیک یہ بات مانی ہوئی ہے کہ چاروں ائمہ مذاہب صالحین میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر خداوند تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے (۱۴)

اسی لئے ان چاروں ائمہ کرام کی تقلید کے دانشورانہ فیصلے کی تشہیر کی گئی اور اس فیصلہ پر کثرت سے عمل کیا گیا اور دوسرے مذاہب کالعدم قرار دئے گئے۔ ان تمام مذاہب کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور انہیں صرف کتابوں میں بند رکھنے کی ایک طویل داستان ہے جس کی کچھ تفصیل ابن خلدون کی شاہکار تصنیف المقدمہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

> ’’دیار وامصار میں انہی ائمہ اربعہ پر تقلید ٹھہر گئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلدین ناپید ہوئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دئے‘‘ (۱۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے اس داستان کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔

" لما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كانت اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السوادالا عظم "(١٦)

(مذہب اربعہ کے سوادوسرے تمام مذاہب معدوم ہو گئے توانہیں چاروں مذاہب کااتباع سواداعظم کااتباع ٹھہرااوران سے نکلنا سواداعظم سے نکلنا ہوا'')

اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تقلید کوضروری جانا اوراس پرخودبھی عمل کیااوردوسروں کوبھی اس کی تلقین فرمائی انہوں نے حجۃ اللہ البالغۃ میں واضح لفظوں میں لکھاہے۔

"ان هذه المذاهب الاربعةالمدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد به منها علىٰ جواز تقليدها الىٰ يو منا هذاوفى ذالک من المصالح مالا يخفىٰ لا سيما فى هذه الايام التى قصرت فيها الهمم جدا واشربت النفوس الهوىٰ واعجب كل ذى راى برائه(١٧)

(یہ چاروں فقہی مذاہب جوارائج ہیں ان میں سے کسی ایک کی تقلید پر زمانہ قدیم سے لے کرآج تک امت اسلامیہ کااتفاق رہاہےاوراس میں بڑی مصلحتیں ہیں بالخصوص ہمارے اس دور میں تواس پرعمل کرنا بہت ضروری ہے کیوں کہ آج کل عقلوں میں کوتاہی آچکی ہےاورلوگوں کے دلوں میں خواہشات نفسانیہ بھری ہوئی ہےاور ہرشخص اپنی عقل اور سمجھ کوسب سے بہتر سمجھتا ہے اس کے لئے ان مذاہب میں کسی ایک کی تقلیدضروری ہے)

چوتھی صدی ہجری میں ائمہ اربعہ کی تقلید پراہل علم کااتفاق ہوجانے کے بعدکسی ایک امام کی تقلیدکوہی ذریعۂ نجات گردانتے رہے۔پھرتقریباًتین صدی بعدساتویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اوراس کے شاگردخاص ابن القیم (م ۷۵۱ھ) نے عام علماء کی روش سے ہٹ کراس راستہ کواز سرنورواج بخشاجس کی قیادت پچھلے ادوار میں داؤدظاہری

اور ابن حزم جیسے ظاہر پرست علما کر چکے تھے۔ بظاہر یہ دونوں حنبلی المسلک تھے لیکن ان کے افکار آزادانہ ہوتے تھے۔ جس کے سبب فکر میں بے راہ روی پیدا ہو ہی جاتی تھی۔ استاد اور شاگرد دونوں کے اہل علم ہونے پر تمام مورخین کا اتفاق ہے مگر ان کی عقل کے بارے میں ہر ایک نے تقریباً کمی کا اعتراف کیا ہے۔ ابن تیمیہ کے بارے میں صلاح الدین الصفدی (م ۷۶۴ھ) نے لکھا ہے۔

"عقله ناقص یورطه فی الهالک و یوقعه فی المضائق" (۱۸)

(ان کی عقل ناقص تھی جو انہیں ہلاکت اور تنگیوں میں ڈال دیا کرتی تھی)

ابن تیمیہ حرانی کے شاگرد ابن القیم کے بارے میں شمس الدین الذہبی نے المعجم میں ان کے علمی کمالات کا اعتراف کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"لکنه معجب برائه، سئی العقل" (۱۹)

(لیکن وہ معجب الرائے اور سئی العقل تھے)

داؤد ظاہری اور ابن حزم اندلسی کی فتنہ پرور روش کا جو اس دور کے علماء سواد اعظم نے سدّ باب کیا تھا ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم کے نقص عقل کے باعث وہ مسلک پھر ابھر کر سامنے آ گیا اور پھر اس میں اس درجہ استحکام پیدا ہوا کہ آج بھی ابن تیمیہ کے افکار وخیالات کی ترجمانی کرنے والوں کی ایک جماعت موجود ہے۔ جس کی تاسیس جدید بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ یہ بات اس لئے کہی جا رہی ہے کہ ابن تیمیہ نے جب دیگر تمام اسلامی فرقوں کے اعتقادات کے منافی غلط عقائد کا اظہار کیا۔ تو دیگر اسلامی فرقوں کے علماء نے ہمیشہ ان کی شدید مخالفت کی اور محققین کی رائے کے مطابق ابن تیمیہ کے غلط عقائد ہی بعد میں "وہابی اعتقادات" کی بنیاد قرار پائے" (۲۰)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اپنے خیالات کی نشر و اشاعت سے متعلق جو طریقہ اختیار کیا وہ انتہائی گھناؤنا اور قابل نفرین تھا بقول استاد جعفر سبحانی :

''محمد بن عبدالوہاب نجدی لوگوں کو اپنی غلط توجیہات پر مبنی توحید کو قبول کرنے کی دعوت دیتا اور جو لوگ اس کی دعوت قبول کر کے اس کے غلط عقائد کو تسلیم کر لیتے ان کا جان و مال محفوظ رہتا۔ جب اس کے برعکس وہ لوگ جو اس کی دعوت ٹھکرا دیتے انہیں جنگی کافروں کے زمرے میں شامل کر دیا جاتا اور ان کی جان لینا اور مال لوٹنا حلال و مباح سمجھا جاتا'' (۲۱)

شیخ نجدی کی انہیں حرکتوں کی بنیاد پر ان کے والد عبدالوہاب اور ان کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۶ھ) ناراض ہو گئے۔ بھائی نے تو شیخ نجد کے خیالات کا بڑی شدت سے رد کیا اور ان کے عقائد کی تردید میں " الصواعق الالٰهیه' فصل الخطاب فی الرد علی محمد بن عبد الوهاب" لکھی (۲۲)

اسلام کی دعوت و تبلیغ کا جو طریقہ انہوں نے اسلاف کی روش سے ہٹ کر اختیار کیا تھا ان کے والد محمد بن عبدالوھاب اور بھائی سلیمان بن عبدالوھاب اس سے سخت نالاں تھے شیخ ابن الحمیدی نے شیخ عبدالوھاب کی ناراضگی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

" انه كان غضباناً علىٰ والدهٖ لكونهٖ لم يرض ان يشتغل بالفقه كأسلافهٖ " (۲۳)

اور ان کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب نے اپنے بھائی محمد بن عبدالوھاب کے عقائد باطلہ کی تردید میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ابن الحمیدی لکھتے ہیں۔

" سليمان اخو الشيخ محمد كان منافياً ليس فى دعوتهٖ ورد عليه جيداً بالأيات والآثار لكون المردود عليه عليه لايقبل سواها ولايلتفت الى الكلام عالم " (۲۴)

جب اس وہابی مسلک کا بانی شیخ نجد محمد بن عبدالوہاب ہے تو اس کی نسبت بیٹے کی طرف نہ کر کے اس کے والد عبدالوہاب کی طرف کیوں کی گئی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرید وجدی لکھتے ہیں۔

''اگر اسے (وہابی مسلک) شیخ محمد سے منسوب کر کے ''محمدیہ'' نام دیا جاتا تو اس صورت میں اس امر کا خدشہ موجود تھا کہ اس مسلک کے پیروکار اپنے مسلک کو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک سے منسوب کر کے اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے'' (۲۵)

شیخ نجد نے ''کتاب التوحید'' لکھی اور اس میں اپنے نظریات وخیالات کو کفر وشرک کی زبان میں پیش کیا اور اکا دکا چند لوگوں کو چھوڑ کر پورے عالم اسلام کو کافر ومشرک قرار دے ڈالا۔ جس کے سبب عالم اسلام میں زبردست فساد اور فتنہ برپا ہوا، کئی جنگیں ہوئیں، جس میں مسلمانوں کا خون ناحق بہایا گیا۔ اس بیان کی تائید مولانا حسین احمد مدنی ٹانڈوی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جسے انہوں نے اپنی تصنیف الشہاب الثاقب میں تحریر کیا ہے۔ وہ فرماتے۔

''محمد عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چوں کہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنت وجماعت سے قتل وقتال کیا ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھتا ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب اور رحمت شمار کرتا اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے بہت سے لوگوں کو بوجہ اس تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے الحاصل وہ ایک ظالم خونخوار اور فاسق تھا'' (۲۶)

ہندوستان کی سرزمین پر اسی نجدی فتنہ کی اشاعت ایک منظم سازش کے تحت انگریز حکومت نے شاہ محمد اسماعیل دہلوی سے کرائی انہوں نے ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے

ایک کتاب لکھی۔ جس میں شیخ نجد کے افکار وخیالات کی بھرپور ترجمانی کی شاہ صاحب کی اس کتاب کو اگر شیخ نجدی کی کتاب "کتاب التوحید" کا ہندوستانی ایڈیشن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شاہ محمد اسماعیل دہلوی کے قلم نے بھی کفر وشک کی ندیاں بہائیں جس کے منجدھار میں ان کے کچھ معتقدین کے علاوہ سارے اہل اسلام بہہ گئے۔ سطور بالا کی تفصیل مناظرہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۲۳۳ھ میں ہندوستان میں عدم تقلید کی ابتدا ہوئی (۲۷) شاہ محمد اسماعیل دہلوی نے ہندوستان میں عدم تقلید کا پرچم بلند کیا میاں نذیر حسین دہلوی نے شاہ صاحب کی مکمل اتباع کی اور ان کی فکر عام وتام کرنے کی ہر ممکن جد وجہد فرمائی اور غیر مقلدیت کا پرچار ان کی زیست کا حاصل ہوگیا۔ اس میں انہیں وہ شہرت ملی کہ ان کے متبعین انہیں "فاتح حصار تقلید" کہنے لگے" (۲۸)

شاہ صاحب نے جن خطوط پر چل کر تقلیدی قلعوں کو پاش پاش کرنے کے لئے ناکام کوششیں کیں تھیں میاں نذیر حسین نے بھی تقلید کو نیست ونابود کرنے کے لیے انہی خطوط کو اپنایا بلکہ بعض معاملوں میں تو میاں صاحب نے اتنا تشدد برتا کہ ان کے اپنے بھی دائرۂ اسلام سے باہر ہوگئے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے زندگی بھر علمائے اہل سنت بطور خاص امام احمد رضا فاضل بریلوی سے علمی ومذہبی اختلافات رہے لیکن ایک موقعہ پر انہوں نے اپنے معتقدین سے یہ کہہ دیا کہ ہم لوگوں سے امام احمد رضا کی مخالفت محبت رسول کی بنیاد پر ہے بلاشبہ وہ عاشق رسول ہیں تو انہیں بھی میاں صاحب کے معتقدین نے نہیں بخشا۔ مولانا محمد اشرف، میاں صاحب کی سوانح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولوی اشرف علی صاحب ظاہر میں تو دیوبندی مشہور تھے مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ اندرونی طور پر وہ وجودی المذہب اور بریلوی تھے" (۲۹)

مرتب سوانح نے مولانا اشرف علی تھانوی کا وہ عربی منظوم خط نقل کیا ہے جسے انہوں نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد گنگوہی کی مدح میں لکھا تھا۔ جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

یا مرشدی یا موئلی یا مفزعی یا ملجائی فی مبدئی ومعاد
ارحم علی ابی غیاث فلیس لی کهفی سوا حبیبکم من زاد
فاذ الانام بکم وانی حائم فانظر الیّ برحمۃٍ یا هاد
یا سیدی للّٰه شئیاً انه انتم لی المجدی وانی جادٍ

اس کے بعد مرتب نے وضاحتی نوٹ لگاتے ہوئے لکھا ہے۔

''ہر لفظ سے کفر و شک ٹپک رہا ہے اگر یہی اشعار کوئی غیر مسلم اپنے بانی مذہب سے مخاطب کر کے کہتا یا کوئی قبر پرست بریلوی اپنے بزرگ سے التجا کرتا تو دیوبندی حنفیت اس کو کفر و شرک قرار دیتی لیکن اب چونکہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب مولوی رشید احمد گنگوہی سے کہہ رہے ہیں لہٰذا ڈر نہیں'' (۳۰)

اس سے قبل کہ میں اصل موضوع سے متعلق گفتگو کروں مناسب یہ ہوگا کہ اس غیر مقلدیت کے تعلق سے مختصر سی تاریخ آپ کے سامنے بیان کر دی جائے تا کہ مسئلہ کی تفہیم میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہ ہو۔

قرون اولیٰ میں ''اہل حدیث'' یا ''صاحب الحدیث'' ان تابعین یا تبع تابعین کو کہتے تھے جن کو احادیث زبانی یاد ہوتیں اور احادیث سے مسائل اخذ کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔ پوری اسلامی تاریخ میں اہل حدیث کے نام سے کسی فرقہ کا وجود نہیں اگر مسلک کے اعتبار سے اہل حدیث کا لقب اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی تو حضور ﷺ علیکم بسنتی نہ فرماتے بلکہ علیکم بحدیثی فرماتے۔ حضور ﷺ کی حدیث پاک سے اہل سنت کا لقب اختیار کرنے کی تو تائید ہوتی ہے مگر اہل حدیث کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ برصغیر میں لفظ اہل حدیث کی ایک سیاسی تاریخ ہے اس سیاسی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد مسعود

احمد پاکستان فرماتے ہیں۔

برصغیر میں اس فرقے کو پہلے وہابی کہتے تھے جو اصل میں غیر مقلدین ہیں چونکہ انہوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے انگریزوں کا ساتھ دیا اور برصغیر میں برطانوی اقتدار قائم کرنے اور تسلط جمانے میں انگریزوں کی مدد کی۔ انگریزوں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد تو اہل سنت پر ظلم وستم ڈھائے لیکن ان حضرات کو امن وامان کی ضمانت دی۔ (۳۱)

یہ کوئی الزام نہیں تاریخی حقیقت ہے جو ہمارے معصوم جوانوں کو معلوم نہیں ہے اور نہ ہی بتائی جاتی ہے کیوں کہ ہماری تاریخ بھی مصلحتوں کا شکار رہی ہے۔ خود اہل حدیث عالم مولوی محمد حسین بٹالوی (جنہوں نے انگریزی اقتدار کے بعد برصغیر کے غیر مقلدوں کی وکالت فرمائی) وہ فرماتے ہیں۔

''اس گروہ اہل حدیث کے خیر خواہ وفاداری رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی اور روشن دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں'' (۳۲)

ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو سپاس نامہ پیش کیا تھا اس میں بھی یہ اعتراف موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:

''اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام واستحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارک باد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔ (۳۳)

یہی بزرگ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

''جو ''اہل حدیث'' کہلاتے ہیں وہ ہمیشہ سے سرکار انگریز کے نمک حلال اور خیر خواہ رہے ہیں اور یہ بات بار بار ثابت ہو چکی ہے اور سرکاری خط وکتابت میں تسلیم کی جا چکی ہے (۳۴)

سطور بالا میں لفظ اہل حدیث آپ نے بار بار پڑھا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس فرقہ کو پہلے وہابی کہتے تھے انگریزوں کی اعانت اور عقائد میں سلف صالحین سے اختلاف کی بنا پر برصغیر کے لوگ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ان سے نفرت کرنے لگے اس لئے وہابی نام بدلوا کر ''اہل حدیث'' نام رکھنے کی درخواست کی گئی۔ اس سلسلے میں جو خط مولوی محمد حسین بٹالوی نے انگریز حکومت کی خدمت میں پیش کیا اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

''ترجمہ درخواست برائے الاٹمنٹ نام اہل حدیث و منسوخی لفظ وہابی اشاعة السنة آفس لاہور

از جانب ابو سعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر اشاعة السنة و وکیل اہل حدیث ہند بخدمت جناب سکریٹری صاحب۔

میں آپ کی خدمت میں سطور ذیل پیش کرنے کی اجازت اور معافی کا خواستگار ہوں ۱۸۸۶ء میں میں نے ایک مضمون اپنے ماہواری رسالہ اشاعة السنة میں شائع کیا تھا جس میں اس بات کا اظہار تھا کہ لفظ وھابی جس کو عموماً باغی و نمک حرام ہونے کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا اس لفظ کا استعمال مسلمانان ہندوستان کے اس گروہ کے حق میں جو اھل حدیث کہلاتے ہیں اور وہ ہمیشہ سے سرکار کے نمک حلال و خیر خواہ رہے ہیں اور یہ بات (سرکار کی وفاداری و نمک حلالی) بارہا ثابت ہو چکی ہے اور سرکاری خط و کتابت میں تسلیم کی جا چکی ہے مناسب نہیں۔ بنا بریں اس فرقے کے لوگ اپنے حق میں اس لفظ کے استعمال پر سخت اعتراض کرتے ہیں اور کمال ادب و انکساری کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ (ہماری وفاداری، جاں نثاری اور نمک حلالی کے پیش نظر) سرکاری طور پر اس لفظ وہابی کو منسوخ کر کے اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم نافذ کرے، اور ان کو اہل حدیث کے نام سے مخاطب کیا جائے'' (۳۵)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور حکومت کی طرف سے انہیں وہابی کہنے پر پابندی لگادی گئی اور اہل حدیث کا اشتہار کردیا گیا۔ اہل حدیث کا نام الاٹمنٹ ہونے پر گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے "اشاعة السنة" کے مدیر لکھتے ہیں۔

''فرقہ اہل حدیث گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے۔ اور اپنے ہر دل عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ وائسرائے لارڈ فرن اور اپنے پیارے اور رحم دل اور فیاض لیفٹنٹ گورنر سر چارلس ایچی سن لا کا تہ دل سے شکر گذار ہے اور بعوض وشکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ گورنمنٹ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصا اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے (۳۶)

یہ فرقہ وہابیہ جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہوئے نہیں تھکتے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو عار جانتے ہیں اور ابن تیمیہ ابن قیم اور قاضی شوکانی کے اقوال کے آگے مقلدانہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں یہی وہ ذہن وفکر ہے جس کی بنیاد داؤد ظاہری، ابن حزم اندلسی اور ابن تیمیہ نے ڈالی شیخ نجد محمد بن عبد الوہاب نجدی نے جسے پروان چڑھایا۔ ہندوستان میں شاہ اسماعیل دہلوی اور میاں نذیر حسین نے جس کی آبیاری کر کے تناور درخت کیا۔ مدرسہ عالیہ رام پور کے سابق پرنسپل مولوی محمد طیب عرب مکی نے بھی اسی نظریئے کی تبلیغ کی اور اسی فکر کو درست جان کر احقاق حق کے لئے امام احمد رضا قادری سے قلمی معرکہ آرائی کی اور اس مسئلہ کو درست مان کر ان سے بحث ومباحثہ کیا۔

مولانا محمد طیب کے والد شیخ صالح مکی اور دادا شیخ محمد عبد اللہ تھے۔ مکہ معظمہ میں ولادت ہوئی اور اپنی نانیہال لامو (برٹش ایسٹ افریقہ) میں پرورش پائی۔ بچپن میں کافی سیر وسیاحت کی، انتہائی ذہین تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ حافظہ عطا فرمایا تھا۔ بقول

حافظ علی خاں شوق :

"حاضر الذہن، ذکی الطبع، قوی الحافظہ، جلاء الطبیعۃ ذوخلق حسن وفکاہۃ بامذاق عالم تھے۔ جامع فنون معقول ومنقول ہر فن میں کچھ نہ کچھ اطلاع رکھتے تھے۔ خصوصاً علم معقول کے امام تھے۔ تاریخ نصاب عرب ومحاضرات میں وسیع معلومات اور اعلیٰ تحقیق تھی۔ عربی ان کی مادری زبان تھی" (۳۷)

عمر کا ایک تہائی حصہ سرزمین عرب میں گذارنے کے بعد تقریباً ۲۵ سال کی عمر میں ہندوستان تشریف لائے۔ پہلے تو انہوں نے بمبئی میں تجارت شروع کی۔ دوران تجارت کسی منطقی مولوی سے دینی مسئلہ میں بحث ہوگئی۔ علم معقولات سے واقف نہیں تھے۔ ان فنون کے حصول کا شوق انہیں دامن گیر ہوا تو رام پور تشریف لائے اور مولانا عبدالحق خیر آبادی کی شاگردی اختیار کی۔ معقولات میں درک پیدا کرنے کے بعد کئی اہم تصانیف قلم بند کیں۔

مولوی محمد طیب عرب مکی تصوف کے قطعی مخالف تھے وہی غیر مقلدانہ ذہن ان میں رچا بسا تھا فرماتے ہیں :

"(تصوف) جوگیوں اور اشراقیوں کی نقل ہے۔ اسلام سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ احداث فی الدین اور تکلف ہے" (۳۸)

عرب صاحب ایک عرصہ تک مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس اعلیٰ کے منصب پر فائز رہے پھر کچھ دنوں کے لئے ریاست حیدر آباد چلے گئے۔ مگر وہاں کی فضا راس نہ آئی تو ندوۃ العلماء لکھنو سے منسلک ہوگئے۔ ایک سال کی قلیل مدت وہاں گزارنے کے بعد دوبارہ رام پور واپس آکر مستقل سکونت اختیار کرلی۔

عرب صاحب نے کئی علمی گوشوں اور فنی موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ عربی ادب اور فن معقولات میں ان کی بیشتر تصانیف مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کی کل ڈیڑھ درجن تصانیف کا ذکر کتب تواریخ میں ملتا ہے۔ ۱۳۳۴ھ رام پور ہی میں وصال ہوا

اور چرخ والی مسجد کے قبرستان میں دفن ہوئے ان کے شاگرد رشید مولانا محمد بن یوسف سورتی نے ان کے انتقال پر اسّی اشعار میں ان کا مرثیہ لکھا۔

امام احمد رضا قادری اور مولانا عرب طیب مکی کے درمیان تقلید وعدم تقلید سے متعلق بحث ومباحثے ہوئے۔ اس کی تفصیل باضابطہ ایک کتاب کی متقاضی ہے۔ یہ مختصر مقالہ ان تفصیلات کا متحمل نہیں۔ سردست ہم آپ کی توجہ ان علمی گوشوں کی طرف مبذول کرائیں گے۔ جس سے ان دانشوروں کے نظریات پرکھنے میں آسانی ہو اور ساتھ ہی ان حضرات کے اپنے موقف کی تائید میں دیئے جانے والے دلائل کی بھی نشاندھی کریں گے تا کہ ہر فریق کی علمی عبقریت کا بھی اندازہ لگایا جاسکے۔

فاضل بریلوی امام احمد رضا قادری سے ان کی مراسلت علمی موضوعات پر ہوئی۔ طرفین سے عربی زبان میں سوال وجواب جس انداز سے ہوئے وہ عربی زبان وادب کا ایک اہم حصہ ہیں۔ امام احمد رضا قادری کی یہ عادت خوب تھی کہ جہاں کہیں بھی شرعی اعتبار سے کوئی خامی نظر آئی اسے متنبہ ضرور کیا اور اگر اس نے پہلوتہی کی اور بحث ومباحثہ کرنا چاہا تو آپ نے ہر طرح اسے سمجھانے کی بھی کوشش کی۔

مولوی عرب طیب مکی نے امام احمد رضا قادری سے تقلید اور تصرفات اولیاء سے متعلق قلمی مباحثے کئے چونکہ وہ خود غیر مقلد تھے اس لئے وہ تقلید کو کسی طرح روا نہیں سمجھتے تھے۔ جب کہ امام احمد رضا قادری مقلد تھے۔ انہوں نے متعدد مقامات پر تقلید کو فرض قطعی لکھا ہے اس سلسلے میں انہوں نے اپنا موقف ان چار جہتوں میں واضح کیا ہے۔

۱۔ مطلق تقلید کا انکار: امام احمد رضا قادری نے اس کی سخت الفاظ میں تردید فرمائی ہے کہ ایسا شخص قرآن، اجماع قطعی اور ائمہ سلف وخلف کا مخالف ہے اور گمراہ بے دین ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

۲۔ صرف عوام: ہمیشہ عوام تمام علمی معاملات میں اہل علم کے محتاج رہے ہیں اس

کا کوئی قائل نہیں کہ عوام اجتہاد کی قوت رکھتے ہیں اور ان کا حق ہے۔

۳۔ وہ علماء جو قرآن و احادیث سے احکام کو اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان چاروں مذاہب میں مقلدین کیسے کیسے ائمہ ہدیٰ و اکابر محبوبان خدا گذرے جنہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو مثلاً حنفی یا شافعی کہا۔

۴۔ موجودہ غیر مقلدین :ان کی حالت زار یہ ہے کہ :

الف) ان کی پوری جماعت کے علماء خواہ انہوں نے دو کتابیں پڑھی ہوں بلکہ عربی سے نابلد ہوں پھر بھی مجتہد ہیں کیوں کہ اگر مجتہد ہونے کا دعویٰ نہ رکھتے ہوں تو پھر مقلد قرار پائیں گے اور ان کے مذہب سے خارج متصور ہوں گے۔

ب) جن مسائل کو خود استنباط نہیں کر سکتے ان میں ایک مجتہد کے مقلد نہ ہوئے بلکہ بے شمار مجتہدین کے مقلد ہوئے ۔

ج) ہر مجتہد دوسرے مجتہد کے مقابلے میں نئے مذہب کا بانی ہو تو اس طرح مذہبوں کا غیر متناہی سلسلہ چل پڑے گا بلکہ ان میں یہی سلسلہ جاری ہو چکا ہے ایک دوسرے کو مشرک قرار دینے میں دیر نہیں کرتے (اس طرح) ایک درجن سے زائد غیر مقلدوں کے فرقے وجود میں آچکے ہیں۔

عرب صاحب چونکہ غیر مقلد تھے اس لئے ان کے نزدیک تقلید کی قطعی فرضیت ایک مضحکہ خیز بات تھی۔ اس لئے انہوں نے ۱۴ر جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ کو امام احمد رضا قادری کے پاس ایک خط لکھا جس میں تقلید کی قطعی فرضیت پر تعجب کرتے ہوئے استبصار فرمایا۔ لکھتے ہیں۔

> ” آپ کی بعض تصنیفوں میں یہ قول دیکھا کہ تقلید فرض قطعی ہے اس لئے مجھے تعجب ہوا۔ مجھے تقلید کو مستحب جاننے کی ہدایت نہ ہوئی چہ جائے کہ وجوب پھر کہاں فرضیت ؟ وہ بھی مطلق نہیں بلکہ فرضیت قطعیہ اس وجہ سے میں آپ کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس کے دلائل کے بارے میں بتایئے نیز اس کی

تعیین کیجیے کہ تقلید کہ کون سی قسم فرض قطعی ہے پھر مجھے بتایئے کہ مجتہدوں میں کسی کو کیوں کر اختیار کرتے آیا تقلید سے یا اجتہاد سے "(۳۹)

امام احمد رضا قادری نے ۲۰ رجمادی الثانی کو عرب صاحب کے خط میں پوچھے گئے سوالوں کا قرآن واحادیث کی روشنی میں مبسوط جواب دیا پہلے تو دلائل وبراہین کی روشنی میں تقلید ثابت کیا پھر پوری وضاحت کی۔ اس کے بعد عرب صاحب کو مخاطب کر کے لکھا۔

ولو انک یا اخی فی ھذا الی الکلام المبین لاغناک عن مراجعة مثلی من المقلدین (۴۰)

(برادرم اگر اس معاملہ میں آپ قرآن عظیم کی طرف رجوع کرتے تو مجھ جیسے مقلد کی رجوع کی حاجت نہ ہوتی)

امام احمد رضا قادری نے پھر اس کے بعد قرآن کریم سے ان آیتوں کو بطور دلیل پیش کیا ہے جس سے تقلید کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ دلائل کے انبار پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

" ماانت وایش انت حتی لایجب علیک التقلید (۴۱)

(آپ کیا اور آپ کی حقیقت کیا کہ آپ پر تقلید واجب نہ ہو)

پھر آپ نے عرب صاحب کے اس قول کا تجزیہ کیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "مجتہدوں میں سے کسی کو کیوں کر اختیار کرے آیا تقلید سے یا اجتہاد سے" امام احمد رضا قادری اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"کہ آپ خود ہی اجتہاد وتقلید میں اس کا حصر کر چکے ہیں کہ بر تقدیر اول کیا آپ کو علوم شرع کے تمام اصول وفروع کی شاخوں میں اجتہاد پہنچتا ہے یا کسی میں پہنچتا ہے کسی میں نہیں، بر تقدیر آخر جس میں آپ مجتہد ہیں اس کی تعیین کیجیے اور جس میں مجتہد نہیں اس میں اپنی راہ بتایئے۔ بر تقدیر اول بلکہ وہی خواہ مخواہ معنی میں اس لئے کہ اگر تمام مواجہات میں آپ کے لئے اجتہاد حلال نہ

ہوتا تو بعض فنون میں ضرور تقلید واجب ہوتی اور یہ برس کے برس اس کی طرف
ہدایت پانے سے خالی نہ جاتے'' (۴۲)

آخر میں انہوں نے اس بات کا دعویٰ بھی کیا ہے کہ غیر مقلدین کے فقہی مسائل اجتہادی کی دس گڑھی ہوئی سورتیں لائیے جن کا حکم خاص آپ نے استنباط کیا ہو جس کی بنائے ظاہر و باطن و اول و آخر جرح و تعدیل و تاصیل کسی بات میں آپ دوسرے کی سند نہ پکڑیں (۴۳)

پھر یہ بھی لکھا کہ میرا کلام نفس تقلید کی محض ذات میں تھا اس میں کوئی اثر کسی قید کا نہ تھا تو خاص کسی نوع کی تعیین سے سوال کے کوئی معنیٰ نہیں اور جس کلام کا مطلب صاف تھا کوئی اجمال نہ تھا اس کی شرح چاہنا کیسا؟۔ (۴۴)

امام احمد رضا قادری کا یہ جواب ملنے کے بعد عرصہ تک عرب صاحب خاموش رہے پھر رجب کے مہینے میں کسی طالب علم کے ذریعہ اس خط کا جواب انہوں نے بریلی بھجوایا وہ لڑکا آپ کے دروازے پر تشریف فرما ایک سید صاحب کو خط دے کر چلا گیا ان دنوں آپ درد کمر اور بخار میں مبتلا تھے۔ مگر عرب صاحب کا مکتوب دیکھتے ہی فی الفور جواب دینے پر آمادہ ہو گئے۔ جو خط عرب صاحب نے دیا تھا اس میں امام احمد رضا قادری کے مبسوط خط کا جواب اس طرح تھا۔

ان کتابک المنبی عما عندک فی التقلید وفریضة القطعیة قد وصل وقد حصل لازالت موفقاً ومهدیاً" (۴۵)

(آپ کا نامہ تقلید اور اس کی فرضیت قطعیہ میں آپ کے اعتقاد سے خبر دینے والا آیا اور خاص اس کے سبب بیشک سرور حاصل ہوا آپ ہمیشہ توفیق پائیں اور ہدایت کے ساتھ رہیں)

اسی خط میں عرب صاحب نے اولیاء اللہ کے تصرفات کے بارے میں بھی

معلومات دریافت کی تھیں اور تصرف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا:۔

''اگر اس معنی تصرف پر شرع سے کوئی دلیل ہو تو مجھے افادہ فرمائیں۔ خط کا آخری حصہ مسئلہ وجوب تقلید سے متعلق ایک وضاحت کی طلب سے وابستہ تھا کہ :

''آپ کا کلام مطلق تقلید میں ہے نہ کہ مقید میں تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص معین کی خاص تقلید واجب نہیں؟ پس اگر آپ کی یہ مراد ہے تو ہمیں اس کی معرفت دیجئے ورنہ ہم سے اپنا مطلب بیان کیجئے ''(۴۶)

عرب صاحب کے اس مراسلہ کا جواب ۲ رشعبان المعظم ۱۳۱۹ھ ہی کو حکیم مولوی خلیل اللہ کے بدست رام پور عرب صاحب کے پاس بھجوادیا۔ اس خط میں عرب صاحب کے سوالوں کے قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جوابات تھے۔ پہلے تو انہوں نے واجب اور فرض کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ واجب اور فرض میں زمین وآسمان کا فرق ہے پھر اس کی وضاحت کی کہ فرض دو طرح کا ہوتا ہے ایک علمی اور دوسرا عملی ہماری گفتگو فرض علمی سے متعلق ہے پھر یہاں جرأت واستعجاب میں ڈوب کر لکھتے ہیں۔

" فمالی اراه یعرف وینکر ویخبر ویذھل عما یخبروان اولته بالفرائض القطعی فلم یقل به احد فی الخصوصی النوعی (۴۷)

اتنی بھی آسان بات آپ کی سمجھ شریف میں نہیں آئی جب کہ آپ کو تیس سال گہوارۂ علم وفن میں رہنے کا دعویٰ ہے۔ پھر آپ نے عرب صاحب کے تصرفات اولیاء سے متعلق ان خالص قرآنی آیات کی نشاندھی کی ہے جس سے تصرفات کا پتا چلتا ہے آخر میں انہوں نے اپنی اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے جو اسی موضوع سے متعلق ہے جس کا نام الامن والعلیٰ لناعتی المصطفےٰ بدافع البلاء" (۱۳۱۱ھ) اور لقب اکمال الطامه علیٰ شریك سوی بالامور العامه (۱۳۱۱ھ) ہے اس کتاب میں امام احمد رضا قادری نے مسئلہ تصرف کو ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے مربوط کیا ہے۔ اس تفصیلی خط کے شدید انتظار

کے باوجود جب مولانا عرب مکی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا اور تین ماہ گذر گئے تو آپ نے نواب مولوی سلطان احمد خاں قادری کے ہاتھ ذوالقعدہ کو یاددہانی کے طور پر تیسرا خط ارسال کیا۔ اس خط سے مولانا عرب صاحب بہت جھلائے اس لئے ان کی پوری تحریر ذیل میں بعینہٖ نقل کی جارہی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

وبعد فھذارابع شھر منذ ارسلت الکتاب ولم تحر الجواب وقد کان کصاحب السابق الماضی علیه خمسة شھور مشتملاً علیٰ اسئلة دینیة لامعة النور فلم تجب عن ھذا ولاعن ذاک مع انک انت الھادی فیما ھناک وانا امھلک عدة ایام آخر لیجیب مفصلاً عن کل مستطر فان مضی یوم الخمیس تاسع ھذا الشھرالنفیس ولم یات منک الجواب تبین انک علقت الباب وطویت الصحف وجف القلم بما سینجف وللّٰہ الحمد فی الاولیٰ والآخرہ والصلوٰۃ الزاھرۃ والتحیات الفاخرۃ علیٰ سیدنا وصحبہٖ وعترتہٖ الطاھرۃ (آمین)

کتب عبدہ المزنب احمد رضاالبریلوی عفی عنه بمحمد مصطفےٰ النبی الامی ﷺ لخمس خلون من ذی القعدۃ یوم السبت (۱۳۱۹ھ)

یہ خط ملنے پر مولانا طیب عرب مکی نے نہ جانے کیوں اس قدر برہم ہوگئے کہ ان کے غیض وغضب کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور ان کے اس خط کا جو جواب اور پھر اس کا جواب ولہجہ اور انداز تھا وہ آپ بھی پڑھیے نہ بسم اللہ اور نہ سلام خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

وصلنی خطک المورخ ۵/ ذو القعدۃ ۱۱/ ذو القعدۃ فکیف

اجیبک یوم التاسع ولکن امتثالاً لامر ک سیاتیک الجواب الذی تعلم به اننی ماسکت عن الجواب لا صیانة لا غلاطک ان تظهر وبجهلک ان یشهر

ستعلم لیلی 'ایّ دین تداینت

وای غریم فی التقاضی غریمها (۴۹)

محمد طیب

مولانا طیب عرب مکی نے خط ایسی بدحواسی میں لکھا کہ اس مختصر کارڈ میں متعدد بدحواسیاں ان سے سرزد ہوگئیں۔ مثلاً پہلی بدحواسی کہ ابتدا میں القاب وآداب درکنار اللہ عزوجل کا نام بھی چھوٹا جب کہ اس سے پہلے کے دونوں خطوط مسنون طریقہ پر بسم اللہ شریف یا حمد وصلوٰۃ سے شروع کیے گئے تھے۔ مگر اس کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ وصلنی خطك (تمہارا خط پہونچا) اور دوسری بدحواسی یہ ہوئی کہ انہوں نے خود کو لیلیٰ ثابت کیا حالانکہ اس شعر کا یہاں کوئی موقع نہ تھا دہشت وبدحواسی میں آسمان کا تھوکا اپنے منہ پر گرنے کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے۔

وحشت میں ہر ایک نقشہ الٹا نظر آتا ہے

مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

جب یہ خط امام احمد رضا قادری کو ملا تو انہوں نے ۹ رذوالقعدہ بروز جمعرات مولانا عرب مکی کی جناب میں لکھا کہ:

فجاء الکتاب ولم یات الجواب ولست متفرعا للجھل والسباب (۵۰)

(آپ کا خط آیا اور جواب نہ آیا دور جہالت کی باتوں اور گالی گلوج کی ہمیں فرق نہیں)

اور ساتھ ہی اس خط کو احاطۂ تحریر میں آنے سے دو دن قبل مجھ تک پہنچ جانے میں انتہائی تعجب ہے۔ بہرحال جو میں نے وقت دیا ہے اگر وہ گذر گیا اور جواب نہ آیا تو میں

سمجھوں گا کہ آپ کا دروازہ بند ہے اور آپ ہمت ہار چکے ہیں۔ ہوا یہی کہ روز موعود گذرا اور جواب نہ آیا تو آپ نے پانچواں صحیفہ ارسال کیا اور پھر اسی صحیفہ ' مکالمہ کا اختتام فرمادیا اس خط میں لکھا تھا۔

بعد فقد مضی امس یومک الموعود بل زاد علیه الیوم الموجود یوم الجمعة المبارک المسعود ولم یات منک شئی من المردود فانجلی الحجاب وانتهی الخطاب (۵۱)

(بعد حمد وصلوٰۃ بلاشبہ کل آپ کا روز موعود گذر گیا بلکہ آج کا دن روز مبارک ہمایوں جمعہ اور زائد ہوا اور آپ کی طرف سے کچھ جواب نہ آیا تو پردہ کھل گیا اور مخاطبہ تمام ہوا)۔

یہ آخری خط لکھ کر امام احمد رضا قادری نے خاموشی اختیار کر لی مگر ان کے تلامذہ اور معتقدین نے انہیں معاف نہیں کیا۔ عرب مکی کے اس تیسرے خط کے جواب میں مولانا واعظ الدین قادری اور مولانا عبدالکریم قادری بریلوی نے یکے بعد دیگرے جوابات دیئے اور طیب عرب مکی کی لغزشات کا تعاقب کیا۔ پہلے تو عبدالکریم قادری نے " اطائب الصیب علی ارض الطیب" (۱۳۱۹ھ) لکھی اور اسے طبع کرا کر مولانا طیب عرب مکی کی خدمت میں رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجا وہ کتاب مولانا عرب صاحب کو موصول ہو گئی جس کی دستخطی تحریر بھی ۳ر محرم ۱۳۲۰ھ کو مولانا عبدالکریم قادری کے پاس آگئی۔ ابتدا میں تو ایک ہنگامہ تھا کہ مولانا طیب عرب مکی صاحب اس کا جواب دیں گے۔ دیتے ہیں، اب دیا، مگر آٹھ ماہ گذر گئے کوئی جواب نہیں آیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں دوبارہ شائع کرا کر بھیجا جائے گا۔ مگر یہ صرف ایک بہانہ تھا تقریباً ۶ ر ماہ بعد ہی وہی مولانا طیب عرب صاحب کا ملاطفہ آیا ملاطفة الاحباب کا تحلیلی وتنقیدی جائزہ مولانا عبدالکریم قادری نے ایک دوسرے رسالہ میں پیش کیا جس کا نام انہوں نے البرق المخیب علی بقاع طیب

(۱۳۲۰ھ) رکھا۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کتاب کے مخطوطہ کا عکس ہے جس کی مدد سے مولانا طیب عرب کے ملاطفۃ الاحباب کا وہ قضیہ سپرد قلم کر رہا ہوں۔ مولانا عرب مکی کا یہ ملاطفہ مولانا عبدالکریم تک کس طرح پہونچا اور اس غیر معمولی تاخیر کی وجہ کیا تھی وہ لکھتے ہیں۔

"متعدد بار اخبار سے معلوم ہوا کہ عرب مکی فرماتے ہیں مجھ سے غلطیاں ہوگئی ہیں وہاں یہ کتاب نہ بھیجوں گا دوبارہ بنا کر چھاپوں گا تو ان کو دوں گا" یہ خبریں بھی مہینوں سنیں پھر معلوم ہوا رام پور میں جو دوبارہ چھپوائی اس میں بھی عرب مکی کو اپنی خطا نظر آئی اب تیسری بار مراد آباد میں طبع کرا رہے ہیں۔ اس کے بعد بھیجیں گے۔ غرض اوائل ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ سے اواخر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۰ھ تک سات مہینوں تک انتظار کرتا رہا مگر افسوس نتیجہ ناقص اور ناتمام ہی رہا۔ ۲۲ر جمادی الاولیٰ کو آپ کی تحریر ملاطفہ رام پور ہی کی چھپی آئی اور اس کی نقاب کشائی نے صاف بتایا کہ یہ وہی نامقبول صورت ہے جس سے عرب صاحب خود پشیماں و پریشان اور اس کے بھیجنے سے خائف و ترساں تھے۔ اس ملاطفہ میں جس طرح عرب صاحب نے گل افشانیاں کی تھیں وہ ان کی عقل و فکر کی بھرپور عکاسی کر رہی تھیں۔ مولانا عبدالکریم صاحب اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں "معاذ اللہ کس کس بات کی حکایت کی جائے جب کہ عرب صاحب نے اپنی اجتہادی یکسر بلکہ زور تبحر میں خود حضور پُرنور سید عالم ﷺ کے نفس ایمان میں کلام کر دیا خود حضور کو عیاذاً اپنی رسالت اور قرآن مجید کی حقانیت پر یقین نہ ہونا مان لیا، لا الہ الا اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ (۵۲)

مولانا عبدالکریم نے ایک مبسوط تجزیہ کے بعد عرب مکی کے ملاطفۃ الاحباب کو ہفوات واباطیل کا پولندا قرار دیا اور ان کے علم و فن کے دعویٰ کی دھجیاں بکھیر دیں اور عرب صاحب کے فضل و کمال اور علم و فن کے غرہ کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا المحمل

المعدد کے مصنف مولانا ظفر الدین قادری فاضل بہار کے بقول درج ذیل کتابیں عرب صاحب کے اس ملاطفہ کے رد میں منظر عام پر آئیں۔ جو ہنوز مسودہ ہیں زیور طباعت سے انہیں آراستہ ہونے کا شرف نہیں حاصل ہو سکا ہے۔

۱۔العطر المطیب لنبت شفة الطیب (۱۳۲۱ھ)

۲۔ الامة القاصفة لکفریات الملاطفة (۱۳۲۱ھ)

۳۔الجائفة علی تهافة الفلاسفة (۱۳۲۲ھ)

۴۔سیاط المودب علیٰ رقبة المستعرب (۱۳۲۳ھ)

مصادر وماخذ

۱۔النساء آیت ۵۹

۲۔اظہار الحق الجلی امام احمد رضا ص۲۲

۳۔النساء آیت۸۳

۴۔اظہار الحق الجلی ص۵۲

۵۔التوبہ آیت۱۲۲

۶۔النحل آیت۴۳

۷۔مشکوٰۃ المصابیح محمد بن الخطیب تبریزی ص۵۵۴ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۶ھ

۸۔مشکوٰۃ شریف ص۳۰ مجلس برکات مبارکپور ۲۰۰۲ء

۹۔اظہار الحق الجلی ص۳۶

۱۰۔الفضل الموہبی احمد رضا قادری ص۳۳

۱۱۔المقدمہ ابن خلدون ص۲۴۳ مطبع خیریہ ، قاہرہ ۱۳۲۲ھ

۱۲۔ الجامع الصحیح للبخاری جلد اول ص۳۷ بریلی ۱۴۱۰ھ

۱۳۔شرح الالمام ابن دقیق العید بحوالہ اوشحة الجید مصنفہ شوق نیموی ص ۸ کلکتہ ۱۸۹۱ء

۱۴۔ طریق النجاۃ محمد حسن مجددی ص ۷ ترکی ۱۹۷۸ء

۱۵۔ المقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۴

۱۶۔ عقد الجید شاہ ولی اللہ ص ۳۸ مطبع محمدی لاہور

۱۷۔حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۱۵۴ دہلی ۱۳۷۲ھ

۱۸۔غیث الادب المسجم صلاح الدین صفدی بحوالہ اوشحة الجید ص ۱۱

۱۹۔ المعجم شمس الدین الذھبی بحوالہ اوشحة الجید ص ۱۲

۲۰۔ آئین وھابیت جعفر سبحانی ص ۲۴ نئی دہلی ۱۹۹۰ء

۲۱۔نفس مصدر ص ۲۴

۲۲۔الصواعق الالٰھیہ فی الرد علی الوھابیہ سلیمان بن عبدالوہاب ترکی ۱۹۷۷ء

۲۳۔السحب الوابلة علیٰ ضرائح الحنابلۃ ابن حمید النجدی ص ۲۷۵ مکتبہ امام احمد ۱۹۸۹ء

۲۴۔السحب الوابلة ص ۲۷۵

۲۵۔ دائرۃ المعارف فرید وجدی جلد اول ص ۱۷۱ ۸ بحوالہ آئین وہابیت ص ۲۰

۲۶۔الشہاب الثاقب حسین احمد مدنی ص ۵۴ مکتبہ رحیمیہ دیوبند

۲۷۔ اظہار الحق الجلی ص ۹

۲۸۔نتائج التقلید محمد اشرف ص ۱۵ لاہور ۱۹۴۵ء

۲۹۔نفس مصدر ص ۴۶

۳۰۔نفس مصدر ص ۴۸

۳۱۔تقلید محمد مسعود احمد ص ۷۲

۳۲۔ اشاعة السنة لاہور شمارہ ۹ جلد ۸ ص ۲۶۲

۳۳۔اشاعة السنة لاہور شمارہ ۷ جلد ۹ ص ۲۰۵

۳۴۔ اشاعة السنہ لاہور شمارہ ۲ جلد ۱۱ ص ۹۲۴، ۹۲۶

۳۵۔ اشاعة السنة لاہور شمارہ ۲ جلد ۱۱ ص ۲۴، ۲۶

۳۶۔ اشاعة السنة لاہور شمارہ ۷ جلد ۹ ص ۲۰۳

۳۷۔ تذکرہ کاملان رام پور احمد علی شوق ص ۸ بار اول دہلی ۱۹۱۹ء

۳۸۔ مصدر سابق ص ۱۸۶

۳۹۔ رسائل رضویہ جلد ا ص ۲۹۱ مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور

۴۰۔ نفس مصدر جلد اول ص ۲۹۲

۴۱۔ نفس مصدر جلد اول ص ۲۹۶

۴۲۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۰۴

۴۳۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۰۴

۴۴۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۰۴

۴۵۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۰۶

۴۶۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۰۷

۴۷۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۱۰

۴۸۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۲۴

۴۹۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۲۸

۵۰۔ نفس مصدر جلد اول ص ۳۹۲

۵۱۔ نفس مصدر جلد اول ص ۲۵

۵۲۔ المجمل المعدد ظفر الدین قادری ص ۳۱ لاہور ۱۹۷۶ء

امام احمد رضا قادری
اور
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

عقاید و نظریات کا تحقیقی مطالعہ

"حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عقائد و نظریات کو فکر ولی اللہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری نے جن عقائد و نظریات کی تشہیر فرمائی اسے ارباب علم و دانش کے درمیان بریلویت سے تعبیر کیا جاتا ہے ان دونوں سرخیل علماء کے عقائد و نظریات کتاب و سنت سے کس قدر ہم آہنگ ہیں اور ان دونوں نظریات میں قدر مشترک کیا ہے انہی افکار کا مطالعہ اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے۔

برصغیر کے قدیم علماء کے مذہبی نظریات و معتقدات کیا تھے اس کا جائزہ لینے کے بجائے مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مسلکی رجحانات کا جائزہ لے لیا جائے جنہیں ہر مکتب فکر کے لوگ اپنا مسلکی پیشوا تسلیم کرتے ہیں، برصغیر کی یہ واحد شخصیت ہے جسے ہر مسلک کے ماننے والوں نے اپنا قائد تسلیم کیا ہے اور عقائد و نظریات کی تائید میں ولی اللہی اقوال پیش کیے ہیں۔

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ اس ملک میں ہزاروں رنگ ونسل کے لوگ بستے ہیں۔ سب کے مذاہب جداگانہ ہیں، ہندو مسلم سکھ عیسائی جین بودھ دھرم کے پرستار ہندوستان میں موجود ہیں۔ ہر مذہب کے پرستاروں میں مختلف افکار ونظریات کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس روئے زمین پر شاہد ہی ایسا کوئی مذہب ہو جس کے اصولوں پر تمام رنگ ونسل کے لوگ یکساں اتفاق رکھتے ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے اس دنیا میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں سبھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے مذاہب کے پرستار اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ وارفع سمجھتے ہیں تمام مذاہب میں باہمی اتحاد تو غیر ممکن ہے ہی ایک مذہب کے ماننے والے بھی نظریاتی طور پر باہم متحد نہیں ہندو دھرم ہی کو لیجئے اولاً تو اس مذہب کا کوئی بانی نہیں جتنے متضاد نظریات اس مذہب میں پائے جاتے ہیں شاید ہی کسی اور مذہب میں پائے جاتے ہوں۔ جو پتھروں کی پوجا کرتے ہیں وہ بھی اپنے کو ہندو کہتے ہیں جو پتھروں کی پوجا پر یقین نہیں رکھتے انہیں بھی ہندو کہا جاتا ہے، رام کی مالا جپنے والے بھی ہندو ہیں اور راون کو اپنا مذہبی رہنما تسلیم کرنے والے بھی ہندو ہیں اس مذہب کے تین اہم فرقے ویشنو، شیو اور شاکیت ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ہندو مذہب میں جتنے نظریات وخیالات پائے جاتے ہیں اس کی مثال اور دوسرے کسی مذہب میں مشکل سے ہی ملے گی۔ راجندر نارائن لال بنارسی بنارس ہندو یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

انتہائی آستک شنکر آچاریہ کے پیرو کار بھی ہندو ہیں اور ناستک جینی اور بائیں بازو والے کمیونسٹ بھی ہندو پیاز لہسن تک نہ کھانے والے بھی ہندو ہیں اور انتہائی

ناپسندیدہ چیزیں کھانے والے اوگھڑ بھی ہندو ہیں، پیتامبر پیلے کپڑے پہننے والے سادھو بھی ہندو ہیں اور مادرزاد ننگے رہنے والے سادھو بھی ہندو ہیں ویشنو میں گوشت خوری منع ہے شاکتوں میں گوشت خوری جائز ہے۔ ہندو اصولی طور پر توحید پرست ہیں اور عمل سے بہت سے معبودوں کو ماننے والے (بہودیووادی یا مشرک) ہیں، اصولی طور پر ہندوؤں کا ایشور کا تیار کردہ دھرم گرنتھ وید ہے لیکن شمالی بھارت میں واقعی طور پر رام چرت مانس ہے جنوب میں ہندوؤں کے تصورات بالکل مختلف ہیں۔" (۱)

سطور بالا میں بطور مثال صرف ہندو دھرم کا ذکر کیا گیا ہے یہی حال دوسرے مذاہب کا بھی ہے۔ مذہب اسلام آسمانی مذہب میں سے ہے اور یہ مذہب پوری دنیا کے انسانوں کے لئے ہے اس مذہب میں جس خدا کی عبادت کا حکم دیا ہے وہ رب العالمین ہے اور جس پیغمبر کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے وہ رحمۃ للعالمین ہے۔ یہی مذہب دین فطرت ہے اور تمام اللہ کے بندوں کے لئے ہے۔ ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے نے کلکی اوتار (ہادی عالم) کے نام سے ایک مقالہ لکھا جس میں انہوں نے واضح لفظوں میں ہندوؤں کو اس مذہب کو قبول کر لینے کی دعوت دی۔

> "ہندو مذہب کے ماننے والے جس کلکی اوتار کا انتظار کر رہے ہیں وہ درحقیقت محمد ﷺ کی ذات اقدس ہے جس کا ظہور آج سے چودہ سو سال قبل ہو چکا ہے لہٰذا ہندوؤں کو اب کسی "کلکی اوتار" کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور فوراً اسلام قبول کر لینا چاہئے" (۲)۔

مذہب اسلام ہی خدا کا وہ واحد مذہب ہے جو تا قیام قیامت رہے گا اب نہ کسی نئے مذہب کے آنے کی توقع ہے اور نہ ہی کسی پیغمبر کے آنے کا امکان اس مذہب کی تکمیل

الیوم اکملت لکم دینکم کے ذریعہ رب العزت نے پیغمبر آخر الزماں احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ پر فرمادی۔ اس مذہب کے جتنے پیروکار ہیں سب کو اتحاد و اتفاق کے ساتھ مذہب اسلام کی اتباع کر لینی چاہئے اور جس طرح صحابۂ کرام اور تابعین عظام اخلاص دل کے ساتھ اسلام کی پیروی کر کے خیر الناس اور ان کا دور خیر القرون کہلانے کا مستحق ہوا اسی طرح بعد کے ادوار میں پیروان اسلام کو بھی کرنا چاہئے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ مرور ایام کے ساتھ پیروان اسلام کے ذہن و فکر میں تبدیلیاں ہوتی گئیں اور وہ تمام چیزیں جسے صحابہ و تابعین نے جزء ایمان سمجھا وہ بعد کے مسلمانوں نے غیر ضروری سمجھ کر اسے ترک کر دیا۔ کتاب و سنت کی ایسی تشریحیں کی گئیں جس سے مختلف نظریات ابھر کر سامنے آگئے اور یہ سلسلہ صدیوں تک چلتا رہا دور آخر میں ملت اسلامیہ کی اس نظریاتی کشمکش کو فروغ دینے میں انگریزوں نے اہم کردار ادا کیا اور ملت اسلامیہ کا رہا سہا شیرازہ منتشر کرنے کی انہوں نے ہر ممکن جدوجہد کر ڈالی اپنی اسی سازش کا سر بزم پردہ چاک کرتے ہوئے انگریز مصنف سر جان میلکم لکھتا ہے۔

> ''ہماری حکومت کی حفاظت اسی پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں ان کو تقسیم کر کے ہر جماعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تا کہ وہ جدا رہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کر سکیں'' (۳)

انگریز اپنی اس سازش میں پوری طرح کامیاب رہے اور مسلمان باہمی اختلاف و انتشار کا جس طرح شکار ہوئے اس سے ہندوستان کا ہر باشندہ واقف ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اسلامی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ہندوستان میں شیعیت کا فتنہ رونما ہوا شیخ احمد سرہندی نے اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنی تحریروں سے رسالہ رد روافض اور تحفہ اثنا

عشریہ لکھ کر اس فتنہ کو سرد کیا حضرت شیخ سر ہندی نے اپنے مکتوبات میں باضابطہ اپنے متبعین و پیروکاروں کو مذہب اہل سنت پر عمل پیرا ہونے کی درج ذیل الفاظ میں تاکید فرمائی۔

''اہل سنت کے معتقدات پر مدار اعتقاد رکھیں اور زید وعمر کی باتوں پر توجہ نہ دیں اور مذہبوں کے خودساختہ خیالات وتوہمات پر مدار کار رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے فرقہ ناجیہ کی اتباع ضروری ہے تاکہ امید نجات پیدا ہو'' (۴)

فتنوں کے ظہور کا یہ سلسلہ بند نہیں ہوا آئے دن نئے نئے فتنے جنم لیتے رہے اسلام کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے جو رہی سہی کسر تھی اسے انگریزوں نے پوری کردی، انگریزوں کے ہندوستان میں قدم جماتے ہی مزید کئی نئے فتنوں نے جنم لیا یہ فتنہ آٹھارویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں فتنہ وہابیت نمودار ہوا یہ فتنہ ابن تیمیہ حرانی اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد ونظریات پر مشتمل تھا، جس کی اشاعت ہندوستان میں شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی نے کی اور اس فکر کی اشاعت کے لئے تقویۃ الایمان جو دراصل کتاب التوحید مصنفہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا چربہ ہے اردو میں شائع کیا۔ اور یہ کام ۱۸۳۸ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے انگریزوں کی سرپرستی میں انجام دیا، ہزاروں کی تعداد میں یہ کتاب مفت تقسیم ہوئی اس کتاب کے مباحث کی تردید میں سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں جن میں خود مصنف کے خاندان کے لوگ شامل تھے ۔مولوی مخصوص اللہ جو مولوی رفیع اللہ کے صاحبزادے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے انہوں نے بھی معید الایمان کے نام سے تقویۃ الایمان کا رد لکھا۔ ان کی تردیدی تحریر منظر عام پر آتے ہی پھر جو یہ سلسلہ دراز ہوا تو ہوتا ہی چلا گیا اور کسی نہ کسی شکل میں اس کتاب کے مندرجات کی تردید صدیاں گزر جانے کے بعد ہنوز علمائے حق کی زبان وقلم

سے جاری ہے۔ شاہ اسماعیل دہلوی ولی اللٰہی خاندان کے ایک فرد ضرور تھے مگر فکر ولی اللٰہی جسے اس دور میں حق کا معیار سمجھا جاتا ہے اور جس پر علمائے حق عمل پیرا ہیں اس سے وہ کوسوں دور تھے۔

الغرض یہ اسلام مختلف نشیب وفراز سے گذرتا ہوا ہم تک پہنچا کبھی یزیدی فتنہ نے اس کی شکل کو مسخ کیا تو کبھی سبائیوں نے اس کا چوکھا رنگ دھندھلا کیا، کبھی قادیانیت نے اس کے نقش ونگار کو پھیکا کیا، تو کبھی وہابیت اور غیر مقلدیت نے اس کے مسلمہ اصولوں کے ساتھ کھلواڑ کیا، ایک زمانہ تو وہ آگیا کہ نبی کو مردہ ماننا صرف نہیں بلکہ مٹی میں مل جانا، نبی کو مجبور محض ماننا، نبی کے علم کو شیطان کے علم سے کمتر جاننا، ضروریات دین سے سمجھا گیا اور پیروکاروں کو یہ بتایا گیا اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی ﷺ میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور یہ بھی اسلامی عقیدہ بتایا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب بالواسطہ کل ہوگا یا بعض کل تو عقلاً محال ہے اور اگر بعض ہے تو ایسا علم ہر صبی (بچے) مجنوں (پاگل) حیوانات بہائم (چوپایوں) کو بھی حاصل ہے اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی کیا تخصیص ہے؟۔ نبی رحمت کی رحمت للعالمینی پر بھی قینچی چلائی گئی اور یہ کہا گیا وہ عالمین کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف مسلمانوں اور مسلمانوں میں وہ لوگ جو مکلف بہ اسلام ہیں صرف ان کے لئے رحمت ہیں۔ الغرض ان باطل نظریات نے انیسویں صدی میں اسلام کا چہرہ بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا اور اس صراط مستقیم پر بدعقیدگی کی ایسی دبیز چادر ڈالدی گئی کہ اصل اسلام کا راستہ کیا ہے لوگ تقریباً بھول گئے۔ انیسویں صدی میں جن فتنوں نے جنم لیا اس کے عقائد ونظریات یہ تھے۔ ایک غلط فہمی علمائے دیوبند میں یہ جاتی ہے کہ وہ دیوبندیت کو عصر حاضر میں فکر ولی اللٰہی کا

ترجمان سمجھتے ہیں جب کہ یہ سراسر حقائق کے خلاف ہے، کیوں کہ خود مسلک دیوبند کے اکابر علماء اس سے انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

" میرے نزدیک (دیوبندیت) خالص ولی اللہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خاص خانوادہ کی لگی بندھی فکر و دولت متاع، میرا یقین ہے کہ دیوبندیت جس کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور فقیہ اکبر مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے ۔۔۔اس لئے اس دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے کرتا ہوں کیوں کہ دیوبندیت کے تو صرف یہی دو امام وقت ہیں" (۵)

اب یہ بات سطور بالا کی تحریروں سے واضح ہوگئی فکر ولی اللہی نہ تو شیعیت کی علمبر دار ہے اور نہ ہی فکر نجدیت و دیوبندیت کی غماز اور نہ ہی قادیانیت کی رہنما۔ فکر ولی اللہی اپنے اصول و نظریات کے اعتبار سے زیادہ تر فکر رضا سے ہم آہنگ ہے جسے اس زمانہ میں اہل سنت و جماعت (بریلویت) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ولادت ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ کو چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت ہوئی ان کی ذات ستودہ صفات کے باعث ہی خاندان تاریخی شہرت و اہمیت کا حامل بنا۔ والد ماجد شیخ عبد الرحیم دولت مند اور صاحب اقتدار نہ تھے متوسط درجہ کے انسان تھے۔ توکل پر گذر بسر ہوتا تھا، ہر وقت خدا پر نظر رہتی، اس کا نتیجہ تھا کہ ہمیشہ خوش حال رہتے، آپ نے اپنے فرزند کی اس طرح اعلیٰ سطح پر تعلیم و تربیت فرمائی کہ وہ اپنے زمانے کے سر برآوردہ علماء میں شامل ہوگئے، ہندوستان میں جس طرح آپ نے اکابر علم و فن سے اخذ فیض کیا وہ تو مسلم ہے ہی اس کے علاوہ آپ بقول شاہ ابوالحسن زید فاروقی :

''شاہ ولی اللہ علم ظاہر وعلم باطن میں کمال حاصل کرنے کے بعد حرمین شریفین ۱۱۴۳ھ میں تشریف لے گئے وہاں علم ظاہر علمائے اعلام سے خاص کر علامہ ابو طاہر جمال الدین محمد بن برہان الدین ابراہیم مدنی کردی کورانی شافعی سے درجہ اکمال وتکمیل کو پہنچایا اور باطن کا تصفیہ تزکیہ صیقل اور جلا بیت اللہ المبارک، آثار متبرکہ، مشاہد مقدسہ، اور روضہ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک روبی اور ان امکنہ مقدسہ میں جبہ سائی نے اس سلسلے میں آپ کی مبارک تالیف فیوض الحرمین اور المشاھذ المبارکہ شایان مطالعہ ہیں'' (۶)

مسلک وہابیت سے وابستہ جو لوگ اپنے کو فکر ولی اللّٰہی کا سچا ترجمان مانتے ہیں ان کے عقائد ونظریات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کس طرح ان لوگوں نے انہیں اپنا رہنما تسلیم کر کے ان کے عقائد پر ضرب کاری لگائی ہے۔

وہابیت کی رہنما کتاب تقویۃ الایمان میں ہے ''جو کہے اللہ ورسول نے غنی کر دیا وہ شرک ہے''

حالانکہ قرآن عظیم فرماتا ہے۔

اغنٰھم اللّٰہ ورسولہ من فضلہ (۷)

(اللہ ورسول نے انہیں دولت مند کر دیا اپنے فضل سے)

تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ احمد بخش اور محمد بخش نام رکھنا شرک ہے۔

حالانکہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب حضرت سیدتنا مریم کے پاس آئے تو فرمایا:

انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما ذکیا (۸)

(میں رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں ستھرا بیٹا دوں)

اس طرح کی عبارتوں سے پوری کتاب بھری پڑی ہے۔ تقویۃ الایمان کی عبارتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد امام اہل سنت مولانا احمد رضا فرماتے ہیں۔

''وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ نہ صحابہ نہ انبیاء نہ جبرئیل امین نہ خود رب العالمین (۹)

وہابیوں کے سرغنہ شاہ اسماعیل دہلوی کی دوسری تصنیف صراط مستقیم ہے۔ اس کتاب میں یہ عبارت بھی پائی جاتی ہے۔

''از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشد بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ وخر خود است'' (۱۰)

(نماز میں زنا کے وسوسہ سے بیوی کے ساتھ مجامعت کے خیال کو بہتر اور حضور علیہ السلام کی طرف توجہ لگانے کو گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہوجانے کے مقابلے میں بدتر قرار دیا گیا ہے)

فکرولی اللّٰہی کے نام سے اکابر علمائے دیوبند نے جو گلفشانیاں کی ہیں اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنی تصنیف تحذیر الناس میں فرماتے ہیں۔

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں'' (۱۱)

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔

آپ (ﷺ) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا غیب تو زید عمرو بلکہ

ہر صبی مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے''۔(۱۲)

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی فرماتے ہیں۔

الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان وملک الموت کا حال علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟۔شیطان وملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے۔(۱۳)

یہ واضح رہے کہ اس عبارت کو مصنف کے استاذ مولوی رشید احمد گنگوہی کی تائید بھی حاصل ہے کیوں کہ یہ کتاب انہی کے حکم سے تصنیف ہوئی ہے اور انہوں نے لفظاً لفظاً پڑھ کر اس کی تصدیق فرمائی ہے۔

کیا فکر ولی اللّٰہی یہی ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا یا اس سے ہٹ کر کوئی اور چیز ہے؟۔اگر یہ شاہ ولی اللہ کی فکر یہ نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو وہابیت اور دیوبندیت کے اکابر واصاغر علما انہیں اپنے رہنما کے طور پر کیوں پیش کرتے ہیں؟۔حقیقت واقعہ یہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار و نظریات ماضی میں حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے ہم آہنگ تھے بعد کے ادوار میں ان نظریات کی ترجمانی کافی حد تک امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری نے کی جس کی تشہیر دور حاضر میں بریلویت اور بالفاظ دیگر مسلک اعلیٰ حضرت سے ہوئی۔امام اہل سنت نے اپنی تمام تر تصانیف میں انہیں افکار و نظریات کی ترجمانی کی جن پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا عمل تھا اور شاہ ولی محدث دہلوی کی وہ تمام تصانیف جو غیر محرّف ہیں ان سے بھی تقریباً وہی سب کچھ ثابت ہے جس کا ذکر امام اہل سنت نے اپنی تصانیف میں کیا ہے اگر ان کا تفصیل سے

جائزہ لیا جائے تو یہ مقالہ ضخیم کتاب کا متقاضی ہوگا۔ یہاں اختصار کے طور پر ان کے کچھ عقاید کا ذکر انہی کی تصانیف کی روشنی میں کیا جارہا ہے۔

مشہور حدیث ہے میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ان میں صرف ایک ہی فرقہ ناجی ہوگا باقی بہتر جہنمی ہوں گے۔ ناجی فرقہ کون سا ہوگا اس میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر مکتب فکر کے ماننے والے اپنے آپ کو ناجی کہتے ہیں۔ لیکن سچ بات یہ ہے ناجی فرقہ وہی ہے جس نے صراط مستقیم پر چل کر اپنی زندگی بسر کی ہو۔ قرآن حکیم میں اسی حکمت کے تحت صراط مستقیم پر ثابت قدمی کے ساتھ چلنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ صراط مستقیم پر چلنے کا نتیجہ کیا ہوگا اس کی وضاحت خود قرآن حکیم نے انعمت علیھم سے کی ہے۔ اس نعمت کے زمرہ میں وہی لوگ آتے ہیں جو اپنی دینی و تبلیغی کارناموں کی بنیاد پر نہ صرف زندہ و تابندہ ہیں بلکہ ان کا کردار و عمل ملت اسلامیہ کے لئے آج بھی مشعل ہدایت ہے۔

قدیم اسلامی تاریخ میں ملت اسلامیہ کے دو ہی فرقے مشہور تھے۔ ایک فرقہ کو شیعہ اور دوسرے فرقہ کو سنی کہا جاتا تھا۔ حکومت کی نظروں میں آج بھی یہی دو فرقے مستند مانے جاتے ہیں۔ عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش کے امتحان کے فارم پر آج بھی امیدوار سے صرف شیعہ اور سنی ہی کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ شیعہ کسے کہتے ہیں اس کی وضاحت کی یہاں ضرورت نہیں۔ سنی کی تعریف مختصر طور پر یہ کی گئی ہے کہ جو ماانا علیہ واصحابی کا مصداق ہو۔ میں پورے عالم اسلام کی بات تو نہیں کرتا۔ بات صرف ہندوستان کے تناظر میں کی جارہی ہے۔ کتب تواریخ ہند سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے قدیم مسلم باشندے یا تو شیعہ تھے یا سنی تھے۔ سنی علماء و فضلاء کی مذہبی فکر وہی تھی جو اسلاف کی تھی۔ وہ اپنے اسلاف کے عقیدے پر مضبوطی سے قائم تھے۔ انھوں نے کسی مصلحت کے

تحت زمانہ سے کسی معاملہ میں کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے سامنے جب ایک مرتبہ ملت اسلامیہ کے فرقوں کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا:

تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر گامزن رہا اور اپنے آپ کو اہل السنت کہتا رہا اس گروہ کے زیادہ تر پیشوا بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔ (۱۴)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے اس قول کو بھی سید صاحب کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

امرتسر میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی کے مساوی ہے اسی سال پہلے تقریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی کہا جاتا ہے'' (۱۵)

مشہور اسلامی مورخ شیخ اکرام نے بھی کچھ اسی طرح کا خیال پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا نے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی (۱۶)

برصغیر کے مسلمانوں کا عقیدہ کیا تھا آج کی موجودہ اصطلاح میں وہ بریلوی تھے یا دیوبندی، اہل حدیث اور اہل قرآن تھے یا ان کا کوئی اور ہی نقطۂ نظر تھا۔ ان اختلاف کا نقطۂ آغاز کیا ہے یہ بحث باضابطہ ایک الگ مقالہ کا متقاضی ہے تاہم اتنا مسلم ہے کہ برصغیر کے قدیم مسلمانوں کا مذہبی تعلق مسلک اہل سنت و جماعت سے تھا۔ جنھیں عرف عام اور خصوصاً شمالی ہند میں آج بریلوی کہا جاتا ہے۔ جب ہم برصغیر کے مسلمانوں کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے بیشتر عوام و خواص کی زندگی مسلک اہل سنت و جماعت پر گامزن رہ کر خلفائے راشدین، ائمہ دین اور مشائخ طریقت کی اتباع و پیروی میں گذری اور دینی امور میں اسی قدیم روش کو بہتر سمجھ کر اسی پر سختی سے گامزن رہے

۔یہ سلسلہ برصغیر میں محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ہوتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور پھر ان کے فرزند سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک جاری رہا۔ پھر انہی کے خانوادہ کے ایک نامی گرامی شخصیت سے جو مسلکی منافرت کی آگ بھڑکی تو اس کے شعلے آج تک بھی سرد نہ سکے۔ ایسا انہوں نے کیوں کیا اس موضوع پر متعدد کتابیں متعدد زبانوں میں آچکی ہیں ارباب ذوق ان کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

برصغیر کے قدیم علماء کے مذہبی نظریات ومعتقدات کیا تھے۔ اس کا جائزہ لینے کے بجائے مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مسلکی رجحانات کا جائزہ لے لیا جائے جنہیں ہر مکتب فکر کے لوگ اپنا مسلکی پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ برصغیر کی یہ وہ واحد شخصیت ہے جسے ہر مسلک کے ماننے والے علماء نے اپنا قائد تسلیم کیا ہے اور اپنے عقائد ونظریات کی تائید میں ولی اللٰہی اقوال پیش کئے ہیں۔ صاحب نزھۃ الخواطر (الاعلام) نے مفتی عنایت احمد کاکوروی کے حوالے سے لکھا ہے:

"ان الشیخ ولی اللہ مثلہ کمثل شجرہ طوبیٰ اصلھا فی بیتہ وفرعھا فی کل بیت من بیوت المسلمین فما من بیت ولا مکان من بیوت المسلمین وامکنتھم الا وفیہ فرع من تلک الشجرۃ لا یعرف غالب الناس این اصلھا" (۱۷)

(شاہ ولی اللہ کی مثال شجر طوبیٰ کی طرح ہے کہ تنہ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پہونچی ہوئی ہیں مسلمان کا کوئی گھر اور ٹھکانا ایسا نہیں جہاں اس کی ٹہنی نہ پہونچی ہو، اکثر لوگوں کو خبر نہیں کہ اس ٹہنی کی جڑ کہاں ہے۔)

کتب تصوف کے، مطالعہ سے حضرت شاہ صاحب کے جن عقائد ونظریات کا پتا چلتا ہے اس سے تو یہی ثابت ہو رہا ہے کہ شاہ صاحب اسی مسلک کے حامی تھے جس کی ترجمانی اور نشر واشاعت اس دور میں علمائے اہل سنت و جماعت باالفاظ دیگرسنی بریلوی علماء کررہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علم غیب، حاضر وناظر، تصرف واختیار، میلاد شریف، احیائے موتی، نذر ونیاز، عرس وفاتحہ زیارت قبور اور استمد اد واستعانت کے سلسلے میں بہت واضح اپنا موقف رکھتے تھے۔ ان میں بعض پر ان کا اور بعض پر ان کے اباء واجداد کا عمل تھا۔ جسے شاہ صاحب نے نہ صرف اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے بلکہ ان پر عمل کرنے کی خود کوشش بھی کی ہے۔ ذیل میں ان کی ان تصانیف سے جن کا تعلق کتب تصوف سے ہے بلا تبصرہ کچھ عبارتیں بطور شہادت پیش کی جارہی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان عبارتوں کو ہمارے بعض محققین الحاقی کہیں تو اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کسی قدر مقالہ کے آخر میں کی گئی ہے۔ جس سے تمام شکوک وشبہات زائل ہو گئے ہیں۔

تصرفات اولیاء

شاہ صاحب کے کتب تصوف میں انفاس العارفین اور اب القول الجلی کو بڑی شہرت ملی انفاس العارفین کے مترجم جناب سید محمد فاروق قادری نے اسے ولی اللٰہی تصوف کی معرکتہ الآرا کتاب قرار دیا ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۷ء کا مطبوعہ نسخہ اس وقت راقم کے پیش نظر ہے۔ اس نسخہ کے ص ۲۵ پر شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کے پیر ومرشد حضرت خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ میں شاہ صاحب ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

''حضرت خلیفہ ابوالقاسم سفر حج میں جہاز کے اندر اپنے ساتھیوں کو اولیاء اللہ کے

بلند مقامات اوران کے کرامات کا بیان کررہے تھے کہ بات طی الارض یعنی چشم زدن میں دوردراز مقامات کو طے کرنے اور مشی بر آب یعنی پانی پر قدم سے چلنے کی بات چل پڑی تو جہاز کے کپتان نے ان کرامات سے انکار کردیا اور کہنے لگا کہ ایسے جھوٹ کے طومار بہت سے سننے میں آئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ سن کر خلیفہ ابو القاسم کی غیرت ایمانی جاگ اٹھی رہا نہ گیا اور سمندر میں چھلانگ لگادی یہ دیکھ کر لوگوں نے کپتان کی ملامت کی اور کپتان خود بھی اس بات پر نادم ہوا کہ میرے انکار کی وجہ سے فقیر ہلاک ہوگیا اور آپ کے رفقاء بھی آپ کی جدائی سے غمگین ہونے لگے کہ حضرت خلیفہ نے آواز دی کہ رنجیدہ نہ ہوں میں بخیر وعافیت ہوں اور پانی کی سطح پر سیر کررہا ہوں یہ منظر دیکھ کر اہل جہاز اور کپتان حضرت کے نیازمندوں میں شامل ہوگئے۔ (۱۸)

علم غیب

علم غیب کے تعلق سے بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عقیدہ بھی بالکل واضح تھا اس سلسلے میں ان کے نظریات وہی تھے جو اس دور میں اکابر سنی علماء کا تھا اس کا اعتراف شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

العارف ینجذب الی حیز الحق فیصیر عند اللّٰہ فیتجلیی له کل شئی (۱۹)

اس طرح کی اور بھی دوسری عبارتیں ان کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات مبارکہ تو بہت ہی ارفع واعلیٰ اور بلند وبالا ہے۔ عام انسانوں میں جب کوئی بندہ ترقی کرکے بارگاہ خداوندی کے قریب ہوجاتا ہے تو اس پر ہر چیز روشن ہوجاتی ہے۔ اس تعلق سے صرف دو واقعات ان کے والد ماجد کے ولی اللّٰہی

تصوف کی مستند کتاب انفاس العارفین کے حوالے سے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبہ میں بیٹھا تھا کہ غیبت کی کیفیت طاری ہوئی میرے لئے اس وقت کو چالیس ہزار برس کے برابر کر دیا گیا۔ اس مدت میں آغاز آفرینش سے روز قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کر دیا گیا'' (۲۰)

حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد کا ہی ایک دوسرا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حضرت والد ماجد ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کے گھر گئے تو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ حضرت کی خدمت میں شربت گلاب پیش کرو، وہاں دو بوتلیں رکھی تھیں لڑکے نے بڑی بوتل چھوڑ دی اور چھوٹی بوتل لاکر پیش کر دی حضرت والد ماجد نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بیٹے بڑی بوتل کیوں چھوڑ آئے وہ بھی لے آؤ'' (۲۱)

حاضر و ناظر

حاضر و ناظر کے تعلق سے بھی ان کا عقیدہ کافی مستحکم تھا۔ وہ صرف سرکار دو عالم ﷺ کو ہی نہیں حاضر و ناظر جانتے تھے بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اولیاء اللہ کے بھی حاضر و ناظر ہونے پر عقیدہ رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے والد ماجد کا ایک واقعہ بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''ماہ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ پڑی تو مجھ پر ضعف طاری ہو گیا۔ قریب تھا کہ میں کمزوری کی بنا پر روزہ توڑ دوں مگر رمضان کے روزہ کی فضیلت

کے ضائع ہونے کا غم لاحق ہوا اسی غم میں قدرے غنودگی طاری ہوئی تو حضرت پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے لذیذ اور خوشبودار زردہ عطا کیا ہے پھر انتہائی خوش گوار اور ٹھنڈا پانی بھی مرحمت فرمایا ہے میں نے سیر ہو کر پیا۔ میں اس غنودگی کے عالم سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی عقیدت مندوں نے احتیاطاً میرے ہاتھوں کو دھو کر پانی کو محفوظ کر لیا اور تبرکاً اس سے روزہ افطار کیا'' (۲۲)

اسی کتاب میں حضرت شاہ صاحب ایک دوسرا واقعہ بھی اپنے والد ماجد ہی کے تعلق سے نقل فرماتے ہیں۔

''محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجمیر بھیج دے اور راستے کی بدامنی کے پیش نظر وہ خود بھی اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے کہا کہ تمھارے جانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ بحفاظت واپس آجائے گا ہاں البتہ واپسی پر اجمیر سے دو منزل ادھر ڈاکو قافلہ پر حملہ کریں گے مگر اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے ہاں البتہ اسے سمجھا دیجئے کہ اُس وقت اپنی بہل الگ ایک طرف کھڑی کر دے جب وہ وقت آیا تو حضرت والا اس طرف متوجہ ہوئے اور توجہ کے دوران آپ کے بدن پر ملال ظاہر ہوا حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کچھ دنوں کے سخت سفر نے تھکا دیا ہے جب وہ لڑکا واپس آیا تو بیان کیا کہ وہاں ڈاکو آئے ہوئے تھے میں نے اپنی بہل کو ایک طرف کر دیا وہاں حضرت والا مثالی صورت میں موجود تھے ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو لوٹا مگر میری بہل محفوظ رہی۔'' (۲۳)

اس واقعہ کو ذکر کرنے بعد مفتی جلال الدین احمد امجدی اپنی کتاب ''بزرگوں کے عقیدے'' میں لکھتے ہیں۔

"سرکار دو عالم ﷺ کا مدینہ شریف سے جان لینا کہ دہلی میں حضرت شاہ عبدالرحیم کو انتہائی بھوک و پیاس کے سبب بہت کمزوری پیدا ہوگئی ہے اور پھر حضور ﷺ کا ان کو کھانے پینے کے لئے خوشبودار زردہ اور خوشگوار ٹھنڈا پانی مرحمت فرمانا اور خود حضرت شاہ عبدالرحیم کا اجمیر شریف سے دو منزل ادھر ڈاکہ پڑنے کو دہلی میں بیٹھے ہوئے دیکھنا اور عین وقت پر محمد فاضل کے بیٹے کی حفاظت کے لئے مثالی صورت میں پہنچ جانا یہ سب حاضر و ناظر کا کام ہے لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ نے ان واقعات کو لکھ کر اپنا یہ عقیدہ ثابت کر دیا کہ حضور سید عالم ﷺ حاضر و ناظر ہیں بلکہ اولیاء اللہ بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں" (۴۴)

احیاء موتیٰ (مُردوں کی زندگی)

اللہ کے نیک بندے اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور وقت ضرورت دنیا والوں سے باتیں بھی کرتے ہیں اس تعلق سے دو تین واقعات شاہ صاحب کی تصانیف میں ملتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مردوں کی قبروں کی زندگی کے جواز کے تعلق سے ان کا موقف بالکل علمائے اہل سنت و جماعت کی طرح تھا۔ اس لئے انہوں نے ان واقعات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے۔

> "جن دنوں اورنگ زیب اکبر آباد میں تھا یہ محتسب لشکر مرزا زاہد ہروی سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اس بہانے میں اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد گیا سید عبداللہ بھی سید عبدالرحمٰن کی رفاقت کے سبب وہاں موجود تھے۔ وہاں انہیں ایک عارضہ ہو گیا اور رحمت حق سے واصل ہوئے انھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا میں بھی اس دن شدید بیمار تھا، جنازہ کے ساتھ جانے کی سکت نہیں تھی، جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی تو ایک ایسے شخص کے ساتھ

جوان کے جنازہ و دفن میں موجود تھا زیارت و برکت کے لئے ان کے مزار مبارک کی طرف چل پڑا یہ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ میرے ساتھی کافی غور وخوض کے باوجود بھی ان کی قبر نہیں پہچان سکے۔ بالآخر اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا میں وہاں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھنے لگا میری پشت کی طرف سے سید صاحب نے آواز دی کہ فقیر کی قبر ادھر ہے لیکن جو کچھ شروع کر چکے ہو اسے وہیں تمام کرلو اور اس کا ثواب اس قبر والے کو بخش دو۔ جلدی مت کرو جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے انجام تک پہونچاؤ۔ تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا کہ میں غلطی پر تھا حضرت سید صاحب کی قبر تمھارے پیچھے ہے میں اس سمت ہو کر بیٹھا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اسی اثنا میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب اکثر مقامات پر قواعد قرآت کی رعایت نہ کر سکا قبر میں سے آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ پر تساہل سے کام لیا ہے قرآت کے معاملے میں حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ (۲۵)

اللہ کے یہ برگزیدہ بندے نہ کہ صرف اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں بلکہ وہ تصرف کے ذریعہ عام انسانوں کی مدد بھی کر سکتے ہیں اس طرح کا ایک واقعہ خود میرے والد ماجد کے ساتھ بھی پیش آیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

''جب میرے والد ماجد مکہ معظمہ پہونچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں دیکھا حضرت نے شاہ صاحب کے سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (ﷺ) کا قلم ہے اس کے بعد فرمایا ٹھہرئے امام حسین بھی تشریف لا رہے ہیں جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا اسی وقت نسبت باطن اور تقریر کا اتنا رنگ بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفاضہ کیا تھا وہ سابقہ نعمت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔ (۲۶)

زیارت قبور

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی زیارت قبور کو امر مستحسن سمجھتے تھے وہ ہر پریشانی کے وقت زیارت مزارت اولیاء کا مشورہ دیتے تھے۔ انفاس العارفین کے ص ۱۰۷ پر یہ عبارت آج بھی موجود ہے۔

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور (۲۷)

(جب تم کسی معاملہ میں الجھ جاؤ تو اصحاب قبور سے استعانت کرو)

حضرت شاہ صاحب اور ان کے آباء واجداد کا اس پر عمل تھا کہ وہ بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دینے اور ان سے استفادہ واستعانت کو جائز سمجھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا مکتوب المعارف میں ایک خط شائع ہوا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

جب میں حضرت میاں شاہ حبیب اللہ جیو کے مزار اقدس پر پہونچا اور فاتحہ پڑھ کر لطائف کی طرف متوجہ ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں میرے سامنے ایک نور ہے اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا نور ہے جو مزار انور سے ظاہر ہوا ہے تھوڑی دیر میں یہ دونوں نور باہم مل کر ایسے ہو گئے جیسے پانی حباب ٹوٹنے کے بعد یا لڑی گرہ کھلنے کے بعد۔ اس منظر سے میں انتہائی مسرور ومحظوظ ہوا'' (۲۸)

حضرت شاہ صاحب کی ولادت خود ایک بزرگ کی بشارت سے ہوئی اس کا اعتراف خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کیا ہے وہ اپنے والد ماجد کا قول نقل کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا:

''ایک دفعہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لئے گیا آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھ سے فرمایا کہ تمھیں ایک فرزند پیدا ہوگا اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا اس وقت میری زوجہ عمر کے

اس حصہ کو پہونچ چکی تھیں جس میں اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ میں نے سوچا شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا مقصد یہ نہیں بلکہ یہ فرزند تمھارے صلب سے ہوگا کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اس سے کاتب الحروف ولی اللہ پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ بات نکل گئی اس لئے انہوں نے ولی اللہ نام رکھدیا کچھ عرصہ بعد جب انہیں یہ واقعہ یاد آیا تو انہوں نے میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا" (۲۹)

اس واقعہ سے کئی باتیں معلوم ہوئیں پہلی بات تو یہی کہ مزارات اولیاء کے لئے سفر کرنا جائز ہے، خود حضرت شاہ عبدالرحیم چل کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بارگاہ میں پہونچے۔ اولیاءاللہ کو بعد وصال بھی علم غیب ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے کئی سال قبل ہی فرزند کی ولادت کی بشارت دی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس میں شاہ عبدالرحیم کو جب کو تردد ہوا تو خطرات قلب پر آگاہی حاصل کرتے ہوئے اسے بھی دور کر دیا۔

مزارات کی حاضری اور وہاں سے حاصل ہونے والے فیوض و برکات کے تعلق سے ذکر شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر کیا ہے الدر الثمین میں لکھتے ہیں کہ:

"میں نے مدینہ منورہ میں مکمل سات مہینے قیام کئے علم ظاہر میں وہاں کے علماء سے استفادہ کیا اور علم باطن میں روضہ مقدسہ کی جاروب کشی کی۔ حضرات اہل بیت اطہار کے روضہ مقدسہ کی زیارت اور وہاں پر مراقبات سے مجھے بے حد روحانی فائدہ حاصل ہوا"۔

فمن یو منذ انشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیة والحمد للہ

(اسی دن سے میرا سینہ کھل گیا علوم شریعت کی تصنیف میں)(۳۰)

اس کا اعتراف حضرت شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں بھی کیا ہے۔

جب میں نے اہل بیت اطہار کے قبور کی زیارت کی تو مجھ پر ایک خاص طریقہ کا اظہار ہوا جو اولیاء اللہ کا طریقہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد کے مزار سے جس طرح مستفیض ہوئے اس کا انہوں نے برملا اعتراف اپنے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز سے بھی کیا ایک دن انہوں نے اپنے فرزند کو مخاطب کر کے فرمایا:

> "ہمارے والد جب دنیا سے آخرت کو منتقل ہوئے تو ہماری عمر تمھاری اس عمر کی طرح تھی اور میرے چھوٹے بھائی میاں کی عمر رفیع الدین کی سی عمر تھی میں آپ کے مزار شریف پر آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا کرتا تھا پھر مجھ پر راہ حقیقت کھلی ان حکایات کے بعد آپ نے آگاہ کیا کہ میری رحلت کا زمانہ قریب آگیا ہے"(۳۱)

اپنی اس نصیحت میں شاہ صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز کو شاید یہ بتلانا چاہتے تھے کہ مجھے جو یہ نعمت ملی ہے اس کی ابتدا والد ماجد کے مرقد مبارک سے ہوئی اور اس کا اتمام سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر ہوا۔ درج بالا عبارت سے یہ بات مترشح ہے کہ اصل بات تو مزارات پر حاضری، ان سے استمداد، اکتساب فیوض وبرکات اور کشف قبور وغیرہ ہے۔ جن پر شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک سارے بزرگ عامل رہے۔ اور اس قسم کے واقعات سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ باقی رہا مزار کو مستقل حاجت روا سمجھنا تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اسے شرک نہ سمجھتا ہو۔

میلاد و فاتحہ

ماہ ربیع الاول شریف کی ۱۲ تاریخ کو میلاد شریف منعقد کرنا، کھانا پکوانا، نذر و نیاز دلوانا اور غربا و مساکین میں کھانا تقسیم کرانا اس کا رواج خاندان ولی اللٰہی میں پہلے سے ہی تھا ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الدر الثمین میں حدیث نمبر ۲۲ کے تحت اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کے معمولات کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''میں ایام مولود شریف میں آنحضرت ﷺ کے میلاد کا کھانا پکوایا کرتا تھا ایک سال کچھ پاس نہ تھا بھنے ہوئے چنے تھے میں نے ان کو غربا و مساکین میں تقسیم کیا میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے بھنے ہوئے چنے رکھے ہوئے ہیں آپ شاد و بشاش ہیں'' (۳۲)

یہ معمول صرف آپ کے آباء و اجداد کا ہی نہیں تھا خود شاہ صاحب بھی ۱۲ ربیع الاول شریف کو مبارک اور مقدس دن کے طور پر منایا کرتے تھے القول الجلی میں اس کی صراحت شاہ صاحب کے الفاظ میں اس طرح موجود ہے۔

> ''قدیم طریقہ کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کو میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور آنحضرت ﷺ کی کچھ نیاز تقسیم کی اور آپ کے مبارک بال کی زیارت کرائی ۔ تلاوت کلام پاک کے دوران ملاء اعلیٰ کا ورود ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی روح پُرفتوح نے اس فقیر اور اس سے محبت کرنے والوں کی طرف بہت التفات فرمائی اس وقت میں نے دیکھا کہ ملاء اعلیٰ (فرشتوں کی ٹولی) اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت نیاز مندی اور عاجزی کی بنا پر بلند ہو رہی ہے (عروج کر رہی ہے) اور اس کیفیت کی برکتیں اور اس کی لپٹیں حاضر ہو رہی ہیں'' (۳۳)

درج بالا عبارت سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب خاص ۱۲ ربیع

الاول کو سرکار دو عالم ﷺ کی فاتحہ اور نیاز دلواتے اور نیک بخت حاضرین کو موئے مبارک کی زیارت کراتے۔ میلاد رسول ﷺ کی خوشی میں شیرینی تقسیم کرتے، بلاشبہ ان کے اس عمل سے خود اور ان کے حاضرین محفل کے درجات بلند ہوتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سرکار دو عالم ﷺ کا فاتحہ تو کرتے ہی تھے۔ حضرات ائمہؑ اہل بیت اطہار کا بھی فاتحہ کراتے تھے القول الجلی کے مرتب نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کا ایک ملفوظ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں۔

> ''عاشورہ کے ایام میں حضرات ائمہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف سے مکرر ارشاد ہوا کہ ان حضرات کی فاتحہ کرائی جائے چنانچہ ایک دن شیرینی منگوائی گئی اور قرآن مجید کا ختم کر کے فاتحہ دلائی گئی جس سے حضرات ائمہ اطہار کی ارواح طیبہ میں خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر ہوئے''
> (۳۴)

میلاد شریف اور اس کے فیوض و برکات کے تعلق سے حضرت شاہ صاحب نے اپنا ایک واقعہ فیوض الحرمین میں ان الفاظ میں درج کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

> ''جب میں آنحضرت ﷺ کے مولد مبارک میں تھا میلاد شریف کے دن اور لوگ بھی جمع تھے درود شریف پڑھتے اور معجزے بیان کرتے تھے جو ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدے جو نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ اک بارگی انوار ظاہر ہوئے میں نہیں کہتا کہ ان آنکھوں سے دیکھا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ روح کی آنکھوں سے دیکھا فقط خدا جانے کہ کیا امر تھا ان آنکھوں سے دیکھا کہ روح کی؟ پس تامل کیا تو معلوم ہوا کہ نور ان ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں پر موکل ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوار رحمت

دونوں ملے ہوئے ہیں'' (۳۵)

درج بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ میلاد شریف منعقد کرنا اس میں درود شریف کا ورد اور معجزات کا ذکر کر کے رسول مقبول ﷺ کی یاد تازہ کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ایسی مبارک محفلوں میں من جانب اللہ رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور سامعین پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

عرس مبارک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عرس سرپا قدس بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے اور صرف عرس ہی نہیں بلکہ فاتحہ سوئم اور چہلم کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے مجموعہ ملفوظات القول الجلی نامی کتاب میں اس کا ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب اپنے والد کی قبر اطہر کے پاس خاموش بیٹھے تھے کہ اچانک آپ کو الہام ہوا کہ یہ بات لوگوں تک پہونچا دو کہ:

> ''یہ فقیر چند نسبتیں رکھتا ہے ایک نسبت سے ولی اللہ فرزند عبدالرحیم ہے اور ایک نسبت سے انسان ہے اور ایک نسبت سے حیوان اور ایک نسبت سے نامی اور ایک نسبت سے جسم اور ایک نسبت سے جوہر اور ایک اعتبار سے وہ موجود ہے۔ اس اعتبار سے میں پتھر بھی ہوں اور درخت بھی ہوں، گھوڑا بھی اور ہاتھی بھی اونٹ بھی اور بھیڑ بھی۔ آدم کو اسماء کی تعلیم میں تھا، نوح کا طوفان جو اٹھا اور ان کی کامیابی کا سبب بنا وہ میں تھا۔ ابراہیم پر جو گلزار ہوا وہ میں تھا موسیٰ کی تورات میں تھا۔ عیسیٰ کا مردہ کا زندہ کرنے میں تھا۔ مصطفےٰ ﷺ کا قرآن میں تھا۔ سب تعریف اللہ رب العزت کے لئے ہے'' (۳۶)

آپ کے محترم چچا حضرت شیخ ابوالرضا کا عرس بھی بڑے اہتمام کے ساتھ منایا جاتا تھا اس عرس کے فیوض و برکات سے حضرت شاہ ولی اللہ بھی مستفیض ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

''حضرت شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے عرس کی رات کو ان کے مقبرہ میں لوگوں کی بھیڑ اور نغمہ سرائی کا ہنگامہ بر پا تھا۔ لوگ اپنے شوق اور وجد میں مصروف تھے میں عشاء کے بعد اپنی مسجد شریف میں بیٹھا تھا کہ نور کا ایک ٹکڑا میرے پاس آیا اور آواز آئی کہ وہاں ذوق وشوق اور روح مبارک کی کرامات کا جو کچھ ظہور ہوا ہے وہ سب مل کر اس صورت میں ہو گئے ہیں جو آپ کو ارسال کیا گیا ہے۔ اس دوران نفس ناطقہ کا اثر تمام عالم میں ظاہر ہوا اور یہ بات واضح کی گئی کہ وہ نور اسی منبع کا تابع ہے (۳۷)

حضرت شاہ صاحب نے نہ یہ کہ صرف اپنے اباء واجداد کا عرس کیا ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء اللہ کے اعراس میں بھی شرکت کی اور ان کی ارواح سے استفادہ کیا ہے۔ القول الحلی کے مرتب لکھتے ہیں۔

''حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حضرت مخدوم جمال الدین قدس سرہ کے عرس کے دن موضع پھلاودہ قبر شریف کی زیارت کے لئے گئے۔ وہاں بہت بھیڑ تھی۔ آپ کی قبر شریف کو چومنے میں لوگ کثرت سے مصروف تھے۔ آپ نے تھوڑی دیر وہاں توقف کیا پھر مقبرہ سے باہر آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا جب تک انسان زندہ رہتا ہے جس قدر بھی وہ اللہ کی یاد کرتا ہے اس کو ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور جسمانی تعلق کی وجہ سے بشریت اور عالم اسلام کی بندھنوں کی وجہ سے پوری طرح چھٹکارا نہیں پا سکتا اور جب وہ اس جہاں سے رخصت ہو جاتا ہے اس وقت اس کو بشریت کے عوارض سے پوری طرح نجات حاصل ہو جاتی اور اس پر

لاہوتی صفت غالب آجاتی ہے لہٰذا لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں'' (۳۸)

حضرت شاہ صاحب نے اصل عبارت میں جملہ کا اختتام ''لہٰذا مسجود می شود'' پر کیا ہے جس کا ترجمہ سطور بالا میں ''جھکتے ہیں'' سے کیا گیا ہے۔ یہ شان مسجودیت کسی نیک بندے کو خداوند عالم کا قرب حاصل کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ بندے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جن کا دیکھنا سننا پکڑنا چلنا سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوتا ہے۔ ایسے برگزیدہ بندوں کی محبت اللہ تعالیٰ عوام کے دلوں میں ڈال دیتا ہے پھر عوام کے دل خود بخود اس کی طرف جھکتے ہیں۔ یہی ہے شان مسجودیت جو اولیاء اللہ کو فنا فی اللہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

کشف

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کشف بزرگ تھے مستقبل میں پیش آنے والے چیزوں سے آگاہی انہیں قبل از وقت ہو جایا کرتی تھی یہ اس کشف کا اظہار جا بجا ان کی تصانیف میں درج ذیل عبارتوں سے ہوتا ہے۔ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب کے کشف کے تعلق سے ایک قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا صحیح کشف عطا کیا ہے کہ روئے زمین کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں سب کچھ ہاتھ کی ہتھیلی کی لکیروں کی طرح مجھ پر عیاں ہے'' (۳۹)

حضرت شاہ صاحب نے اپنی اولاد کے تعلق سے لکھا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لطف سے یہ اولاد جو مجھے عنایت کی ہیں سب نیک بخت ہیں اور ان پر ایک طرح کی فرشتگی کا ظہور ہوگا اور غیبی تدبیر کا تقاضہ ہے کہ کہ دو افراد پیدا ہوں جو سالہا سال مکہ اور مدینہ میں علوم دین کی ترویج کریں اور

وہیں کی وطنیت اختیار کرلیں ماں کی طرف سے ان کا رشتہ مجھ سے ہوگا'' (۴۰)

شاہ صاحب کا یہ کشف بالکل سچ ثابت ہوا حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبدالقادر یہ تینوں حضرات بہ ظاہر اور بہ باطن فرشتہ تھے جن دو افراد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سالہا سال مکہ اور مدینہ میں رہ کر دین کی خدمت کریں اس تعلق سے نواب صدیق حسن خاں کا یہ ریمارک قابل توجہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

''مصداق ایں آگاہی بہ ظاہر وجود ہر دو نواسۂ شاہ عبدالعزیز دہلوی است مولوی محمد اسحاق ومحمد یعقوب کہ از دہلی کردہ در مکہ اقامت نمود سالہا سال بہ احیائے روایت حدیث بہ اہل عرب وعجم پرداختند'' (۴۱)

جیسا کہ آغاز گفتگو میں راقم نے بتایا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کی وہ واحد شخصیت ہے جسے ہر مسلک کے لوگ اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ لیکن اس مذہبی پیشوا کے دینی عقائد اور مذہبی رجحانات جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا اس سے یہ بات طے کرنے میں شاید اب دشواری نہ ہو کہ حضرت شاہ صاحب ہر مکتب فکر کے پیشوا نہیں بلکہ صرف اور صرف مسلک اہل سنت وجماعت کے علمبردار تھے۔ ان کے معمولات ومعتقدات اُس دور میں وہی تھے جس پر اِس دور میں مسلک اہل سنت وجماعت کے افراد سختی سے گامزن ہیں اور اہل سنت و جماعت وہی گروہ ہے جس کی سچی تعبیر اس دور میں بریلویت سے کی جاتی ہے۔ اپنے ان عقائد ونظریات کی بنا پر حضرت شاہ صاحب بلاشبہ سنیوں کے پیشوا وقائد تھے۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود کس طرح دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں نے انھیں اپنا پیشوا تسلیم کرلیا محل نظر ہے؟ اس سلسلہ میں جہاں تک راقم السطور کا مطالعہ کام کر رہا ہے وہ وہی ہے جس کی طرف اشارہ دہلی کے مستند عالم دین حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے

ان لفظوں میں کیا ہے۔

''حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادوں کی تالیفات میں تحریف کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے رائج ہے''

مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی بلکہ انھوں نے اپنے اس قول کی تائید میں حضرت شاہ رفیع الدین کے نواسے مولانا ظہیر الدین احمد کا وہ قول پیش کیا ہے جو انہوں نے سو سال قبل فرمایا تھا۔

> ''آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی جانب منسوب کر دیا ہے اور در حقیقت وہ تصانیف اس میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر و تبدل کر دیا'' (۴۲)

شاہ صاحب اور ان کے خانوادہ کے بعض افراد کی تصانیف میں تحریف اور الحاقات کا ہی اثر ہے کہ آج ہر مسلک کے لوگ انہیں اپنا پیشوا ماننے پر مصر ہیں ورنہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سوچئے کہ جس کا پورا خاندان خالص سنی صحیح العقیدہ ہو وہ کس طرح ہر مکتب فکر کا پیشوا ہو سکتا ہے۔ مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی حیات تک شاہ صاحب کی تمام تصانیف تحریف والحاق اور تغیر و تبدل سے محفوظ تھیں جس زمانہ میں وہابی تحریک کا زور ہوا اسی دور میں یہ سارے کام ہوئے ۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کا اظہار مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے القول الجلی کے مقدمہ میں شرح و بسط کے ساتھ ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''افسوس ہے مولانا اسماعیل کے پیرو اس کام (تحریف) میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحریرات و مکتوبات حضرت شاہ

عبد القادر کا ترجمہ قرآن اور ان کی کتابیں، حضرت مجدد الف ثانی ان کی اولاد
حضرت غلام علی حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کے احوال میں خوب ہی تحریف
کر کے محمد بن عبد الوہاب نجدی اور مولانا اسماعیل دہلوی کا ہمنوا سب کو قرار دیا ہے
اللہ تعالیٰ اس کتاب القول الجلی کو ان لوگوں سے محفوظ رکھے'' (۴۳)

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان کے مصنف مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے تو
یہاں تک لکھا ہے۔

''شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے
مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ
صاحب کے نام سے کی گئی'' (۴۴)

یہ کام کن لوگوں نے کیا ہوگا اس کی وضاحت کی یہاں چنداں ضرورت نہیں سطور
بالا میں اس طرف مختصراً اشارہ کر دیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی بیشتر تصانیف ایسی ہیں
جن کے نام تو ملتے ہیں مگر ظاہر میں اس کا کوئی وجود نہیں ملتا اس کی ایک فہرست مولانا شاہ
زید ابوالحسن فاروقی نے دی ہے اور حکیم محمود احمد برکاتی نے بھی واضح لفظوں میں اس کی
طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو بیچارے اردو پڑھنے والے ہیں ان میں تجسس کی
صلاحیت نہیں ہوتی وہ شاہ صاحب کی جانب جعلی اور مصنوعی کتابوں کو پڑھ کر ضلالت
وگمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام سے انہیں آگاہ
کروں۔ وہ جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں۔

۱۔ تحفۃ الموحدین	اکمل المطابع دہلی	منسوب بہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۲۔ بلاغ المبین	مطبوعہ لاہور	منسوب بہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۳۔ تفسیر موضح القران	خادم الاسلام دہلی	منسوب بہ مولانا شاہ عبد القادر صاحب

۴۔ ملفوظات مطبوعہ میرٹھ منسوب بہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی

جن کتابوں میں تحریفات ہوئی ہیں اس کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ بعض تحریفات کی نشاندھی بھی کی گئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی طرف بعض اپنی تصانیف کا نہ صرف انتساب کیا گیا ہے بلکہ تحریفات وتغیرات بھی کئے گئے اور اس پر اکتفانہیں کیا بلکہ ان کی بعض اہم تصانیف میں حکم قرآن " لا تلبسوا الحق بالباطل " کی خلاف ورزی کرتے ہوئے الحاق بھی کیا گیا۔ جس کی طرف اشارہ حضرت شاہ رفیع الدین کے پوتے حضرت ظہیر الدین احمد نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

صرف جعلی کتابیں ہی نہیں بلکہ الحاقات بھی ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب کی تفہیمات کی یہ عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو ان کی ساری تعلیمات میں ہمارے محققین کو سب سے پہلے نظر آتی ہے۔ حالانکہ شاہ صاحب کے دوسرے نظریات سے وہ عبارت کوئی لگا نہیں کھاتی۔

کل من ذهب الی بلدة اجمیر اوالی قبر سالار مسعود او ماضاهاها لاجل حاجة یطلبها فانه اثم اثما اکبر من القتل والزنا الیس مثله الامثل ما کان بعبد المصنوعات او مثلا من کان یدعو اللات والعزیٰ (۴۵)

قطع نظر اس بات کے کہ فی الواقع یہ بات درست ہے کہ نہیں مگر اتنا مسلم ہے یہ مذکورہ عبارت خود شاہ صاحب کی تحریر جو زیارت قبور کے تعلق سے حجة الله البالغه مترجم مولانا عبدالرحیم کلاچوی جلد ۲ ص ۲۵۹ لاہور۔ اور قبرستان میں داخل ہونے کے جو آداب القول الجمیل میں اور اصحاب قبور سے استمداد کا جو طریقہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز نے کمالات عزیزی میں ص ۷۴۴ مطبوعہ سعید کمپنی ادب منزل نے لکھا ہے

اس سے متصادم ہے۔ جہاں تک رہی اس عبارت کی صداقت کا معاملہ تو اس سلسلے میں صرف مولانا شاہ ابوالحسن زید ندوی کا تبصرہ برمحل ہوگا وہ لکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی عبارت میں اس باطل کا ملانے والا شریعت مطہرہ کے اصول وقواعد سے بے بہرہ ہے اس کو یہ معلوم نہیں کہ کسی فعل کے ثواب کو یا گناہ کو فرض قطعی کے ثواب سے یا حرام قطعی کے گناہ سے زیادہ اور بڑا قرار دینا صرف اللہ اور اللہ کے رسول کا کام ہے کوئی دوسرا اس کا بیان نہیں کرسکتا اس شخص کو نہیں معلوم کہ قتل کرنے اور زنا کرنے کے گناہ کا منکر کافر ہے اور اجمیر شریف اور بہرائچ شریف کسی حاجت کے لئے جانے والا اگر کہتا ہے کہ اس میں گناہ نہیں تو وہ کافر نہیں ہے۔ (۴۶)

شاہ صاحب کے مسلکی رجحانات کے تعلق سے باضابطہ ریسرچ وتحقیق کی ضرورت ہے آج کل دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض دانشور طبقہ شاہ ولی اللہ کے مسلک کو دیوبندی مکتب فکر سے جوڑنے کی ہر ممکن جدوجہد کرتا ہے اور ببانگ دہل یہ کہتا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے علماء کے معتقدات وہی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تھے۔ حالانکہ یہ ان حضرات کی انتہائی غلط فہمی ہے۔ مسلک دیوبند کا ولی اللّٰہی مسلک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔اس سلسلہ میں اپنی ذاتی رائے قائم کرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ ایک مستند عالم دین کی تحریر پیش کردی جائے تاکہ ارباب حق کے سامنے حقیقت واضح ہوجائے۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری استاد دارالعلوم دیوبند فرزند حضرت مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندیت کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

''اس میں شک نہیں کہ ہماری حدیث کا سلسلہ حضرت شاہ صاحب پر ہی منتہی ہوتا ہے اور آج ہند و پاک میں حدیث وقرآن کے جو زمزمے سنے جاتے ہیں ان

میں خانوادہ ولی اللّٰہی کا براہ راست دخل ہے اس لئے ان کی خدمات جلیلہ کا انکار نہیں ہو سکتا تاہم کم از کم مجھے تو شاہ صاحب اور دیو بند میں فرق نمایاں اور واضح نظر آتا ہے جس کے بعد دیو بندیت کو ولی اللّٰہی فکر کا ایک سر چشمہ قرار دینے میں مجھے تامل ہے۔(۴۷)

حضرت شاہ صاحب کی متعدد تصانیف بطور خاص کتب تصوف میں توسل، استمداد ،تصرف، علم غیب، حاضر وناظر، بزرگان دین کے اعراس، میلاد وفاتحہ، نذر و نیاز، اطلاع خواطر ،زیارت قبور، الغرض مسلک صوفیہ صافیہ سے بھری پڑی ہے۔اس سلسلہ میں انفاس العارفین کے مترجم مولانا محمد فاروق ایم اے کا دوٹوک فیصلہ لکھنا مناسب ہوگا۔انھوں نے شاہ صاحب کے مسلکی رجحانات اور صوفیاء کے معمولات کا انفاس العارفین میں وضاحت کے ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے۔میں نے یہ چند حوالہ جات صرف اس لئے پیش کئے ہیں تا کہ اہل علم کی توجہ اس طرف مبذول کرادی جائے کہ ان باتوں کو محض بریلویت کی توہم پرستی کہہ کر شرک وبدعت قرار دے دینا تو رسمی سی بات ہے لیکن ذرا سوچئے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شاہ عبدالرحیم ، شیخ ابوالرضا، سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز کیا یہ سارے کے سارے محدثین ،اور علمائے حق شرک وبدعت کے عقائد واعمال پر کار بند تھے اگر ایسا نہیں؟ تو پھر کیوں بریلوی علماء کو شرک وبدعت کا مرتکب گردانا جاتا ہے جو اپنے اکابر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی ،شیخ نورالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی روش پر گامزن ہیں؟۔

اس مختصر سی توضیح کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار ونظریات کا مطالعہ جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا امام اہل سنت کے ترجمہ ٔ قرآن کنز الایمان کی روشنی

میں کرلیا جائے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فکری طور پر امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں کے نظریہ سے کس قدر ہم آہنگ تھے۔

کنز الایمان جو امام اہل سنت فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن ہے بغیر کسی توضیح وتشریح کے اس کے ترجمہ کے ذریعہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار ونظریات کی ہم آہنگی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کیوں کہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے جس سے ہی تمام مسالک کے لوگ اپنے افکار ونظریات کو جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں بعض مخلص نہ ہونے کے باعث گمراہ ہو جاتے ہیں اور بعض کو ہدایت مل جاتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے " یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً " اس لئے ضروری ہوا کہ بتایا جائے کہ کنز الایمان کے ترجمہ میں کس قدر فکر ولی اللہی سے ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور کتاب اللہ سے اپنے افکار ونظریات کو مربوط کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ شاہ صاحب کی وصیت تھی کہ اعتقاد وعمل میں کتاب وسنت کو ہی رہنما تسلیم کیا جائے جیسا کہ مولوی ابو الحسن علی ندوی تاریخ دعوت وعزیمت میں رقم طراز ہیں۔

> "اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد وعمل میں کتاب وسنت کو مضبوط ہاتھوں سے تھاما جائے اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے عقاید میں متقدمین اہل سنت کے مذہب کو اختیار کیا جائے اور (صفات وآیات متشابہات) کے سلسلے میں سلف نے جہاں تفتیش اور تفصیل سے کام نہیں لیا ہے ان سے اعراض کیا جائے اور معقولیان کے کام کی تشکیکات کی طرف التفات نہ کیا جائے" (۴۸)

اس وضاحت کے بعد آئیے دیکھیں کہ اہل سنت و جماعت سے حضرت شاہ ولی محدث دہلوی کے افکار ونظریات کس درجہ ہم آہنگ تھے۔؟

شفاعت

شفاعت کے تعلق سے فکرولی اللٰہی کا اپنے آپ کو اصل ترجمان سمجھنے والے وہابی علما کا عقیدہ ہے کہ کوئی نبی و ولی کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا اور جو اس طرح کا اعتقاد رکھے وہ ابو جہل ہی کی طرح مشرک ہے شاہ اسماعیل دہلوی فرماتے ہیں۔

جو کسی نبی و ولی سے یہ معاملہ کرے اور اس کو اپنا وکیل و سفارشی جانے تو وہ ابو جہل کے برابر مشرک ہے اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے۔(۴۹)

علمائے اہل سنت کے نزدیک شفاعت حق اور ثابت ہے اور اس بات پر صدفی صد ایمان ہے کہ روز قیامت خدا کے حکم سے اللہ کے نبی ﷺ ہم جیسے گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے اس تعلق سے قرآن حکیم کی بیشتر آیات ہیں جن سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

۱. یو مئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمٰن ورضی له قولاً (۵۰)

(اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمان نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی)

۲. واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات (۵۱)

(ورائے محبوب اپنے خاصوں اور مسلمان مردوں کے گناہوں کی معافی مانگو)

۳. مامن شفیع الا من بعد اذنہ (۵۲)

(کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد)

۴. لاتنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له (۵۳)

(اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لئے وہ اذن فرمائے)

کنزالایمان کے یہ وہ مومنانہ تراجم ہیں جس پر مومنانہ عقیدہ ونظریہ کی مکمل

چھاپ ہے اور ساتھ ہی منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے اس طرح اور بھی آیات ہیں جن سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ کنزالایمان میں واضح لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ شفیع المذنبین ہیں احادیث کریمہ اور اقوال صحابہ وائمہ میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں تمام اکابر علمائے اہل سنت کا بھی یہی نظریہ تھا اور ہے اب دیکھئے اس تعلق سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کیا فرماتے ہیں۔ ملفوظات کے مرتب شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں۔

آپ نے تحریر فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کا علمائے حدیث کے حق میں شفاعت کا اور موت کے وقت توسل اور علم حدیث سے توسل کا مشاہدہ کیا اور اس کی حفاظت عروۃ الوثقٰی اور حبل ممدود ہے جو منقطع ہوتی ہی نہیں ہے پس ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ یا محدث ہو یا ان کا طفیلی ہو جائے'' (۵۴)

توسّل

موجودہ دور کے وہ علماء جو فکر ولی اللٰہی پر عمل پیرا ہونے کا ڈھنڈھورا پیٹتے ہیں ان کا عقیدہ انبیاء ومرسلین اور اولیاء وبزرگان دین سے توسل کا ہے۔توسل یہ ہے کہ اگر ان (نبی ﷺ) کو کوئی وسیلہ اور سفارشی سمجھے تو وہ ابوجہل کے برابر مشرک ہے۔ تفصیل کے لئے تقویۃ الایمان کا مطالعہ کرنا چاہئے اس کتاب میں کئی ایک ایسی عبارتیں ہیں جن سے درج بالا وہابی موقف کی تائید ہوتی ہے۔شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

''سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ ومخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے (۵۵)

اس تعلق سے علمائے اہل سنت کا موقف بالکل واضح ہے ان کا ماننا ہے کہ حضرات انبیائے کرام اور اولیائے عظام بارگاہ رب العزت میں وسیلہ ہیں ان کے توسل سے گنہ گار

بندوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل آیات قرآنی سے استشہاد کرتے ہیں۔

۱. یا ایها الذین آمنوا اتقو اللّٰہ و ابتغوا الیه الوسیلة (۵۶)

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو)

۲. ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لهم الرسول لوجدو اللّٰہ توابا رحیما (۵۷)

(اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں)

کنز الایمان کے اس ترجمہ سے بالکل واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں رسول مقبول ﷺ کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت برآری کا ذریعہ ہے۔ اس آیت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے خزائن العرفان کے مصنف صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی فرماتے ہیں۔

"سید عالم ﷺ کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور روضہ شریف کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی"

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد صاحب خزائن العرفان چند مسائل کا استنباط

کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعۂ کامیابی ہے۔

۲۔ قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی جائز میں داخل ہے اور یہ خیر القرون کا معمول ہے۔

۳۔ بعد وفات مقبولان حق کو یا کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے۔

۴۔ مقبولان حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ (۵۸)

مولانا احمد رضا چونکہ اپنے دور میں اہل سنت و جماعت کے مقتدا تھے اس لئے انہوں نے کنز الایمان کے ترجمہ میں واضح لفظوں میں وہی ترجمہ کیا ہے جو منشائے الٰہی کے عین مطابق تھا۔ انبیاء و مرسلین، اولیاء و بزرگان دین جتنے بھی بارگاہ رب العزت میں مقربین ہیں وہ گنہ گار بندوں کے لئے گناہوں کی معافی کے لئے وسیلہ ہیں۔

اب آئے دیکھیں کہ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا موقف کیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وابتغوا الیه الوسیلة میں وسیلہ سے مراد مشائخ اور بزرگان دین سے بیعت وارادت مراد لیتے تھے۔ اس آیت کی وہ تشریح جو ایک موقع سے امیر عصمت اللہ سہارنپوری نے کی اسے معتبر نہیں مانتے تھے وہ فرماتے ہیں۔

> یا ایها الذین آمنوا اتقوااللّٰه وابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون اس آیت میں ابتغاء وسیلہ سے مراد کیا ہے؟۔ امیر عصمت اللہ سہارنپوری نے جو کچھ بعض مفسرین کے حوالے سے اعمال صالحہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا یہ معنیٰ مراد نہیں ہو سکتے۔ ایمان تو اس

لئے مراد نہیں ہو سکتا کیوں کہ خطاب مومنین سے ہے (یعنی ایمان والوں سے یہ کہنا کہ ایمان لاؤ ایک مہمل سی بات ہوگی) اور اعمال صالحہ تقویٰ میں داخل ہیں اور تقویٰ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنا ہے (یہ بھی وابتغوا الیہ الوسیلة میں داخل نہیں) اور یہ بھی مراد نہیں ہو سکتا کیوں کہ قاعدہ عطف مغائرت چاہتا ہے یعنی اتقوا اللّٰہ اور وابتغوا الیہ الوسیلة کے معنی میں مغائرت ہے کیوں کہ معطوف اور معطوف الیہ ہم معنی نہیں ہوتے اور ذکر میں ترتیب اس کی مقتضی ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جو تقویٰ کے بعد پیدا ہوتی ہے اور وہ چیز ارادت اور مرشد سے بیعت ہے اس کے بعد مجاہدہ وریاضت ہے تا کہ فلاح حاصل ہو جس سے مطلب ذات حق کا حصول ہے (۵۹)

عرس

اکابر علمائے اہل سنت وجماعت کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے مشائخ کرام وبزرگان دین کا عرس بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے جس میں قرآن خوانی، محفل حمد ونعت ومنقبت، مجالس اصلاح المسلمین، اطعام غربا ومساکین کے علاوہ وعظ وتبلیغ کی مجلسیں ہوتی تھیں اور آج بھی علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ معمول ہے جو لوگ عرس کو ناجائز وحرام لکھتے اور کہتے ہیں ان کا بھی اس پر عمل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ علمائے اہل سنت کے معمولات سے ہٹ کر وہ ان تاریخوں میں سیمینار و کانفرنس اور مذاکروں کا اہتمام کر کے ان کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جب کہ بانی مسلک دیو بند مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

''عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے لہذا بدعت ہے (۶۰)

کسی عرس ومولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی عرس ومولود درست نہیں (۶۱)

یہ ان حضرات کا عقیدہ ہے جو اپنے کو فکر ولی اللہی کا ترجمان سمجھتے ہیں اب آیئے اہل سنت کا نظریہ ملاحظہ فرمایئے۔ ان کا ماننا ہے کہ اولیائے کرام و بزرگان دین کا عرس منانا جائز ومباح ہے اور احیاء اموات کے لئے فائدہ مند ہے امام اہل سنت مولانا احمد رضا کا اس پر عمل تھا وہ اپنے مشائخ کا عرس بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے۔ عرس کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والسلام علیٰ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیاً (۶۲)

(وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا)

والسلام علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیاً (۶۳)

(اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا)

یہ دونوں آیات کریمہ پیغمبران اسلام کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان مقربین بارگاہ الٰہی کے یوم ولادت ووفات اور زندہ اٹھائے جانے والے دن پر سلامتی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ولادت وموت کے دنوں میں چونکہ خدا کی سلامتی نازل ہوتی ہے اس لئے یادگار کے طور پر بنام عرس اسے منایا جاتا ہے اور اسی نقطہ نظر کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نہ صرف نیاز مندانہ انداز میں اعراس میں شرکت فرماتے تھے بلکہ اپنے چچا شیخ ابوالرضا کا عرس بھی بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے، آپ کے ملفوظات میں ہے۔

''ایک بار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ (آپ کے چچا) کے عرس کے موقع پر رات کے وقت جب کہ ان کے مقبرہ میں ہنگامہ وسرود جاری تھا اور حاضرین پر (سماع وسرود سے) ذوق ووجد طاری تھا میں بعد العشاء اپنی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ نور کا

ایک ٹکڑا سامنے لایا گیا اور یہ کہا گیا جو کچھ اس محفل میں ذوق وشوق اور روح مبارک کی توجہ کی برکات ہیں سب نے مرکب ہو کر یہ صورت اختیار کی ہے جو عطائے الٰہی ہے اور اسی وقت تمام عالم میں نفس ناطقہ کا سریان ظاہر ہوا اور یہ واضح ہوا کہ وہ نور اسی منبع کا تابع ہے اگر چہ اسی جگہ سے بھیجا گیا ہے (۶۴)

اس تعلق سے ایک دوسرا واقعہ بھی آپ کی ملفوطات کے مرتب لکھتے ہیں۔

''حضرت قبلہ ایک بار مخدوم جمال الدین قدس سرہ کے عرس کے موقع پر ان کی قبر شریف کی زیارت کو موضع بھلاوہ تشریف لے گئے وہاں لوگوں کا ایک انبوہ عظیم تھا اور ایک کثیر ہجوم ان کی قبر کو بوسہ دے رہا تھا حضرت قبلہ وہاں تھوڑی دیر کھڑے رہے اور اس کے بعد مقبرہ کے اندر سے باہر آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ آدمی جب تک قید حیات میں رہتا ہے اور اس میں ہر چند یادحق کرتا ہے اور ترقیات کرتا ہے لیکن بہ سبب تعلق جسمانی اس کو بشریت ناسوتیت سے کلی طور پر نجات میسر نہیں ہے اور جب اس عالم سے انتقال کر گیا تو اس وقت بشریت سے مکمل طور پر نجات حاصل ہو کر صفت لاہوتیت غالب ہو جاتی ہے لہٰذا وہ مسجود خلائق ہو جاتا ہے۔ (۶۵)

ایک تیسرا واقعہ بھی لگے ہاتھوں پڑھتے چلئے ملفوظات کے مرتب محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں۔

''ایک بار عرس کی مجلس تھی اور ہم شیخ ابوالفتح اور شیخ ابوالفضل کے روضے کی دیوار کے نیچے بیٹھے تھے ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک نور مثل برق دونوں قبروں سے نکلا اور بہ شدت تمام مجھ میں سرایت کر گیا ایسا کہ میں سخت مضطرب ہوا اور قریب تھا کہ اچھل کر رقص کرنے لگوں اور نعرے ماروں کہ یکا یک (اسی وقت) حضرت قبلہ گاہی مرشد برحق کی صورت نمودار ہوئی اور مجھ کو تسکین بخشی اگر چہ اس وقت

بظاہر نہ میری کوئی چیخ نکلی اور نہ اضطراب ظاہر ہوا لیکن میں نے دیکھا کہ میری حقیقت رقص کر رہی ہے اور اس سے ایک اضطراب عظیم بر پا ہے اور یہ حال تقریباً ایک ساعت تک مجھ پر رہا ''(۶۶)

ان تینوں واقعات کی روشنی میں بصد وثوق یہ کہا جا سکتا ہے کہ فکر ولی اللٰہی وہ نہیں جس پر ارباب مسلک دیوبند کا عمل ہے بلکہ فکر ولی اللٰہی کے اصل ترجمان اس دور میں علمائے اہل سنت و جماعت ہیں جنہیں اس دور میں بریلویت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

میلاد شریف کے تعلق سے مسلک دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

''عقد مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں (۶۷)

علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ فعل نہ فقط جائز و مباح ہے بلکہ مستحب و مستحسن، موجب اجر و ثواب اور باعث خیر و برکت ہے۔ اسلاف کا اس پر عمل رہا ہے اس موضوع پر علمائے اہل سنت کے نوک قلم سے متعدد تحریریں منظر عام پر آچکی ہیں ہمیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے ارباب مسلک حق نے متعدد آیات کریمہ سے اس پر دلیلیں قائم کی ہیں۔ کنز الایمان میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱. لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم (۶۸)

(بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان)

۲. لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا (۶۹)

(بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا)

۳. ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہ (۷۰)

(وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں)

اس طرح کی متعدد آیات ہیں جن میں سرکار دو عالم ﷺ کے فضائل ومناقب کے ساتھ آپ کی بعثت کا ذکر ہے علمائے حق میلاد کی محافل میں عقیدت واحترام کے ساتھ سرکار کی بعثت، عرب کے حالات اور آپ کی آمد سے جو عرب سماج میں تبدیلیاں ہوئیں اس کا ذکر ملتا ہے قرآنی آیات اور کتب سماوی میں انہی کا ذکر ہے اور یہ سب کچھ امر مستحسن ہے۔ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری کا نظریہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا جس کا اظہار کنز الایمان کے حوالہ سے سطور بالا میں ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت کے تعلق سے اسی طرح کا عقیدہ رکھتے تھے وہ اس قسم کے محافل میں نہ صرف شریک ہوتے تھے بلکہ آپ کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود ایسی محافل کا انعقاد بھی فرمایا کرتے تھے۔

"مکہ معظمہ میں روز ولادت سرور کائنات (محفل میلاد شریف) مولد شریف میں لوگوں کا ایک جم غفیر تھا اور وہ آنحضرت پر صلوٰۃ وسلام اور آپ کے معجزات بیان کرنے میں مشغول تھے ناگاہ میں نے اس بقعہ کریمہ سے بجلیاں چمکتی ہوئی دیکھیں مجھے ان کے ادراک کی فکر ہوئی کہ کیا وہ نگاہ ظاہر سے ہیں یا نگاہ باطن سے، پھر جب میں نے غور کیا تو دیکھا کہ ان ملائکہ کے انوار ہیں جو اس

متبرک مقام پر مامور ہیں'' (۷۱)

ندائے یا رسول اللہ

ندائے غیر اللہ صحیح و جائز ہے اور اسی پر اکابر علمائے اہل سنت کا عمل ہے۔ لیکن بانی مسلک دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی اسے ناجائز و کفر سمجھتے ہیں وہ ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا اور اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں سبب علم غیب کے تو خود کفر ہے۔ (۷۲)

ہندوستان میں مسلک وہابیت کے علم بردار مولوی اسماعیل دہلوی کا بھی یہی خیال ہے وہ اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں فرماتے ہیں۔

''کس انبیاء و اولیاء کی، پیر و شہید کی، بھوت و پری کی یہ شان نہیں جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے (۷۳)

علمائے اہل سنت کے نزدیک اللہ تبارک و تعالیٰ نے جاندار چیزوں کو ہی صرف نہیں بلکہ بے جان چیزوں کو بھی حرف ندا سے خطاب کیا ہے جس کی صراحت کنز الایمان میں مولانا احمد رضا نے فرمادی ہے ۔

یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة (۷۴)

(اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو)

یا ایها النبی انا ارسلناک شاهداً (۷۵)

(اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے بھیجا تمہیں حاضر ناظر)

یا ایھا الذین آمنو استعینوا بالصبر والصلوٰۃ(۷۶)

(اے ایمان والوصبر اور نماز سے مدد چاہو)

یا ایھا الناس اتقو ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شئی عظیم (۷۷)

(اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے)

یا نار کونی بردا وسلاما علیٰ ابراھیم (۷۸)

(اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر)

یا ارض ابلعی مائک ویاسماء اقلعی وغیض الماء (۷۹)

(اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا)

یا جبال اوبی معہ والطیر (۸۰)

(اے پہاڑو اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو)

ان آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انبیاء و مرسلین ہی کو صرف نہیں حرف ندا سے خطاب کیا ہے بلکہ عامۃ الناس اور عام مخلوقات کو بھی جیسے زمین آسمان اور پہاڑوں کو بھی مخاطب کیا ہے اسی روشنی میں کنز الایمان میں اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔
اب اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک رسول بقید حیات تھے انہیں حرف ندا سے خطاب کرنا جائز تھا لیکن اب جب کہ وہ نگاہوں کے سامنے نہیں پھر انہیں کیوں کر حرف ندا سے خطاب کیا جائے یہ اعتراض ان کی طرف سے ہے جو نبی کو مردہ مانتے ہیں۔ اگر اسی نظریہ سے انہیں خطاب کرنا ناجائز سمجھا جارہا ہے تو ان پر یہ واضح ہو جانا چاہئے کہ انبیاء مرتے نہیں وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت انس بن مالک سے ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں) اس کے رواۃ میں جتنے لوگ ہیں سب ثقہ ہیں ائمہ اسلام

نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے علامہ مناوی، حافظ ابن حجر، امام ہیثمی، علامہ علی بن احمد عزیزی، علامہ شوکانی، علامہ نورالسمہودی، امام سخاوی، امام جلال الدین سیوطی، اور علامہ علی القاری المکی سب نے ہی اس حدیث کو صحیح لکھا ہے اور موخر الذکر نے اس روایت کی ان الفاظ میں اس کی تائید کی ہے۔

صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورهم (۸۱)

(الانبیاء احیاء فی قبورهم کی روایت صحیح ہے)

اس روایت کی ایک دوسری حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کا حال بالکل ملائکہ کی طرح ہے جس طرح وہ موجود ہیں مگر ہم انہیں نہیں دیکھتے ٹھیک اسی طرح انبیاء بھی زندہ ہیں موجود ہیں مگر ہم انہیں دیکھتے لہٰذا حدیث کا یہ جملہ " ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء بالکل درست ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ شب معراج بیت المقدس میں تمام انبیاء اپنی حیات جسمانی کے ساتھ جمع ہوئے اور آسمانوں میں بعض انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں اور گفتگو بھی ہوئی، اگر موت عدم محض کا نام ہوتا تو ان کے اجتماع کا کیا معنیٰ؟ اسی وجہ سے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ اللہ کے نبی مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں ارشاد نبوی ہے۔

" انبیاء اللہ لایموتون ولکن ینقلون من دار الیٰ دار (۸۲)

(اللہ کے نبی مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا بھی یہی نظریہ تھا وہ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم میں سرکار دوعالم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وصلی علیک اللہ یا خیر خلقہ ویا خیر مامول ویا خیر واھب

ویاخیر من یرجیٰ لکشف رزیة ومن جودہٖ قد فاق جود السحائب

وانت مجیر ی من ھجوم ملمة اذا انشبت فی القلوب شر المخاطب

(۸۳)

ا۔اے مخلوق خدا میں سب سے بہتر تم پر درود وسلام ہو۔

۲۔اور اے مصیبتوں کے دور کرنے والے اور اے بارش کی طرح سخاوت کرنے والے۔

۳۔اور مصائب میں اور اس وقت جب دل میں کوئی چنگل والا چنگل مارے تو ہی مجھے پناہ دینے والا ہے۔

انبیاء ومرسلین کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بانی سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کو بھی حرف ندا سے خطاب کیا ہے۔وہ اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں ایک وظیفہ کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اول دو رکعت نفل بعد ازاں یکصد ویازدہ بار درود بعد ازاں یکصد ویازدہ بار کلمہ تمجید ویک صد ویازدہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی گوید (۸۴)

(پہلے دو رکعت نماز پڑھے پھر اس کے بعد ایک سو گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھے پھر اس کے بعد ایک سو گیارہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی کا وظیفہ پڑھے)

یہی نظریہ بانی مسلک دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی کے پیر ومرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی تھا وہ اس تعلق سے فرماتے ہیں۔

''جو ندا نص میں وارد ہے مثلاً یا عباد اللہ اعینونی وہ بالاتفاق جائز ہے اور یہ تفصیل حق عوام میں ہے اور جو اہل خصوصیت ہیں ان کا حال جدا ہے اور حکم بھی جدا کہ ان کے حق میں یہ فعل عبادت ہو جاتا ہے۔جو خواص میں ہوگا خود سمجھ لے گا بیان کی حاجت نہیں۔یہاں سے معلوم ہو گیا ہے حکم وظیفہ یا شیخ عبد

القادر شیئاً للّٰہ کا لیکن اگر شیخ متصرف حقیقی سمجھے تو منجر الی الشرک ہے ہاں اگر وسیلہ وذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے کچھ حرج نہیں یہی تحقیق ہے اس مسئلہ میں'' (۸۵)

تصرف

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو مجبور محض نہیں بنا کر پیدا کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے، کائنات کی بیشتر چیزوں کو اپنے برگزیدہ بندوں کے تابع کیا ہے مگر ہمارے بعض نام نہاد مسلمان اس کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تصرف کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی نبی اور کسی ولی کو تصرف کی طاقت حاصل نہیں اور اگر کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ مسلک وہابیت ودیوبندیت سے متعلق کتابوں میں اس قسم کی کئی ایک عبارتیں ملتی ہیں۔ ہندوستان میں مسلک وہابیت کے علم بردار شاہ اسماعیل دہلوی اپنی مشہور زمانہ تصنیف تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں۔

اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی (۸۶)

اور وہ ایک ایک میں آپ ہی تصرف کرتا ہے کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا (۸۷)

جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے (۸۸)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس تھا اگر وہ وہابیت کے علم بردار ہوتے تو ان کا بھی یہی عقیدہ ہوتا جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا مگر حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں۔ وہ تو سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ تھے اور سلسلہ قادریہ کے شیخ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے انہیں گہری عقیدت تھی اور وہ ان کی روحانی عظمتوں کا دل سے

اعتراف کرتے تھے۔تصرف کے تعلق سے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حضرت علی کے بعد اولیائے کرام اور اصحاب طرق کا سلسلہ چلتا ہے اور ان میں سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو باحسن وجوہ طے کر کے نسبت اویسی کی اصل کی طرف رجوع کیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ قدم رکھا وہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات گرامی ہے اسی بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبروں میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔'' (۸۹)

اب آیئے کنز الایمان جو مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ قرآن ہے انہوں نے اس تعلق سے آیات قرآنی کا کس طرح مومنانہ ترجمہ کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱. انا مکنا له فی الارض و آتیناه من کل شئی سببا (۹۰)

(بیشک ہم نے زمین میں ذوالقرنین کو قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا)

۲. وسخرنا مع داود الجبال یسبحن و الطیر (۹۱)

(اور داود کے ساتھ پہاڑ مسخر فرمادئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے)

۳. ولسلیمان الریح عاصفة تجری بامره الی الارض التی بارکنا فیها و کن بکل شئی عالمین (۹۲)

(اور سلیمان کے لئے تیز ہوا مسخر کردی کہ اس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے)

قیام

علمائے دیوبند جو اس زمانے میں اپنے کو فکر ولی اللہی کا علمبردار عوام الناس سے منوانے کی کوشش کرتے ہیں ان کے نزدیک قیام مکروہ ناجائز بدعت بلکہ بعض کے نزدیک کفر و شرک بھی ہے۔مسلک دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی ایک استفتا کے جواب

میں فرماتے ہیں۔

''قیام مروج جو امور محدثہ ممنوعہ کو مشتمل ہے ناجائز و بدعت ہے (۹۳)

جب کہ ان کے پیر و مرشد مجلس مولود میں قیام کے وقت لذت محسوس کرتے تھے انہوں نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ۔

'' اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں'' (۹۴)

سید الطائفہ مہاجر مکی کا یہ بھی عقیدہ تھا۔

مجلس مولد میں حضور پُر نور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا حد سے بڑھنا ہے، کیوں کہ یہ امر ممکن ہے عقلاً و نقلاً۔ بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے، آپ کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہوئے اس کے آگے ایک ادنیٰ سی بات ہے (۹۵)

علمائے اہل سنت کے نزدیک قیام میلاد جائز مستحب و مستحسن ہے بوقت ذکر ولادت سرکار دو عالم ﷺ مسرت و محبت کے طور پر لوگ قیام کریں تو اس میں کوئی شرعی قباحت لازم نہیں آتی، امت مسلمہ نے اس قیام کو قیام عظمت قرار دیا ہے اسی لئے اسے قیام تعظیمی بھی کہا جاتا ہے۔ شعائر اللہ اور نبی کی تعظیم و توقیر کے لئے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱. ومن یعظم شعایر اللہ فانھا من تقوی القلوب (۹۶)

(اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہی دلوں کی پرہیز گاری ہے)

۲. انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً لتؤ منوا باللہ ورسولہ وتعزروہ

وتوقروه (۹۷)

(بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ان آیات کریمہ کی روشنی میں ہی بارگاہ نبوی میں کھڑے ہو کر اپنی عقدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔آپ کے ملفوظات القول الحلی کے مرتب لکھتے۔

"آپ نے تحریر فرمایا ایک روز میں حضرت کے مواجہ شریف میں کھڑا ہوا آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیج رہا تھا اور تضرع وزاری کر رہا تھا کہ ناگاہ آپ کی جانب سے ایک سر مثل برق ظاہر ہوا اور میری روح نے ایک لمحہ میں پوری شدت سے اسے پکڑ لیا ایسا کہ مجھے اس کی سرعت پر تعجب ہوا اور آن واحد میں اس کے اصل وفرع کا احاطہ کرلیا" (۹۸)

ان آیات کی جس طرح مومنانہ تشریح کنز الایمان میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری نے کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر ہر زمانے میں اکابر علماء ہی کا صرف نہیں بلکہ عوام اہل سنت کا بھی معمول رہا ہے اس موضوع پر علمائے حق کے نوک قلم سے متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں عصر حاضر میں حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی کا رسالہ تعظیم نبی بھی اچھی کوشش ہے۔اس رسالہ میں وہی سب کچھ ہے۔جس کی ترجمانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری نے اپنی اپنی تحریروں میں فرمائی ہے۔اس سے ان دونوں اکابر علمائے کرام کے عقائد ونظریات میں یکسانیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حواشی

۱۔اسلام اور غلط فہمیاں سہ روزہ دعوت ص ۶ ۷ جولائی ۲۰۰۲ء

۲۔روزنامہ نوائے وقت ملتان شمارہ ۱۹/دسمبر ۱۹۹۷ء

۳۔ماہنامہ البلاغ کراچی فروری ۱۹۶۹ء

۴۔مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱

۵۔البلاغ کراچی شمارہ نمبر ۱۲ ص ۴۸ دار العلوم کراچی ۱۹۴۹ء

۶۔ابوالحسن زید فاروقی، اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان ص ۴۵، ۴۶

۷۔التوبۃ آیت ۷۴

۸۔المریم آیت ۱۹

۹۔احمد رضا خاں قادری، فتاوی رضویہ جلد ۱۲ ص ۶۰

۱۰۔اسماعیل دہلوی، صراط مستقیم ص ۸۶ المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور

۱۱۔محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس ص ۳ کتب خانہ امدادیہ دیوبند

۱۲۔اشرف علی تھانوی، حفظ الایمان مع بسط البنان ص ۸ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند

۱۳۔خلیل احمد انبیٹھوی، براہین قاطعہ ص ۵۵ کتب خانہ امدادیہ دیوبند

۱۴۔سید سلیمان ندوی، حیات شبلی ص ۴۶ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

۱۵۔ثناء اللہ امرتسری، شمع توحید ص ۴۰ مطبوعہ سرگودھا

۱۶۔شیخ محمد اکرام، موج کوثر ص ۷۰ طبع ہفتم

۱۷۔عبدالحئی رائے بریلوی ،الاعلام (نزہۃ الخواطر) جلد ۶ ص ۴۱۸

۱۸۔شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۲۵ مطبوعہ ۱۹۱۷ء

۱۹۔شاہ ولی اللہ دہلوی ،فیوض الحرمین ص ۶۱

۲۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۳۶
۲۱۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۵۲
۲۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۳۸
۲۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۵۷
۲۴۔ جلال الدین احمد امجدی، بزرگوں کے عقیدے ص ۳۲۵ دہلی ۱۹۹۳ء
۲۵۔ شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین ص ۱۴
۲۶۔ ملفوظات شاہ عبد العزیز ص ۸۲ مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ
۲۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۱۰۷
۲۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، مکتوب المعارف ص ۱۵ مطبع مطلع الانوار، سہارنپور
۲۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین ص ۱۴۴
۳۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الدر الثمین ص ۵۷ سہارنپور ۱۹۵۴ء
۳۱۔ شاہ ولی اللہ، القول الجلی ص ۲۶۳ دہلی ۱۹۸۹ء
۳۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الدر الثمین ص ۶۱
۳۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۴۷
۳۴۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۸۰۔۸۱
۳۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین ص ۲۷ مطبع احمدی مدرسہ عزیزی دہلی
۳۶۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۳۶
۳۷۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۱۰۱
۳۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۳۸۸
۳۹۔ شاہ غلام علی دہلوی، مقامات مظہری ص ۳۴ مطبع احمدی ۱۲۶۹ھ
۴۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۲۳۹
۴۱۔ نواب صدیق حسن، اتحاف النبلاء ص ۴۳ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۰ھ

۴۲۔محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اوران کا خاندان ص ۱۴۱ دہلی ۱۹۹۲ء

۴۳۔شاہ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۵۵۲

۴۴۔محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اوران کا خاندان ص ۹۹

۴۵۔شاہ ولی اللہ دہلوی، تفہیمات الٰہیہ ج ۲ تفہیم ۴۴ ص ۴۹ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد

۴۶۔القول الجلی کی بازیافت ص ۱۴

۴۷۔مسلک دیوبند کیا ہے، ماھنامہ البلاغ کراچی ص ۴۹، ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

۴۸۔ابوالحسن علی الندوی، تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۵ ص ۲۶۵

۴۹۔اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص ۸

۵۰۔طٰہٰ آیت ۱۰۹

۵۱۔محمد آیت ۱۹

۵۲۔یونس آیت ۳

۵۳۔سباء آیت ۲۳

۵۴۔ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۸۷ خانقاہ کاظمیہ کاکوری لکھنؤ ۱۹۹۷ء

۵۵۔اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص ۸

۵۶۔المائدہ آیت ۳۵

۵۷۔النساء آیت ۶۴

۵۸۔نعیم الدین مرادآبادی ،خزائن العرفان برحاشیہ کنزالایمان ص ۱۴۱، رضا اکیڈمی ممبئی

۵۹۔ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۵۳۲

۶۰۔رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد ۱ ص ۸

۶۱۔رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد ۳ ص ۱۱۲

۶۲۔مریم آیت ۳۳

۶۳۔مریم آیت ۱۵

۶۴۔ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۱۲۹

۶۵۔ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۴۹۴

۶۶۔ ولی اللہ دہلوی، القول الجلی ص ۵۲۰

۶۷۔ رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد اول ص ۹۲

۶۸۔ التوبہ آیت ۱۲۸

۶۹۔ آل عمران آیت ۱۶۴

۷۰۔ الجمعہ آیت ۲

۷۱۔ القول الجلی ص ۷۲

۷۲۔ رشید احمد گنگوہی، فتاوی رشیدیہ جلد ۳ ص ۷

۷۳۔ اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص ۱۱

۷۴۔ البقرہ۔ آیت ۳۵

۷۵۔ الاحزاب آیت ۴۵

۷۶۔ البقرہ آیت ۱۵۳

۷۷۔ الحج آیت ۱

۷۸۔ الانبیاء آیت ۶۹

۷۹۔ ھود آیت ۴۴

۸۰۔ سباء آیت ۱۰

۸۱۔ ملا علی القاری، المرقاۃ جلد ۳ ص ۲۴۱

بحوالہ حیاۃ الانبیاء، احمد حمزہ مطبوعہ دار العلوم قادریہ لیڈی اسمتھ ۱۴۲۴ھ

۸۲۔ فخر الرازی، تفسیر کبیر جلد ۲۱ ص ۴۱

بحوالہ حیاۃ الانبیاء، احمد حمزہ مطبوعہ دار العلوم قادریہ لیڈی اسمتھ ۱۴۲۴ھ

۸۳۔ ولی اللہ دہلوی، اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ص ۲۷، ۲۸، مراد آباد س ۱۸۸۷ء

۸۴۔ ولی اللہ، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بحوالہ فتاوی رضویہ جلد ۱۲ص ۱۰۹ ارضا اکیڈمی ممبئ
۸۵۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکی، فیصلہ ہفت مسئلہ (توضیحات وتشریحات) ص ۲۴۰
مکتبہ رحیمیہ کانپور ۱۴۰۴ھ
۸۶۔ شاہ اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص ۸
۸۷۔ شاہ اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان ص ۴۸ کمال ہند پریس دہلی ۱۳۶۲ء
۸۸۔ شاہ اسماعیل دہلوی، تقویۃ الایمان ص ۳۲
۸۹۔ ولی اللہ دہلوی، ہمعات ص ۲۷ لاہور ۱۹۴۶ء
۹۰۔ الکہف آیت ۸۴
۹۱۔ الانبیاء آیت ۷۹
۹۲۔ الانبیاء آیت ۸۱
۹۳۔ فتاوی دیوبندیہ جلد اص ۳۸ بحوالہ فیصلہ حق وباطل ص ۱۲۲ سنبھل مرادآباد ۱۹۶۰ء
۹۴۔ حاجی امداداللہ، فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۱۱
۹۵۔ حاجی امداداللہ، فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۹۲
۹۶۔ الحج آیت ۳۲
۹۷۔ الفتح آیت ۸
۹۸۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ القول الجلی ص ۷۱

کتابیات

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی — ابوالکلام آزاد دہلی ۱۹۵۸ء

۳۔ آئینہ وہابیت — جعفر سبحانی نئی دہلی ۱۹۹۰ء

۴۔ ابوالکلام آزاد احوال و آثار — مسعود الحسن عثمانی لکھنؤ ۱۹۷۷ء

۵۔ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست — جلال الدین قادری لاہور ۱۹۸۰ء

۶۔ اتحاف النبلاء — نواب صدیق حسن مطبع نظامی کانپور ۱۹۸۸ء

۷۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں — اشرف علی تھانوی دہلی ۱۹۸۱ء

۸۔ احکام شریعت — احمد رضا قادری مدینہ پبلشنگ کراچی

۹۔ الاربعین — عبدالحق غزنوی لاہور

۱۰۔ اسلامی اصول کی فلاسفی — غلام احمد قادیانی پنجاب ۱۹۶۸ء

۱۱۔ اسرار خودی — سلیم چشتی عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۵۲ء

۱۲۔ اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان — ابوالحسن زید فاروقی

۱۳۔ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم — شاہ ولی اللہ دہلوی مراد آباد ۱۸۸۷ء

۱۴۔ اظہار الحق الجلی — احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۸ء

۱۵۔ الاعلام بمن فی التاریخ من الاعلام — عبدالحئی رائے بریلوی لکھنؤ ۱۹۹۱ء

۱۶۔ افکار رضا — قمر الحسن بستوی دہلی ۱۹۹۳ء

۱۷۔ اقبال کے آخری دو سال — عاشق حسین بٹالوی اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۱ء

۱۸۔ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، — یس اختر مصباحی، المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۵ء

۱۹۔ امام احمد رضا اور تصوف — محمد احمد مصباحی المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۸ء

۲۰۔ امام احمد رضا اور ابوالکلام آزاد کے افکار، جمال الدین اسلم دہلی ۱۹۹۱ء

۲۱۔ امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار، مرکزی بزم رضا بھیونڈی ۱۹۹۷ء

۲۲۔ انفاس العارفین — شاہ ولی اللہ مطبوعہ ۱۹۱۷ء

۲۳۔ انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) — عبداللہ بن عمر بیضاوی مصر

۲۴۔ اوشحۃ الجید — شوق نیموی کلکتہ ۱۸۹۱ء

۲۵۔ بال جبرئیل — محمد اقبال لاہور ۱۹۶۶ء

۲۶۔ براہین قاطعہ — خلیل احمد انبیٹھوی کتب خانہ امدادیہ دیوبند

۲۷۔ بزرگوں کے عقیدے — جلال الدین احمد امجدی دہلی ۱۹۹۳ء

۲۸۔ بیس بڑے مسلمان — عبدالرشید ارشد مکتبہ اسلامیہ لاہور ۱۹۸۳ء

۲۹۔ پیغامات رضا — دائرۃ المصنفین اردو بازار لاہور

۳۰۔ تاریخ دعوت وعزیمت — ابوالحسن علی الندوی لکھنؤ ۱۹۸۴ء

۳۱۔ تبرکات آزاد — غلام رسول مہر دہلی ۱۹۶۳ء

۳۲۔ تحذیر الناس — محمد قاسم نانوتوی کتب خانہ امدادیہ دیوبند

۳۳۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان — ابوالاعلیٰ مودودی لاہور ۱۹۷۰ء

۳۴۔ تجانب اہل السنہ — محمد طیب کانپور ۱۹۸۹ء

۳۵۔ تجدید فکریات اسلام — وحید عشرت اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۲ء

۳۶۔ ترجمان القرآن — ابوالکلام آزاد ساہتیہ اکاڈمی دہلی

۳۷۔ تذکرہ علمائے اہل سنت — محمود احمد کانپور ۱۳۹۱ھ

۳۸۔ تذکرہ علمائے ہند — رحمان علی لکھنؤ ۱۹۴۱ء

۳۹۔ تذکرہ کاملان رام پور — احمد علی شوق دہلی ۱۹۱۹ء

۴۰۔ تذکرہ مولانا آزاد — فضل الدین البلاغ پریس کلکتہ ۱۹۱۹ء

۴۱۔ تعارف امام احمد رضا — الہ آباد ۱۹۸۳ء

۴۲۔ تفسیر مدارک — عبداللہ احمد نسفی بیروت لبنان

۴۳۔ تفسیر کبیر — فخرالدین رازی مصر

۴۴۔ تفسیر کشاف — جاراللہ زمخشری انتشارات آفتاب تہران

۴۵۔ تفہیمات الہیہ — شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد

۴۶۔ تقلید — محمد مسعود احمد دارالاشاعت ممبئی ۲۰۰۱ء

۴۷۔ تنقید نامہ — عنوان چشتی دہلی ۱۹۹۲ء

۴۸۔تقویۃ الایمان — اسماعیل دہلوی کمال ہند پریس دہلی ۱۳۶۲ھ

۴۹۔الجامع الصحیح للبخاری — رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۰ھ

۵۰۔الجامع الصحیح للبخاری — بریلی ۱۴۱۰ھ

۵۱۔الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی — احمد رضا قادری مکتبہ اعلیٰ حضرت بریلی ۱۳۴۰ھ

۵۲۔جلالین — جلال الدین سیوطی دہلی ب ت

۵۳۔حاشیۃ الشہاب وکفایۃ الراضی — احمد شہاب الدین خفاجی دار صادر بیروت

۵۴۔حجۃ اللہ البالغہ — شاہ ولی اللہ دہلی ۱۳۷۲ھ

۵۵۔الحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنہ — احمد رضا قادری بریلی ۱۳۳۹ھ

۵۶۔حدائق بخشش — احمد رضا قادری رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۷ء

۵۷۔حرمت سجدہ، تعظیمی احادیث کی روشنی میں ترتیب محمد صدیق ہزاروی کراچی ۱۹۹۱ء

۵۸۔حرمت سجدہ تعظیم (الزبدۃ الزکیۃ) — احمد رضا قادری لاہور ۱۹۷۷ء

۵۹۔حفظ الایمان مع بسط البنان — اشرف علی تھانوی کتب خانہ عزیزیہ دیوبند

۶۰۔حیاۃ الانبیاء — احمد حمزہ مطبوعہ دار العلوم قادریہ لیڈی اسمتھ ۱۳۲۴ھ

۶۱۔حیات اعلیٰ حضرت — ظفر الدین قادری مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء

۶۲۔حیات شبلی — سید سلیمان ندوی اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

۶۳۔خالق کو سجدہ، تعظیم — عبد الستار کلانوری مطبوعہ ۱۳۳۹ھ

۶۴۔خزائن العرفان بر حاشیہ کنز الایمان — رضا اکیڈمی ممبئی

۶۵۔خواجہ حسن نظامی حیات اور کارنامے، — خواجہ حسن نظامی ثانی دہلی ۱۹۸۷ء

۶۶۔خطبہ الہامیہ — ضیاء الاسلام پریس قادیان ۱۹۰۰ء

۶۷۔خطبات اقبال ایک مطالعہ — الطاف احمد اعظمی دہلی ۲۰۰۱ء

۶۸۔خطبات آزاد — مالک رام دہلی ۱۹۷۴ء

۶۹۔الدر الثمین — شاہ ولی اللہ دہلوی سہارنپور ۱۹۵۴ء

۷۰۔الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ — احمد رضا قادری مطبوعہ بریلی

۷۱۔دوامغ الحمیر — جماعت رضائے مصطفیٰ ۱۳۴۰ھ

۷۲۔ دوام العیش — احمد رضا قادری بریلی ب ت
۷۳۔ دو قومی نظریہ کے حامی علماء — اشتیاق حسین قریشی کراچی ۱۹۸۲ء
۷۴۔ دی اسپرٹ مسلم کلچر — سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۴ء
۷۵۔ ذکر آزاد — عبدالرزاق ملیح آبادی کلکتہ ۱۹۶۰ء
۷۶۔ رسائل رضویہ — ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی
۷۷۔ الزبدۃ الزکیہ لتحریم السجود التحیۃ — احمد رضا قادری
۷۸۔ السحب الوابلہ علیٰ ضریح الحنابلہ — ابن حمید النجدی مکتبہ امام احمد ۱۹۸۹ء
۷۹۔ سنن ترمذی — ابوعیسیٰ ترمذی بیروت ۱۹۵۸ء
۸۰۔ سوانح اعلیٰ حضرت — بدرالدین احمد دھنباد بہار ۱۹۸۴ء
۸۱۔ السوّ والعقاب — احمد رضا قادری الہ آباد ۱۹۷۹ء
۸۲۔ شامی — ابن عابدین، مطبوعہ دیوبند
۸۳۔ شاہ ولی اللہ اوران کا خاندان — محمود احمد برکاتی، دہلی ۱۹۹۲ء
۸۴۔ الشہاب الثاقب — حسین احمد مدنی، مکتبہ رحیمیہ دیوبند
۸۵۔ شرح اسرار خودی — سلیم چشتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء
۸۶۔ شرح عقائد جلالی — محقق دوانی، مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ
۸۷۔ شرح مواقف — ابوالعلیٰ لکھنؤ ۱۸۷۷ء
۸۸۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ — ،عبدالحق شعلہ طور کانپور
۸۹۔ شمع توحید — ثناء اللہ امرتسری، مطبوعہ سرگودھا
۹۰۔ صراط مستقیم — اسماعیل دہلوی، المکتبۃ السلفلیہ، لاہور
۹۱۔ الصواعق الالٰہیہ فی الرد علی الوہابیۃ — سلیمان بن عبدالوہاب، ترکی ۱۹۷۷ء
۹۲۔ ضرب کلیم — محمد اقبال، علی گڑھ ۱۹۹۹ء
۹۳۔ طریق النجاۃ — محمد حسن مجددی ترکی ۱۹۷۸ء
۹۴۔ عقد الجید — شاہ ولی اللہ مطبع محمدی لاہور
۹۵۔ فتاویٰ رضویہ — احمد رضا قادری، رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۴ء

۹۶۔فتاوی فیض الرسول، جلال الدین احمد امجدی دارالاشاعت براؤں دہلی ۱۹۹۳ء
۹۷۔فتاوی رشیدیہ رشید احمد گنگوہی کتب خانہ رحیمیہ دہلی ۱۳۴۸ھ
۹۸۔الفتح الربانی (تحفہ سبحانی) شیخ عبد القادر جیلانی، مسلم پریس دہلی ۱۹۰۱ء
۹۹۔فتح العزیز شاہ عبد العزیز، افضل المطابع دہلی
۱۰۰۔الفضل الموہبی احمد رضا قادری
۱۰۱۔فقیہ اسلام حسن رضا پٹنہ ۱۹۸۱ء
۱۰۲۔الفوز العظیم فی رد سجدۂ تعظیم زاہد القادری دہلی ۱۳۴۱ھ
۱۰۳۔فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ مطبع احمدی مدرسہ عزیزیہ دہلی
۱۰۴۔فیصلہ حق و باطل سنبھل مراد آباد ۱۹۶۰ء
۱۰۵۔فیصلہ ہفت مسئلہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مکتبہ رحیمیہ کانپور ۱۴۰۴ھ
۱۰۶۔قادیانیت ابو الحسن علی ندوی، لکھنؤ ۱۹۸۸ء
۱۰۷۔قادیانیت کا علمی محاسبہ رضا اکیڈمی، انگلینڈ ۲۰۰۶ء
۱۰۸۔القول الجلی فی آثار ولی مرتب محمد عاشق پھلتی دہلی ۱۹۸۹ء
۱۰۹۔القول الجلی شاہ ولی اللہ دہلوی (ترجمہ) خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری لکھنؤ ۱۹۹۷ء
۱۱۰۔کتاب التذکاری حازم محفوظ، دار الاتحاد قاہرہ ۱۹۹۹ء
۱۱۱۔کرشن بیتی خواجہ حسن نظامی دہلی ۱۹۳۳ء
۱۱۲۔الکلمۃ الملہمۃ احمد رضا قادری برقی پریس، دہلی ۱۹۷۴ء
۱۱۳۔کلمۃ الحق معین الدین اجمیری دہلی ۱۹۲۱ء
۱۱۴۔کلیات اقبال محمد اقبال گیلان ۱۳۴۳ھ
۱۱۵۔گناہ بے گناہی مسعود احمد المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۱ء
۱۱۶۔گنج ہائے گرانمایہ رشید احمد صدیقی لاہور
۱۱۷۔اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان فواد باقی، کویت ۱۹۹۹ء
۱۱۸۔مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا، غلام مصطفے مجددی، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۶ء
۱۱۹۔ماہیت زمان اقبال مطبوعہ ۱۹۶۰ء

۱۲۰۔ المتنبی القادیانی — مفتی محمود استانبول ۱۹۷۷ء

۱۲۱۔ المجمل المعدد — ظفرالدین قادری لاہور ۱۹۷۶ء

۱۲۲۔ مجموعہ رسائل رد مرزائیت — احمد رضا قادری رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۸ھ

۱۲۳۔ محاسن کنزالایمان — شیر محمد خاں اعوان کانپور ۱۳۹۸ھ

۱۲۴۔ محرم نامہ — خواجہ حسن نظامی دہلی ۱۹۳۳ء

۱۲۵۔ مرشد کو سجدہ تعظیم / تصحیح — خواجہ حسن نظامی دہلی ۱۳۳۸ھ

۱۲۶۔ المستدرک علی الصحیحین — ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری دارالفکر بیروت

۱۲۷۔ مسلم انڈیا — کاش البرنی اسٹار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۴۲ء

۱۲۸۔ مسئلہ ختم نبوت اور تحذیر الناس — احمد سعید کاظمی، محمد آباد گوہنہ ۱۹۸۸ء

۱۲۹۔ مشاہیر کے خطوط بنام سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء

۱۳۰۔ مشکوٰۃ المصابیح — مجلس برکات مبارکپور ۲۰۰۲ء

۱۳۱۔ مشکوٰۃ المصابیح — رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۶ھ

۱۳۲۔ مطالب اسرار و رموز — غلام رسول مہر لاہور ۱۹۶۰ء

۱۳۳۔ مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء — احمد رضا قادری مطبوعہ ۱۳۲۷ھ

۱۳۴۔ مقامات مظہری — شاہ غلام علی دہلوی مطبع احمدی ترکی ۱۲۶۹ھ

۱۳۴۔ المقدمہ — ابن خلدون مطبع خیریہ قاہرہ ۱۳۲۲ھ

۱۳۵۔ مکاتیب ابوالکلام آزاد — کراچی ۱۹۶۸ء

۱۳۶۔ مکاتیب سر محمد اقبال بنام سید سلیمان ندوی، سید شفقت رضوی ادارہ تحقیقات ملی کراچی ۱۹۹۲ء

۱۳۷۔ مکتوب المعارف — شاہ ولی اللہ دہلوی مطبع مطلع الانوار، سہارنپور

۱۳۸۔ مکتوبات امام احمد رضا مع تنقیدات وتعاقبات، مسعود احمد لاہور ۱۹۸۸ء

۱۳۹۔ مکتوبات امام ربانی — شیخ احمد سرہندی استانبول ترکی ۱۹۷۷ء

۱۴۰۔ الملفوظ — احمد رضا قادری، قادری کتاب گھر بریلی ۲۰۰۳ء

۱۴۱۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز — مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ

۱۴۲۔ موج کوثر — شیخ محمد اکرام تاج کمپنی دہلی ۱۹۹۱ء

۱۴۳۔ موضوعات خطبات اقبال — محمد شریف بقا، اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۷ء
۱۴۴۔ نتائج التقلید — محمد اشرف لاہور ۱۹۴۵ء
۱۴۵۔ نقش خاتم — ارشد القادری جام نور دہلی
۱۴۶۔ النور — سید سلیمان اشرف علی گڑھ ۱۹۲۱ء
۱۴۷۔ الہلال — اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۸ء
۱۴۸۔ ہمعات — شاہ ولی اللہ دہلوی لاہور ۱۹۴۶ء

رسائل ومجلات

۱۔ آئینہ دار العلوم (ماہنامہ) دیوبند
۲۔ اردو ادب (سہ ماہی) علی گڑھ
۳۔ اخبار مشرق (روزنامہ) گورکھپور
۴۔ اخبار الفضل قادیان
۵۔ اشاعۃ السنۃ لاہور
۶۔ اشرفیہ (ماہنامہ) مبارکپور اعظم گڑھ
۷۔ افکار رضا (سہ ماہی) ممبئی
۸۔ افکار ملی (ماہنامہ) دہلی
۹۔ انوار رضا (امام احمد رضا نمبر) لاہور
۱۰۔ البلاغ کراچی
۱۱۔ پیغام رضا (امام احمد رضا نمبر) ممبئی
۱۲۔ الجمیعۃ (ہفت روزہ) دہلی
۱۳۔ جنگ (روزنامہ) کراچی
۱۴۔ حجاز جدید دہلی
۱۵۔ خطیب (ہفت روزہ) دہلی
۱۶۔ چٹان (ہفت روزہ) لاہور
۱۷۔ دعوت (سہ روزہ) دہلی
۱۸۔ راشٹریہ سہارا (روزنامہ) دہلی
۱۹۔ سنی دنیا (ماہنامہ) بریلی
۲۰۔ صوت الشرق قاہرہ
۲۱۔ لاہور (روزنامہ) لاہور
۲۲۔ معارف (ماہنامہ) اعظم گڑھ
۲۳۔ معارف رضا (سالنامہ) کراچی
۲۴۔ نوائے وقت ملتان
۲۵۔ الہلال کلکتہ
۲۶۔ یادگار رضا (سالنامہ) ممبئی ۲۰۰۷ء
۲۷۔ یٰس (ماہنامہ) کانپور
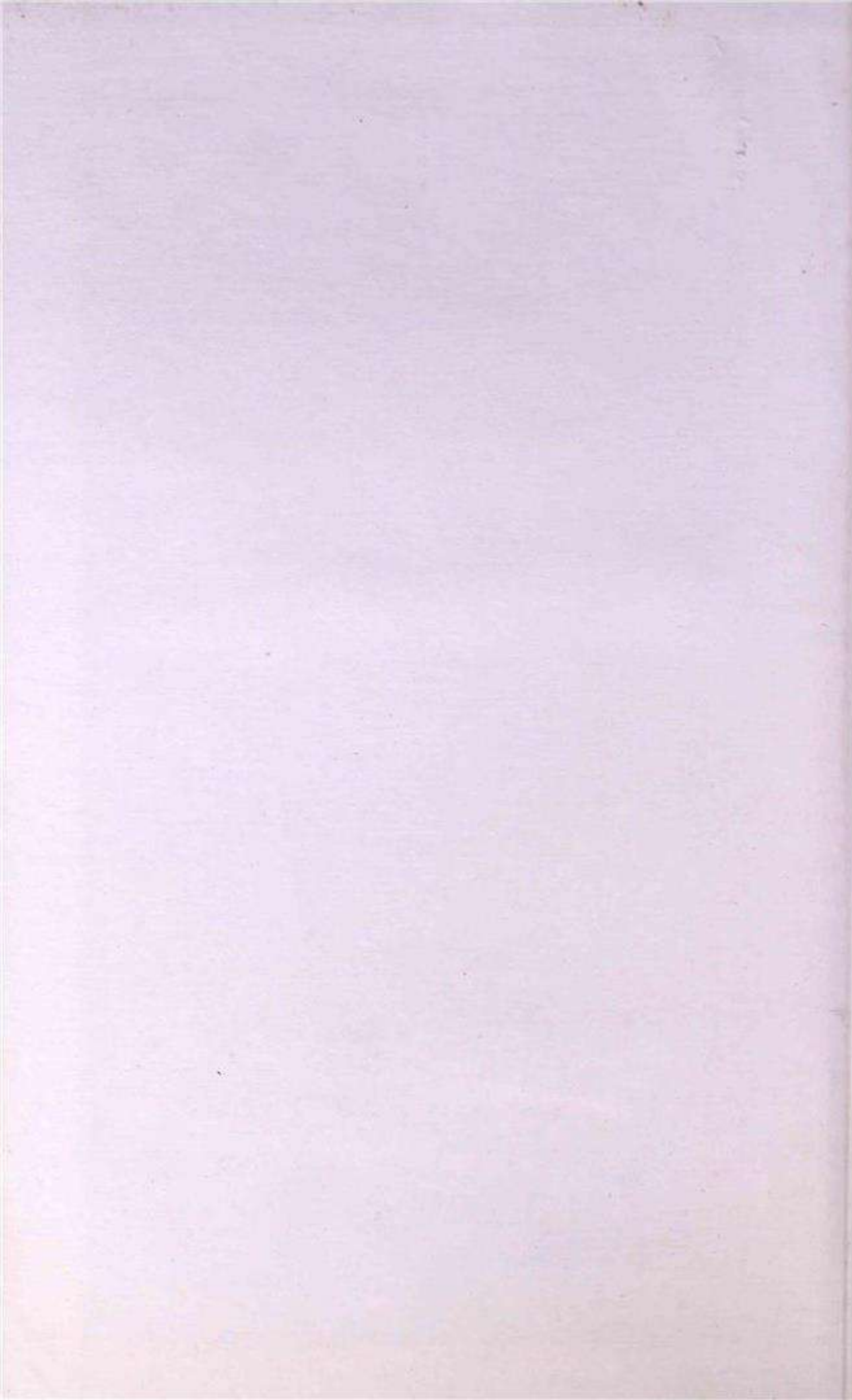
مصنف ارباب علم ودانش کی نظر میں

''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اپنی ریاضت اور زود نویسی کے لئے معروف ہیں وہ اپنی تخلیقی مصروفیات میں تاخیر اور تامل کو راہ نہیں دیتے ان کا موازنہ ان اہل تردد سے کیجئے جو برسوں کھچڑی پکاتے ہیں جب کہیں دال گلتی ہے۔''

سید حامد، چانسلر ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی

''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا قلم ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے کسی بھی عنوان پر قلم اٹھانے سے پہلے موضوع کے انتخاب میں عصر حاضر کے تقاضوں کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ جتنی نگارشات ان کے نوک قلم سے منظر عام پر آئی ہیں ان کی پذیرائی کی گئی ہے۔ تصوف ان کے فکر و خیال کا خصوصی میدان ہے''۔

پروفیسر علاء الدین احمد سابق وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی

''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ان چند لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے دینی مدارس کا قدیم نصاب پڑھنے کے بعد یونیورسٹی کی جدید اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے انہیں میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے تقریباً بارہ سال قبل میری ہی نگرانی میں انہوں نے اپنا تحقیقی سفر شروع کیا تھا جو اب بھی بڑی خوش اسلوبی سے جاری ہے''۔

پروفیسر مختار الدین احمد سابق وائس چانسلر مظہر الحق عربی وفارسی یونیورسٹی پٹنہ

''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کے علمی شغف، خیالات کی پختگی اور اظہار کی سادگی نے مجھے خاصا متاثر کیا ہے نوجوان اور ہو نہار مصنف نے اب تک جن مضامین پر طبع آزمائی کی ہے ان کی اہمیت مسلم ہے''۔

پروفیسر طاہر محمود سابق چیر مین اقلیتی کمیشن حکومت ہند

''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب ادبیات اور دینیات کے پارکھ کی حیثیت سے اپنا مقام بنا چکے ہیں انہوں نے اسلام اور تعلیمات اسلامی کی توضیح و تشریح کا فرض انجام دینے کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کو بھی اپنے فکر و فن کی جولانگاہ بنایا ہے''۔

پروفیسر عنوان چشتی سابق ڈین فیکلٹی آف لنگویجز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

''علامہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نوجوان محققین علماء میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں موصوف نے ایک درجن سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں جو بھی علمی فنی تاریخی اور تدریسی موضوعات پر مشتمل ہیں، ہر تصنیف قابل مطالعہ اور لائق تحسین ہے''۔

مولانا مفتی عبد القیوم ہزاروی پاکستان

''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کو زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے ان کے مبلغ علم اور وسعت مطالعہ نے ان میں قابل رشک ملکہ پیدا کر دیا ہے''۔

پروفیسر طلحہ رضوی برق پٹنہ، بہار

''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب میں آپ کی رائے کا بے حد احترام کرتا ہوں کیوں کہ آپ ایک بڑے تحقیق کار ہیں اور آپ کی رائے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے میں آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کا دیوانہ ہوں'' **ڈاکٹر حنیف ترین سعودی عرب**

Distributed by

KUTUB KHANA AMJADIA

425/7, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6, Ph.: 011-32484831, Telefax : 011-23243187
e-mail:kkamjadia@yahoo.co.uk, info@kutubkhanaamjadia.com
www.kutubkhanaamjadia.com